نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فیضان الرحمٰن

جلد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جلد دوم

مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہٗ

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

ڈیزائننگ وسیٹنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قلب علی سیال فون:0301-7229417

سال اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔2013ء

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون نمبرز۔ 042-37314311,0321-4481214

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ !مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائید واعانت کا ثمرہ ہے۔

مہربان، رحیم وکریم خالق نے ''انسان'' کو اپنی تمام مخلوقات میں عزت وشرف کے تاج سے مزیّن فرما کر فلکِ نیلگوں کے زیرِ سایہ نعماتِ انواع واقسام سے سرشار، فکری ونظری نشانیوں سے مرصع ایسے قطعۂ ارض پر متمکن فرمایا۔ جہاں ہر روز آفتابِ عالم ظلمات اللّیل کو فاش کرتے ہوئے نجوم وقمر کے تسلط کو دامنِ فلک میں گوشہ نشین کر دیتا ہے اور اپنے فیوضاتِ پُروقار سے ہر ذی روح کے اندر زندگی کی ہلچل کو تیز تر کر دیتا ہے۔

نظامِ شمس وقمر کی ان ضیاؤں سے ہر ذی روح اپنی اپنی استطاعتِ بصارت وبصیرت کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔نباتات اپنی صغیر کلیوں اور حسین پھولوں کے ذریعے شبنم وقمر کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتے ہیں چرند وپرند سورج کی کرنوں سے سینۂ ارض پر غذائی نعمات پا کر مسرور ہوتے ہیں۔درندے تاریکیوں کو جال سمجھ کر اور روشنیوں کو غنیمت جان کر دھرتی پہ جلوہ فگن حُسنِ زندگی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔سورج کی تمازت خیز کرنیں ہوں یا چاند کی دلنشیں شعاعیں، صاحبانِ بصیرت کیلئے تاریکیوں سے نکل کر اُجالوں سے مستفیض ہونے کی نوید ہیں۔

لہٰذا وہ پاکیزہ نفوس کے حامل اہل بصیرت جو روشنیوں کے منتظر ہوتے ہیں، وہ خوابِ غفلت میں مدہوش گہری نیند نہیں سوتے بلکہ جونہی ظلمات اللیل اٹھتے ہیں، وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوجاتے ہیں۔مگر وہ مریض نفوس جنہیں قدرت کی ایسی عظیم نعمتوں سے فیضیاب ہونا ہی نہیں آتا وہ سورج کے اس نورِ بےکراں کے سامنے بےفیض ہو کر اپنے مستقبل سے بےخبر، مایوسیوں کے شکنجے میں مقفس، پردے کی اوٹ میں چادر اُوڑھ

کرمعمول کی گہری نیند سو جاتے ہیں۔

''انسان'' جسم وروح سے مرکب، عقل سلیم کے زیور سے آراستہ اپنے اندر صفاتِ جمیلہ وصفات رذیلہ ہر ایک کے ارتقاء کی قوت رکھتا ہے۔ رذائل کا ارتقاء حیوانات سے بھی بدتر درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ صفات جمیلہ کے ارتقاء سے انسان ملائکہ سے بھی افضل قرار پاتا ہے۔ مایوس اور مریض نفوس کی شفایابی کیلئے، صفاتِ رذیلہ کے خاتمے اور صفاتِ جمیلہ کے ارتقاء کیلئے ہمیشہ حکیمِ روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی تسکین اور معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کیلئے قرآنی آیات پر غور وفکر کرنا، ان کے رموز وحقائق کو سمجھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی گزارنا، آخرت کی کامیابی وکامرانی کا باعث ہے۔

بلاشبہ دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنے ملک اور اپنی قومی زبان، بلکہ اپنے علاقے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پاکستان میں علاقائی ذوقِ زبان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کیلئے 10 جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ''**فیضان الرحمٰن**'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہٗ العالی کی عظیم مساعی جمیلہ اور شب وروز کی محنت کا ثمرِ نایاب ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ادارہ ھذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر فیضان الرحمٰن ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین جلد دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

آیات القرآن

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ۝۹۲ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۹۳ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۹۴ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۹۵ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝۹۶

ترجمۃ الآیات

لوگو! تم ہرگز اس وقت تک نیکی (کو حاصل) نہیں کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ نہ کرو۔ اور تم (راہ خدا میں) جو کچھ خرچ کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے۔(۹۲) تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی سب چیزیں (جو اسلام میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں۔ سوائے اس کے جو اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں (یہود سے) کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو(۹۳) پھر اس کے بعد جو شخص خدا پر بہتان باندھے تو سمجھ لو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں(۹۴) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے خدا نے سچ فرمایا! پس تم ملت (دین) ابراہیم کی پیروی کرو جو باطل سے کنارہ کش ہو کر صرف اللہ کا ہو رہا تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا(۹۵) بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا اور عالمین کے لئے مرکز ہدایت ہے۔(۹۶)

تفسیر الآیات

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی...الآیۃ ۹۲

راہ خدا میں پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم

قبل ازیں (پارہ نمبر ۳ کے اوائل میں) ایسی متعدد آیات مبارکہ گزر چکی ہیں جن میں انفاق فی سبیل اللہ (راہ خدا میں مال خرچ کرنے) اور صدقہ وخیرات دینے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مگر اس آیت کا انداز سب سے جدا ہے اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ محبوب، عزیز اور پسندیدہ چیز راہ خدا میں خرچ کئے بغیر نیکی کی حقیقت اور خدا کی رضا ورحمت تک رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی ظاہر ہے کہ پسندیدے چیز میں مال ومنال، جسم وجان اور عہدہ ومنصب سب داخل ہیں۔ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو چیز انہیں خود ناپسند ہو وہ صدقہ وخیرات میں دے دیتے ہیں۔ اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ فضیلت اس میں ہے کہ اپنی پسند کی چیز راہ خدا میں دی جائے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان بڑھ چڑھ کر اپنی محبوب چیزیں راہ خدا میں خرچ کرنے لگے چنانچہ۔۔۔۔

(۱) حضرت امیر علیہ السلام نے ایک پیرھن خریدا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا۔ جسے آپ نے راہ خدا میں دے دیا (مجمع البیان)۔

(۲) ابوطلحہ انصاری کے پاس ایک قیمتی باغ تھا جسے آپ نے اپنے عزیز واقارب میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری)۔

(۳) زید بن حارثہ کے پاس ایک گھوڑا تھا جسے بارگاہ رسالتؐ میں پیش کیا۔ آپ نے اسے قبول فرما کر انہی کے صاحبزادے اسامہ کو دے دیا (ابن جریر طبری)۔

یہ آیت پڑھ کر چونکہ دل ودماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اگر کوئی ناپسندیدہ چیز راہ خدا میں دی گئی تو شاید وہ قبول نہیں ہوگی۔ تو خدائے حکیم نے اس خیال کے ابطال کی خاطر فرمایا وما تنفقوا الآخر۔ تم راہ خدا میں جو کچھ خرچ کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے یعنی وہ رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کا تمہیں مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ البتہ خلوص نیت ضروری ہے۔ کیونکہ خدا خوب جانتا ہے کہ اس کی رضا جوئی کے لئے خرچ کی گئی ہے یا نام ونمود کے لیے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۔

بہر حال یہ حکم مالداروں اور سرمایہ داروں کے لئے ہے اور جو غریب ونادار ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ صدقہ وخیرات لینے والے ہیں نہ کہ دینے والے ہاں البتہ وہ دوسرے ذرائع جیسے عبادت، ذکراللہ نیز تلاوت قرآن اورنوافل، اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ سے یہ ایسی عظیم نیکی حاصل کر سکتے ہیں۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ إِسْرَآئِيلَ...الآیۃ ۹۲

قرآن مجید کی اس آیت شریفہ اور دوسری بہت سی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ ملت ابراہیمی پر تھے۔ اور جو کچھ جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ، اسباطؑ، موسیٰؑ وعیسےٰؑ اور دیگر انبیاء پر نازل ہوا۔ سب پر ایمان رکھتے تھے اور اہل کتاب اس بات کا لازمی نتیجہ یہ قرار دیتے تھے کہ جو چیز ان انبیاء کے دین وشریعت میں حرام تھی وہ آنحضرتؐ کے دین وشریعت میں بھی حرام ہونی چاہیے۔ اور پھر ان کا خیال تھا کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ چونکہ سابقہ انبیاء کی شریعت میں حرام تھا اس لئے وہ آنحضرتؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ انہوں نے اسے کیوں حلال قرار دیا ہے یہودی اس بات کو بڑے برگ وبار دے کر سرکار رسالتؐ پر زبان طعن وتشنیع دراز کرتے تھے اور سادہ لوح عوام کو اسلام اور بانی اسلامؐ سے بدظن کرتے تھے۔

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے اسی ایراد واعتراض کا جواب دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی چیزوں میں منجانب اللہ حلال وحرام کی کوئی تفریق نہیں ہوئی تھی۔ ہاں البتہ جناب یعقوبؑ نے جن کا لقب اسرائیل ہے ازخود طبی نقطہ نگاہ سے بعض چیزوں جیسے اونٹ کا گوشت اور اس کے دودھ کو اپنے لئے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ ان چیزوں کے استعمال سے ان کے درد میں اضافہ ہوتا تھا۔ (تفسیر عیاشی وغیرہ)

لیکن نہ انہوں نے دوسروں کے لئے ان چیزوں کو حرام قرار دیا تھا۔ نہ دوسرے انبیاء یعنی خلیل واسماعیل علیہم السلام نے فرمایا۔ اگر تم یہ بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔ اور اس مضمون کی کوئی آیت پیش کرو۔ مگر ان کو ایسا کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اور بھلا کیسے ہمت ہوتی۔ جبکہ انہیں اپنے کذب وافتراء اور پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کا یقین تھا اسی بنا پر اس سے اگلی دو آیتوں میں جہاں خدا اور رسول کی صداقت کا اظہار کیا گیا ہے وہاں ان لوگوں کی افتراء پردازی اور بہتان سازی کی بے حد مذمت کی گئی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ کھانے کی سب چیزوں کا حلال ہونا اور حلال وحرام کی عدم تفریق۔ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے کیونکہ بنی اسرائیل کی سیاہ کاریوں اور ان کے ظلم وتعدی کی وجہ سے تورات کے نزول کے بعد تو بہت سی چیزیں ان پر حرام قرار دے دی گئی تھیں جیسا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۶۰ میں اس کی طرف

اشارہ موجود ہے کہ "فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا "اور یہود کے ظلم وتعدی کی وجہ سے ہم نے ان پر تورات کے نزول کے بعد تو بہت سی چیزیں ان پر حرام کردیں جو کہ ان کے لئے حلال کی گئی تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ بہت لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے تھے۔اوران حرام کردہ چیزوں کے انواع واقسام کا بیان سورہ انعام کی آیت ۱۴۶ میں کیا گیا ہے۔وَعَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ‌ۚ وَمِنَ الۡبَقَرِ وَالۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ اَوِ الۡحَـوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ‌ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَـغۡيِهِمۡ‌ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ

اور ہم نے یہود پر حرام کردیا ہر ناخن والا جانور اور گائے، بکری میں سے ہم نے حرام کی ان دونوں کی چربی سوا اس کے جو اٹھار کھی ہوں ان کی پشتوں اور آنتوں نے یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزادی تھی اور یقینا ہم سچے تھے۔مگر لطف کی بات یہ ہے کہ جس چیز پر یہود پیغمبرؐ پر زبان اعتراض دراز کرتے تھے(کہ وہ اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کو حلال قرار دیتے ہیں) اس کی حرمت کا تورات وغیرہ آسمانی کتابوں میں کہیں نام ونشان تک نہیں ہے۔قل صدق اللہ (کہہ دو خدا سچ فرماتا ہے)۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ......الآیۃ ۹۶

خانہ کعبہ کی قدامت کا بیان

بعض اخبار وآثار میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار مسلمانوں اور یہودیوں میں یہ نزاع ہوگئی تھی کہ کعبہ افضل ہے یا بیت المقدس؟ کیونکہ مسلمان کعبہ کو افضل قرار دیتے تھے اور یہود بیت المقدس کو افضل بتاتے تھے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان) اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ فرش زمین بچھائے جانے کے بعد سب سے پہلا عبادت خانہ یہی خانہ کعبہ ہے جو سرزمین مکہ میں ہے(جس کا دوسرا نام بکہ ہے)۔ کیونکہ دنیا میں دو ہی ایسے بڑے عبادت خانے ہیں جن کی قدامت میں فی الجملہ اختلاف کیا گیا ہے۔

۱۔خانہ کعبہ ۲۔اور بیت المقدس۔

ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے اور بیت المقدس جناب سلیمانؑ کا تعمیر کردہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آٹھ نو سو سال پہلے گذرے ہیں اور بیت المقدس جناب موسیٰؑ کے ساڑھے چار سو سال بعد جناب سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا۔اس طرح کعبہ کی قدامت اور اولیت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ہاں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا کعبہ جہاں پہلا عبادت

خانہ ہے وہاں روئے زمین پر پہلا دولت خانہ بھی یہی ہے؟ یا اس سے پہلے کوئی اور گھر بنایا گیا تھا؟

بعض صحابہ وتابعین پہلے قول کے قائل ہیں کہ دنیا کا سب سے پہلا گھر کعبہ ہی ہے۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بعض اخبار وآثار سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب خداوند عالم نے زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو پانی میں موج پیدا کرنے کا حکم دیا۔ سوان موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی اور خانہ کعبہ کے مقام پر جمع ہوگئی۔ اور اس جھاگ کا ایک پہاڑ سا بن گیا اور پھر خدا نے اس کے نیچے زمین کا فرش بچھایا (تفسیر صافی)

مجمع البیان کی روایت کے مطابق خانہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا دوسری زمین سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا جو پانی کے اوپر سفید جھاگ کی طرح تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے فرمایا:

''کعبہ کا مقام دوسری زمین سے بلند تھا اور آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکتا تھا اور جب جناب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اطراف وجوانب کی زمین بلند کرکے ان کو دکھائی گئی تو خدا نے فرمایا یہ سب زمین تیری ملکیت ہے''۔ جناب آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ بارالہا! یہ چمکدار زمین کونسی ہے؟ ارشاد قدرت ہوا یہ میری زمین میں میرا حرم ہے (اصول کافی)

بہر حال عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جب اس عالم آب وگل میں جناب آدم علیہ السلام پہلے انسان بلکہ ابوالبشر اور خدا کے پہلے نبی بن کر آئے تو قرین عقل یہی ہے کہ انہوں نے روئے زمین پر اپنا گھر بنانے سے پہلے خدا کا گھر یعنی اپنی عبادت گاہ بنائی ہوگی۔ پھر بعض روایات کے مطابق خانہ کعبہ کی یہ عمارت طوفان نوحؑ تک باقی تھی اس طوفان میں گر گئی اور اس کے نشانات تک مٹ گئے مگر بنیادیں باقی رہیں اور انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں

''وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ''

یاد کرو وہ وقت جب جناب خلیل خدا علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام خانہ خدا کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے (سورہ بقرہ آیت۔ ۱۲۷)

اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں واللہ لعالم۔ فاضل مفسر شیخ محمد جواد مغنیہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اس بحث وتمحیص کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ بات نہ اصول دین میں داخل ہے اور نہ فروع دین میں اور نہ ہی اس کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی عقیدہ رکھنا

ضروری ہے (تفسیر کاشف)

پھر یہ بیت اللہ حوادث روزگار اور گردش لیل ونہار سے کئی بار منہدم ہوا اور کئی بار تعمیر ہوا چنانچہ ایک بار آنحضرتؐ کی بعثت سے پانچ سال پہلے سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ منہدم ہوگیا اور قریش نے اسے تعمیر کیا۔ اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن ج ۱۱۴/۱۱۵ پر لکھتے ہیں:

''لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کردیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں کعبہ کے دو دروازے تھے قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا۔ رسولؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کرکے اس کو بالکل بناء ابراہیمؑ کے مطابق بنادوں۔ قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کیے ہیں۔ ان کی اصلاح کردوں لیکن ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لئے سردست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں'' (بحوالہ بخاری)۔

بہر نوع یہ خانہ خدا مادی و معنوی ظاہری و باطنی فیوض و برکات کا مرکز ہے اور عالمین کے لئے ذریعہ ہدایت ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا بنایا ہوا قبلہ اور رحمت اللعالمین کا کعبہ ہے اور اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک نشانی مقام ابراہیمؑ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں اور پتھر میں آپ کے قدم کا گہرا نشان پیدا ہوگیا تھا۔ جو آج تک موجود ہے جہاں حجاج کرام کو نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

''وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى'' (سورہ آیت......۱۲۵)

دوسری نشانی حجر اسود ہے اور تیسری نشانی منزل اسماعیلؑ ہے (تفسیر نور الثقلین)۔

ایک روایت میں وارد ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ مقام ابراہیم علیہ السلام پہلے جدار کعبہ کے پاس تھا حتی کہ جاہلیت کے دور میں اسے موجودہ مقام پر رکھا گیا پھر فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ نے اسے اپنے اصلی مقام پر منتقل فرمایا۔ پھر کسی دور خلافت میں پھر سابقہ جگہ پر رکھ دیا گیا (تفسیر نور الثقلین) مخفی نہ رہے کہ بکہ مکہ کا ہی دوسرا نام ہے اور ایک روایت کے مطابق پورے شہر کا نام مکہ اور کعبہ والی جگہ کا نام بکہ ہے۔ **وھو الاظھر**....

آیات القرآن

فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ۝۹۷ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۸ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيعُوْا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيمَانِكُمْ كٰفِرِينَ ۝۱۰۰ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝۱۰۱

ترجمۃ الآیات

اس گھر میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (منجملہ ان کے ایک) مقام ابراہیم ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوا اسے امن مل گیا۔ اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض خدا کے لئے اس گھر کا حج کریں جو اس کی استطاعت (قدرت) رکھتے ہیں اور جو (باوجود قدرت) کفر کرے (انکار کرے) تو بے شک خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔ (۹۷)۔ (اے رسول) کہہ دیجئے! اے اہل کتاب تم آیات الٰہیہ کا کیوں انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس کا گواہ ہے (سب کچھ دیکھ رہا ہے) (۹۸) کہیے۔ اے اہل کتاب! آخر تم اس شخص کو جو ایمان لانا چاہتا ہے کیوں خدا کی راہ سے روکتے ہو؟ اور چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود گواہ ہو (کہ سیدھی راہ یہی ہے) اور جو کچھ تم کرتے

ہو خدا اس سے بے خبر نہیں (۹۹)۔ اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی بات مان لی تو یہ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹا دیں گے (۱۰۰)۔ اور بھلا تم کیونکر کفر اختیار کر سکتے ہو۔ جبکہ تمہارے سامنے برابر خدا کی آیتیں پڑھی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو شخص خدا سے وابستہ ہو گیا وہ ضرور سیدھے راستے پر لگا دیا گیا۔ (۱۰۱)

تفسیر الآیات

وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ...الآیۃ ۹۷

یہ جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اسے نہ قتل کرو اور نہ ہی اسے کسی قسم کی اذیت دو۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں وارد ہے کہ بیت اللہ جائے امن ہے اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے یا کوئی قابل حد یا تعزیر جرم کر کے وہاں داخل ہو جائے تو اسے وہاں سزا نہیں دی جا سکتی۔ ہاں البتہ اسے خورد و نوش میں تنگی دے کر اور اس سے لین دین کا کوئی معاملہ نہ کر کے اسے وہاں سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے گا اور پھر باہر اسے سزا دی جائیگی۔ اسی طرح یہ بات صادق آتی ہے کہ جو بیت اللہ میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص حرم کی ہتک حرمت کرتے ہوئے وہیں کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر وہیں حد جاری کی جائیگی (تفسیر عیاشی وصافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص اس گھر کا یہ جانتے ہوئے قصد کرے کہ یہ بیت اللہ ہے اور ہم اہل بیت کی حقیقی معرفت بھی رکھتا ہو تو وہ دنیا و آخرت میں مامون و محفوظ ہے (الکافی)۔ بعض روایات میں یہاں تک وارد ہے کہ اگر کوئی پرندہ اس میں داخل ہو جائے تو نہ اس کا شکار کیا جائے اور نہ ہی اسے ذبح کیا جائے (نور الثقلین) اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا فیض ہے رب اجعل ھذا البلد امنا۔ (بقرہ) اے میرے پروردگار اس شہر کو جائے امن بنا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ ...الآیۃ ایضاً

فریضہ حج کی اہمیت اور اس کے شرائط کا بیان

اس آیت مبارکہ میں حج کا وجوب واضح کیا گیا ہے۔ حج دین اسلام کے ان بنیادی ارکان بلکہ

ضروریات دین میں سے ایک ایسا رکن ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج اور واجب سمجھ کر عملاً یہ فریضہ ادا نہ کرنے والا فاسق ہے متعدد روایات اہلبیت علیہم السلام میں وارد ہے کہ **بنی الاسلام علی خمس الصلوۃ والزکوۃ والحج اولصوم والولایۃ**۔ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہے۔نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور ولایت اہلبیت۔(فروع کافی وغیرہ)

حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ کو خطاب کر کے فرمایا: یاعلی! **من وجب علیه الحج وسوف لیموتن علی غیر دینی**۔ یاعلی (علیہ السلام) جس بندہ پر حج واجب ہو اور وہ برابر ٹال مٹول کرتا رہے یہاں تک کہ مرجائے تو وہ میرے اسلام پر نہیں مرے گا (الکافی)۔مگر یہ فریضہ واجب مطلق نہیں ہے بلکہ واجب مشروط ہے جس کے وجوب کی عمومی شرائط تکلیف از قسم بلوغ و عقل وغیرہ کے علاوہ بڑی شرط استطاعت (طاقت وقدرت) ہے اور تفسیر اہلبیت علیہم السلام کے مطابق یہ استطاعت چند چیزوں سے ثابت ہوتی ہے جو یہ ہیں۔

۱۔زادِ سفر یعنی آدمی سفر حج کے آنے جانے کے اخراجات رکھتا ہو

۲۔سواری یا کرایہ رکھتا ہو۔

۳۔اپنی واپسی تک اہل وعیال کے اخراجات بھی رکھتا ہو

۴۔واپس لوٹنے کے بعد گذر اوقات کا کوئی ذریعہ رکھتا ہو

۵۔راستہ کھلا ہو کوئی پابندی یا خطرہ نہ ہو

۶۔مرض وغیرہ کی وجہ سے کوئی عقلائی مانع نہ ہو

۷۔ایسا بڑھاپا بھی نہ ہو کہ جس کی وجہ سے سفر نہ کر سکے

۸۔وقت کے دامن میں اتنی وسعت ہو کہ حج بجالا سکے (قوانین الشریعہ)

واضح رہے کہ حج کے لغوی معنی ہیں قصد کرنا اور شرعی اصطلاح میں چند خاص مناسک وارکان از قسم احرام، طواف، وقوف عرفات ومزدلفہ اور سعی وحلق وقربانی اور رمی جمرات وغیرہ کی ادائیگی کا نام ہے۔ باقی تفصیلات کتب فقہیہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں جن میں سے ایک ہمارا رسالہ منیۃ الناسکین بھی ہے

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ...الآیۃ۹۸

اہل کتاب خود تو گمراہ تھے ہی۔مگر وہ چاہتے تھے کہ اسلام پر غلط سلط ایرادات اور بے جا نکتہ چینیاں کر کے اہل اسلام کو راہ راست سے گمراہ کریں تاکہ وہ لوگ اس راہ راست کو کج اور ٹیڑھا سمجھنے لگیں

اسطرح وہ لوگ ضال ومضل لوگوں والا کردار ادا کررہے تھے۔خداوند عالم نے ان آیات میں بڑے بلیغ انداز میں ان لوگوں کی لعنت ملامت کی ہے اوران کی حرکتوں پرزجروتوبیخ کی ہے کہ حق وحقیقت کے واضح ہوجانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ تم خود اسلام لاتے اس کے برعکس الٹاتم نومسلم لوگوں کوگمراہ وبدراہ کرنے کی تدبیریں کرر ہے ہو؟ ع

شرم تم کومگر نہیں آتی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا ......الآیۃ ۱۰۰

رب الارباب نے اس خطاب میں اہل ایمان کوفہمائش کی ہے کہ وہ پہلے دوست ودشمن میں تمیز کریں اور پھر دشمن کی شاطرانہ چالوں کوسمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کن مکروہ سازشوں کا جال بچھا کرضرروزماں پہنچانا چاہتا ہے اورکس طرح ان کوآپس میں لڑا کران کوضرروزماں پہنچانا چاہتا ہے۔اورکن لطائف الحیل سے ان کوگمراہ کرنا چاہتا ہے۔چنانچہ اس آیت مبارکہ کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مدینہ کے دوبڑے قبائل اوس وخزرج کی ایک سوسال سے زیادہ عرصہ سے دشمنی چلی آرہی تھی اورکئی بارایک دوسرے سے جنگیں کرچکے تھے اوران کے ہزاروں آدمی ان جنگوں کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اسلام کے آنے کے بعد اور پیغمبرؐ کے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ اسلام کی برکت اور کچھ رحمۃ العالمین کے فیض رحمت سے ان کی دیرینہ دشمنی اور خاندانی عداوت اسلامی اخوت ومحبت سے بدل گئی اوراکسیر رسالتؐ سے ان کے سب زخم مندمل ہوگئے۔تو یہ بات یہودیوں کوایک آنکھ نہ بھائی اور لگے ان کوآپس میں لڑانے کی شیطانی تدبیریں کرنے۔ چنانچہ ایک بار ایک یہودی ایک ایسی بزم سے گزراجہاں اوس وخزرج باہم پیار ومحبت کی گفتگو کررہے تھے۔اس نے ایک اور یہودی کوبھیجا جس نے اس بزم میں جا کرایسے اشعار پڑھنا شروع کئے جن میں ان قبیلوں کی پرانی جنگوں کا تذکرہ تھا۔

سازش کامیاب ہوئی اوراچانک فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی اور باہمی جنگ وجدل اورقتل وقتال کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔جب اس واقعہ کی حضرت رسول خداؐ کواطلاع ہوئی تو آپ فوراً چندصحابہ کی معیت میں وہاں پہنچے اوردونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوکرفرمایا:''اے اوس وخزرج!تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ میری موجودگی میں، مسلمان ہوتے ہوئے اور باہمی اخوت ومحبت کے ہوتے ہوئے کیا تم پھرکفر کی ضلالت وجہالت کی طرف عودکرنا چاہتے ہو؟ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی اوردشمن کی جعل سازی ہے''۔

آنحضرتؐ کا یہ کلام حق ترجمان سن کران کی آنکھیں کھلیں اوراب سمجھے کہ یہ شیطان کی حرکت اور دشمن کی چال ہے جس کے جال میں ہم پھنس گئے ہیں فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور باہم بغلگیر ہوکرروئے اورتوبہ کی

اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔(مجمع البیان روح المعانی) پیر کرم شاہ ازہری اپنی تفسیر (ضیاء القرآن ج ا ص ۲۵۷) میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد بڑے درد دل کے ساتھ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں وہ ابدی حقیقت پیش کی گئی ہے جس پر زمانہ کی ہر کروٹ نے مہر تصدیق ثبت کی ہے انیسویں صدی پر نگاہ ڈالئے برا عظم پاک وہند میں ملت اسلامیہ پر کیا گذری؟ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف اکسا کر اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجادی شرق اوسط کے مسلمانفرمانبرواؤں نے کس کی انگیخت پر خلافت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا؟ اور کس طرح اپنے وقار کا جنازہ نکالا؟ مسلمانوں نے جب بھی اغیار پر یوں اندھا دھند اعتماد کیا تو انہیں ان روح فرسا حالات سے دوچار ہونا پڑا۔اسلام نے کسی کے ساتھ کار خیر میں تعاون کرنے سے منع نہیں کیا لیکن اس نے دوسروں سے فریب اور دھوکہ کھانے سے ضرور روکا ہے''

اور یہ قبیح رسم آج بھی بڑے زور وشور سے برابر جاری وساری ہے اغیار سازشوں کے جال بچھا رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمان اس کا شکار ہورہے ہیں چنانچہ بدقسمتی سے عام اسلامی ممالک میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اسلام کے مختلف فرق ومسالک کے ساتھ وابستہ لوگوں کا دین ومذہب کے مقدس نام پر باہمی کشت وخون ہورہا ہے اور علماءِ سُوء نے جزوی اور فروعی مسائل کو اس قدر ہوا دی ہے کہ رائی کو پہاڑ بنا کر باہمی نفرت وعداوت کی وہ دیواریں کھڑی کردی ہیں کہ بھائی چارہ کی فضا میں مل جل کر رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔اور اب تو رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہیں اور عبادت گذار بھی فتنہ سامانوں کے فتنہ وشر سے محفوظ نہیں رہے۔آج میلاد النبی ﷺ کے جلوس پر فائرنگ ہورہی ہے اور عزاداری کے جلوس پر گولی چل رہی ہے جس سے اسلام ومسلمان ذلیل ورسوا اور ہر جگہ پسپا ہورہے ہیں۔یہ اغیار کی سازش کا نتیجہ وثمرہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔والی اللہ المشتکی۔

اور یہ سب کچھ اس لئے ہورہا ہے کہ ہم نے اسلام کی بنیادی تعلیم تحمل وبرداشت اور رواداری کا دامن چھوڑ دیا ہے یا اللہ ہماری حالت زار پر رحم فرما۔ع

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے

آیات القرآن

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! خدا سے اس طرح ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو (۱۰۲) اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (فضل و کرم) سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے بھرے ہوئے گڑھے (دوزخ) کے کنارے پر کھڑے تھے جو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پا جاؤ (۱۰۳) اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو نیکی کی دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی وہ لوگ ہیں (جو دین و دنیا کے امتحان میں) کامیاب و کامران ہوں گے (۱۰۴) اور خبردار تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کھلی ہوئی نشانیوں (دلیلوں) کے آ جانے کے بعد اختلاف میں مبتلا ہو گئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے (۱۰۵)۔

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ...الآیۃ ۱۰۲

حقیقی مسلمان بن کر مرنے کا حکم اور تقویٰ کی حقیقت کا تذکرہ

ان دو آیتوں میں اہل ایمان کو تین اچھے کاموں کا حکم دیا گیا ہے اور ایک برے کام سے انہیں روکا گیا ہے وہ احکام یہ ہیں۔

۱۔اس طرح تقویٰ الٰہی اختیار کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

۲۔مرنے سے پہلے صحیح معنوں میں مسلمان بنو۔

۳۔سب باہم مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو۔

اور جس ایک برے کام سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے۔کہ آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو سورہ بقرہ کے آغاز میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں واضح کیا جاچکا ہے کہ خدا کی حاکمیت وسلطنت اور اس کی قدرت وتمکنت اس کے خبیر وقدیر حاضر وناظر ہونے کے علم ویقین سے دل ودماغ میں پیدا ہونے والے خوف وخشیہ کا نام تقویٰ ہے چونکہ تقویٰ کا تعلق دل ودماغ سے ہے لہٰذا یہ کیفیت کس کے اندر ہے اور کس کے اندر نہیں؟ یہ چیز معلوم کرنے کے لئے شریعت مقدسہ نے چند علامات مقرر کی ہیں جن کا تعلق بدن اور ظاہر سے ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔بندہ کی خلوت وجلوت برابر ہوجائے اور وہ ہر جگہ احکام الٰہی کی پابندی کرنے میں کوشاں نظر آئے۔

۲۔بندہ واجبات شرعیہ کی بجا آوری اور محرمات الٰہیہ سے بچنے کی کدوکاوش کرے۔

۳۔جہاں سے مالک وخالق بندہ کو روک دے وہاں اس کو حاضر نہ پائے اور جس کام کے کرنے کا حکم دے وہاں اسے غیر حاضر نہ پائے۔

۴۔اس طرح ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔

اس کی تفسیر حضرت امام جعفر صادقؑ نے یوں فرمائی ہے۔یطاع ولا یعصی ویذکر فلا ینسی ویشکر فلا یکفر۔خدا کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اسے یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے۔اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور ناشکری نہ کی جائے (معانی الاخبار)

ایک دوسری آیت میں اس کی وضاحت یوں کی ہے۔فاتقوا اللہ ما استطعتم جس قدر طاقت

وقدرت رکھتے ہواللہ سے ڈرو۔

(۲)۔نہ مرو۔مگراس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔موت کا ایک وقت مقرر ہے جوہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ مرومگراس حالت میں تم مسلمان ہو۔ظاہر ہے کہ مرنا اور نہ مرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے تو پھراس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہروقت مسلمان بن کررہے۔حقیقی اسلام پر قائم وبرقرار اور ثابت قدم رہے اور ہرلمحہ موت کے لئے مستعد وتیار رہے اور کسی وقت بھی خلاف اسلام کوئی حرکت نہ کرے نہ معلوم کب پیغام اجل آجائے بعض روایات کے مطابق آیت میں وارد شدہ لفظ ''مسلمون'' (جوکہ اسلام سے ہے کی قرائت ''مسلّمون'' (شد کے ساتھ) تسلیم سے وارد ہوئی ہے بنابریں مفہوم یہ ہوگا کہ جب تمہیں موت آئے تو پیغمبر اسلامؐ کی لائی ہوئی شریعت اسلامیہ کے سامنے تمہارا سر تسلیم خم ہو اور خدا ورسول اور امام برحق کے مطیع ومنقاد ہو(نورالثقلین)

ویسے اسلام کے ایک لغوی معنی سر جھکانے کے بھی ہیں تو بنابریں مشہور قرات کی بنا پر بھی مسلمون کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ جب تمہیں موت آئے تو تم خدائے واحد ویکتا کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہو اسلام کا یہ مفہوم حقیقی ایمان سے بھی بلند وبالا ہے اس لئے عام اہل ایمان کو مسلمان بن کر مرنے کا حکم دیا جارہا ہے یعنی یہاں ایمان بالمعنی الاعم اور اسلام بالمعنی الاخص مراد ہے۔

بنابریں حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمان وہ ہے جو اپنی اعتقادی وعملی انفرادی واجتماعی وتہذیبی وتمدنی اور معاشرتی زندگی اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومین کے فرمان کے مطابق گذارے اور خدا اور رسولؐ کی مکمل اطاعت کرے۔

(۳)۔سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو۔

اتحادواتفاق کے برکات

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ کسی قوم وملت کی اجتماعی قوت کی مضبوطی، اسے ناقابل تسخیر بنانے اور اسے شاہراہ ترقی پر گامزن رکھنے کا راز اس کے باہمی اتحاد واتفاق کا دامن تھامنے اور باہمی اختلاف وانتشار سے دامن بچانے میں مضمر ہے۔اس میں دورائیں نہیں ہوسکتیں کہ اتحاد واتفاق ممدوح ہے اور انتشار وخلفشار مقدوح۔اس لئے خدا حکیم باربار مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کا حکم دیتا ہے۔

اختلاف کے نقصانات

اختلاف وانتشار سے منع فرماتا ہے۔ارشادقدرت ہے!۔''وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا''
اورتفرقہ واختلاف سے منع کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''وَلَا تَفَرَّقُوْا''
ایک اور جگہ پرخلفشار وانتشار سے یہ کہہ کرمنع فرمایا کہ۔''وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ ''آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور جب کمزور ہو گے تو پھر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (عزت وعظمت خاک میں مل جائے گی)۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف وافتراق ہر قسم کی انفرادی اور قومی وملی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔اقوام عالم کے عروج وزوال کی تاریخ کا مطالعہ ان دونوں باتوں کی صداقت کا بہترین شاہد صادق ہے بہر حال قابل غور بات یہ ہے کہ اس حبل اللہ سے مراد کیا ہے؟ جس کے تھامنے کا اہل ایمان کو حکم دیا جارہا ہے۔
بعض احادیث میں اس کی تفسیر اسلام سے،بعض میں قرآن سے،بعض میں آئمہ اہلبیت سے،اور بعض میں خصوصیت سے حضرت علیؑ سے کی گئی ہے (تفسیر عیاشی،صافی،برہان وغیرہ)۔
دراصل ان حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ سب کا حاصل اور مفہوم ایک ہی ہے کہ خدا کے مقرر کردہ نظام یعنی دین اسلام پر قائم اور ثابت قدم رہو جس کا قانون وآئین قرآن ہے اور اس نظام کے رہبر وراہنما اور اس قانون کے معلم اور شارح اور عملی نمونہ پیغمبر اسلامؐ ہیں اور ان کے بعد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں یہ ہے حبل اللہ کا وہ جامع مفہوم جو سب جزئیات کو شامل ہے اور سب افراد پر حاوی ہے تمام مسلمانان عالم کے باہمی اتحاد واتفاق کے لئے اس سے بڑھکر اور کیا بنیاد ہوسکتی ہے کہ سب کا خدا ایک ہے رسول ایک ہے کتاب ایک ہے قبلہ ایک ہے۔ع

اے کاش کہ ہوتے مسلمان بھی ایک

بعد ازاں خدائے مہربان نے اپنے بعض احسانات وانعامات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ تم کفر وشرک اور اپنی بدعملیوں کی وجہ سے بالخصوص خانہ جنگیوں نت نئی لڑائیوں اور فتنہ سامانیوں کی وجہ سے کس طرح دوزخ کی آگ کے گڑھے پر پہنچ چکے تھے۔بس مرنے کی دیر تھی ادھر واصل جہنم ہوئے مگر اس رحمن ورحیم خدا نے اپنے نبی کریم کو بھیج کر صدیوں کی رنجشیں اور کینے دلوں سے نکال کر تمہیں بھائی بھائی بنادیا اور آتش دوزخ سے چھٹکارا دلا کر جنت الفردوس میں داخل ہونے کا حقدار بنادیا۔''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ''

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ۔۔۔الآیة

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وافادیت کا تذکرہ

اس آیت مبارکہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فلسفے کا تذکرہ کیا گیا ہے جو تمام اسلامی فرائض وواجبات میں سے ایک اہم اور اشرف فریضہ ہے اس فریضہ کی فضیلت وعظمت کو سمجھنے کے لئے حضرت امیر علیہ السلام کا یہی ایک فرمان کافی ہے فرماتے ہیں وَمَا اَعۡمَالُ البروَالۡجِهادُفی سَبِيلِ اللهِ عِنۡدَ الۡاَمرِبِالۡمَعۡرُوفِ والنهی عن المنکر الا کنفثة فی بحر لجی۔ تمام نیکیاں جہاد فی سبیل اللہ سمیت اجر وثواب کے لحاظ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے ایک بے کراں سمندر کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ (نہج البلاغہ)۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے امرونہی کو سبیل الانبیاء (انبیاء کا راستہ) اور منہاج الصلحاء (صالحین کا وہ طریقہ) قرار دیا ہے جس کے ذریعہ سے باقی فرائض ادا ہوتے ہیں، راستے پر امن ہوتے ہیں کاروبار حلال ہوتے ہیں لوگوں کے حقوق واپس لوٹائے جاتے ہیں۔ زمین آباد ہوتی ہے اور تمام کام درست ہوتے ہیں (فروع کافی، تہذیب الاحکام)۔

اور یہ شرعی فریضہ ادا کرنے والوں کی رفعت مقام اور بلندی شان کو سمجھنے کے لئے پیغمبر اسلامؐ کا یہی ایک فرمان کافی ہے کہ فرماتے ہیں من امر بالمعروف ونہی عن المنکر فهو خليفة الله فی ارضه وخليفة رسول الله وخليفة کتاب الله۔ جو شخص لوگوں کو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے وہ خدا کی زمین میں خدا کا خلیفہ ہے، وہ رسول اللہ کا خلیفہ ہے، اور وہ کتاب اللہ کا خلیفہ ہے (مجمع البیان)

حکیم امت رسولؐ نے صرف اس کی فضیلت بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ اس فریضہ کے ترک کرنے کی سخت الفاظ میں مذمت بھی فرمائی ہے فرماتے ہیں:

''لاتزال امتی بخیر ما امروا بالمعرف ونهوا عن المنکر وتعاونوء علی البر فاذالم یفعلوا ذلك نزعت عنهم البرکات وسلط بعضهم علی بعض ولم یکن لهم ناصر فی الارض ولا فی السماء'' میری امت اس وقت تک خیر وخوبی سے رہے گی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نیکی میں باہمی تعاون کرتی رہے گی اور جب یہ کام چھوڑ دے گی تو اس سے برکات سلب کرلی جائیں گی اور بعض پر بعض مسلط ہوجائیں گے اور اس کا زمین وآسمان میں کوئی یارومددگار نہ ہوگا (وسائل الشیعہ)۔

البتہ اس سلسلہ میں چند باتوں میں قدر اختلاف ہے مثلاً

ایک اختلاف یہ ہے کہ آیا یہ فریضہ واجب عینی ہے یا واجب کفائی اگر اظہر نہیں تو اشھر تو یہی ہے کہ یہ واجب کفائی ہے جیسا کہ متعلقہ آیت میں لفظ منکم کہ (تم میں سے ہمیشہ ایک گروہ رہنا چاہیے) اس پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اگر معاشرہ میں اتنے افراد یہ فریضہ ادا کرنا شروع کریں جس سے اصلاح معاشرہ کا نیک مقصد پورا ہوجائے تو دوسروں سے وجوب ساقط ہوجائے گا دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ واجب مطلق ہے یا واجب مشروط؟ اقویٰ یہ ہے کہ اس فریضہ میں واجب مطلق اور واجب مشروط دونوں کے جنبے پائے جاتے ہیں۔اس طرح یہ من وجہ مطلق ہے اور من وجہ مشروط۔**واللہ العالم**

بہرحال جہاں تک اس فریضہ کے شرائط اور اس کے انواع واقسام اور اس کے مدارج ومراتب کا تعلق ہے تو ان امور کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات کتب فقہیہ یا کم از کم ہماری کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفر یہ جلد اول کی طرف رجوع فرمائیں۔

بہرکیف متعلقہ آیت میں ''الخیر'' (نیکی) سے مراد دین اسلام ہے۔اور معروف سے اللہ کی اطاعت کے کام اور منکر سے اللہ کی نافرمانی والے کام مراد ہیں۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کسی دنیوی مملکت کے نظام کی بقا اور اس کی کامیابی کے لئے مختلف شعبوں اور ان کے لئے مختلف افراد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ، صنعتیہ اور زراعتیہ وغیرہ۔

بالکل اسی طرح نظام اسلام کو برقرار رکھنے اور اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے بھی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے۔جو غیر مسلمانوں کو اسلام کی دعوت دے اور اس عالمگیر پیغام امن وسلامتی کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچائے۔اور مسلمانوں کو اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کام کرنے سے انہیں روکے۔ تا کہ اسلامی معاشرہ امن وآتشی مہر ومحبت، راحت وآرام، اور سکون واطمینان میں جنت کی نظیر بن جائے۔مگر یہ خیال رہے کہ اس مشکل اور کٹھن کام کی انجام دہی بالخصوص اغیار کو دعوت اسلام دینے اور ان تک اسلامی تعلیمات اور اس کے نظریات پہنچانے کا فریضہ ہر کہ ومہ کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے ایک ایسی جماعت تیار کرنا پڑے گی جو اسلامی علوم میں مہارت کے علاوہ پختگی کردار بلندی اخلاق واطوار کے زیور سے آراستہ ہو اور مزید برآں حکمت وموعظہ حسنہ کے ساتھ فریضہ تبلیغ ودعوت انجام دینے کی اہلیت رکھتی ہو تا کہ مطلوبہ نتائج وثمرات حاصل ہوسکیں۔

بہرکیف جو گروہ یہ اسلامی فریضہ ادا کرے گا وہی دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوگا یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس قدر اہم اسلامی فریضہ ہے اور اس کے اس قدر فوائد وبرکات ہیں تو پھر ہر شخص بالخصوص علماء اور قومی زعما یہ فریضہ کیوں ادا نہیں کرتے ؟

اس سوال کا مختصر مگر تحقیقی جواب یہ ہے کہ ع

فضیلت جو بڑی ہے تو مصیبت بھی بڑی ہے

یہ فریضہ انجام دینا کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے اور نہ ایسا کرنے والوں کا زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کی روپیوں پیسوں سے ان کی جیبیں گرم کی جاتی ہیں اور نہ ہی انہیں تحفے تحائف ملتے ہیں بلکہ گالیاں ملتی ہیں اور ایسا کرنے والوں کا مردہ باد کے نعروں سے اور گالیوں سے استقبال کیا جاتا ہے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں سروں پر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر کو آخر کار زہر جفا کا پیالہ پلا کر یا تلوار وغا کا ذائقہ چکھا کر ان کی شمع حیات کو گل بھی کر دیا جاتا ہے جیسا کہ انبیاء مرسلین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حالات وواقعات اور سوانح حیات سے یہ حقائق روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہیں ان چیزوں نے علماء وزعماء کے لئے اس فریضہ کی ادائیگی کو نہ صرف مشکل بلکہ شجر ممنوعہ بنا دیا ہے۔ الا من شاء اللہ و قلیل ما ھم۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ۔ الآیۃ ۱۰۵

یہ آیت شریفہ ''واعتصوا بحبل اللہ جمیعاً'' کا تتمہ ہے اور اس میں خداوند عالم امت مسلمہ کو جو داعی الی الخیر اور آمر بالمعروف اور ناہیٔ عن المنکر بن کر آئی ہے کو یہود نصاریٰ کی طرح گروہ بندی اور اختلاف وافتراق کی لعنت میں گرفتار ہونے کی ممانعت فرما رہا ہے اور مرکز وحدت اعتصام بحبل اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مذہبی داستان خونچکاں شاہد ہے کہ انہوں نے اصولوں اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر کے فروعی وجزوی مسائل کو مدار دین بنا دیا تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد یہود کے اکہتر (۷۱) اور جناب عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کے بعد نصاری کے بہتر (۷۲) فرقے وجود میں آ گئے اور انہی لایعنی باتوں میں پڑ کر وہ دین کا اصل مقصد بھی بھول گئے جو کہ عقیدہ و عمل کی اصلاح کرنا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کو بھی یہی خطرہ سامنے آنے والا تھا اس لئے خدائے رحیم و کریم نے بار بار مسلمانوں کو اختلاف وافتراق سے منع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح پچھلی قوموں کو اسی افتراق وانتشار نے تباہ و برباد کیا تھا۔ کہیں تم بھی ان کے راستے پر چل کر برباد نہ ہو جانا۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

یہ میرا صراط مستقیم ہے اسی کی اتباع کرو اور مختلف راستوں کی پیروی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں خدا کے سیدھے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔(سورہ انعام آیت۔ ۱۵۳)

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ"

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے پیدا کئے اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اور پھر اس زیر بحث آیت میں اس تفرقہ بازی کی سخت مناہی فرمائی ہے اور جس طرح اہل کتاب نے روشن نشانیاں آجانے کے باوجود تفرق واختلاف کیا اور دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی میں مبتلا ہوئے۔ کہیں تم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر اور اپنے اصلی مقصد سے انحراف کر کے ذلیل ورسوا نہ ہونا۔ پھر قرآن مجید میں جابجا مختلف انبیاء کی امتوں کے حالات وواقعات بیان فرمائے گئے ہیں کہ وہ کس طرح جزوی وفروعی مسائل میں الجھ کر اور باہم لڑ جھگڑ کر ذلیل ورسوا اور تباہ وبرباد ہوئیں۔ مگر آہ۔

ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

اس قدر وعظ ونصیحت زجر وتوبیخ اور اس قدر منع کرنے کے باوجود مسلمانوں نے اپنے پیغمبر اکرمؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد یہود سے دو فرقوں کا انصاری سے ایک فرقے کا اضافہ کرے ایک اسلام کے تہتر (۷۳) اسلام اور ایک دین کے تہتر فرقے بنا ڈالے اور ایک قرآن کی تہتر تفسیریں وتعبیریں کر دیں۔ جیسا کہ مخبر صادق نے اپنی مشہور اور متفق علیہ بین الفریقین حدیث "ستفرق امتی علی ثلاث وسبعین فرقه.................. الخ" میں اس افتراق امت کی پیش گوئی فرمائی تھی خداوند عالم نے حق وصداقت کی روشن نشانیاں آجانے کے بعد اختلاف وافتراق کرنے والوں کو عذاب عظیم کی تہدید فرائی ہے" **واولئك لهم عذاب عظيم**"

اور آج ہم دنیا میں اس عذاب عظم کا بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اہل ادیان ومذاہب نے ہمیں آپس میں فضول ولا یعنی مسائل میں الجھا کر اور دین مذہب کے نام پر فتنہ وفساد کا بازار گرم کر کے خود الحاد ودھریت کو دعوت دی ہے آج روشن فکر نسل نو دین ومذہب کے انہی خودساختہ اجارہ داروں کی روش ورفتار سے بد دل ہو کر دھریت کے سیلاب میں بہہ رہی ہے چنانچہ ایک طرف دہریت والحاد نے بنیادی عقائد کی عمارت میں

دراڑیں ڈال دی ہیں اور دوسری طرف مغربی تہذیب نے ہمارے معاشرے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے دنیا میں کفر والحاد کا طوفان امڈا چلا آرہا ہے کئی مقامات ایسے ہیں جو کبھی عیسائیت اور اسلام کا مرکز ہوا کرتے تھے مگر آج وہاں کیمونزم کی وجہ سے مسجدیں سجدہ و اذان کے لئے ترس رہی ہیں اور گرجے ناقوس کی آواز کے لئے ترس رہے ہیں سب چراغ گل ہو چکے ہیں لیکن ہمیں گروہی نظریات اور ذاتی مفادات سے فرصت ہی نہیں ہے کہ الحاد کے سامنے کوئی بند باندھیں اور اسلام و مسلمانوں کو اس سیلاب کفر والحاد سے بچانے کی کوئی اجتماعی موثر کوشش کریں۔

افسوس! کہ چمنستان اسلام اجڑ رہا ہے اور ہم مسلمان کہلانے والے خاموش تماشائی بن کر تماشہ دیکھ رہے ہیں اور اب رفتہ رفتہ ان لایعنی بحثوں نے خدا و رسول کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کہیں مقام توحید پر بحثیں ہو رہی ہیں اور کہیں شان رسالت پر مباحثے ہو رہے ہیں بعدازیں مسلمانوں کے پاس باہمی اتحاد کی بنیاد کیا باقی رہ جاتی ہے؟ آہ۔ ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

سچ ہے کہ۔ ان الله اذا ارا د بقوم شر ا شغلهم بالجدل ومنعهم من العمل اس سے اور بڑا عذاب کیا ہوگا؟

الا مان یارحمن اللهم نبهلنا عن نومة الغافلين ففقنا لخدمة دينك المبين واحفظنا من جميع شرا لشياطين من الجن والانس اجمعين وارحمنا برحمتك يا ارحم الراحمين بجاه النبى واله الطاهرين صلوات وسلامه عليهم اجمعين۔

آیات القرآن

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۚ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

جس دن کچھ چہرے سفید (نورانی) ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) تم نے ہی ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا؟ تو اب اپنے کفر کے نتیجہ میں عذاب کا مزا چکھو (۱۰۶) اور جن کے چہرے سفید (نورانی) ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (۱۰۷) یہ آیات الٰہیہ ہیں جو ہم سچائی کے ساتھ تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں کیونکہ خدا جہان والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا (۱۰۸) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور سب معاملات کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہوتی ہے (۱۰۹) تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی راہنمائی) کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا،ان میں سے کچھ تو ایمان لائے ہیں مگر بہت سے فاسق و نافرمان ہیں (۱۱۰)۔

تفسیر الآیات

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ...الآیۃ۱۰۶

قیامت کے دن کچھ لوگوں کے چہروں کے سفید و چمکدار اور ہشاش بشاش ہونے اور کچھ کے سیاہ اور گرد آلود ہونے کا تذکرہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔جیسے۔

''وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ''(سورۃ زمر آیت۔۶۰)

''وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ لا تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ''(سورہ عبس آیت۔۳۹،۴۰)۔وغیرہ

لہذا بروز قیامت کچھ چہروں کا سفید روشن ونورانی ہونا اور کچھ کا سیاہ وتاریک ہونا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر غور طلب امر یہ ہے کہ سفید چہروں والے کون ہوں گے؟

ظاہر ہے کہ جن خوش بخت لوگوں کے دل نور ایمان سے منور ہوں گے اور مخلص مومن ہوں گے (انہی کے چہروں پر یہ سفیدی اور نورانیت کی کیفیت عیاں ہوگی۔ چنانچہ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں:

"یا علی! انت وشیعتك تردون علی الحوض رواء امرضین مبیضة وجوهم وان عدوك یردون علی الحوض عطا شامقحمین"

یا علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر اس حالت میں وارد ہوں گے کہ تم سیراب اور خوش وخرم ہو گے اور تمہارے چہرے سفید ہوں گے اور تمہارے دشمن جب حوض کوثر پر آئیں گے تو وہ پیاسے ہوں گے اور ان کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوں گے (صواعق محرقہ ۱۵۹ طبع مصر)

اور جن کے دلوں پر کفر، شرک، نفاق، ارتداد، بدعت اور فسق وفجور کی سیاہی جمی ہوگی اس گروہ میں کافر مشرک، منافق، مرتد، بدعتی، گناہان کبیرہ کا ارتکاب کر کے بلا توبہ مرنے والے سب داخل ہیں۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کی اجمالی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''هم اهل البدع والاهواء والا راء الباطلة من هذه الامة'' اس سے مراد اسی امت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدعتیں ایجاد کیں۔ من پسند راستے اور باطل نظریات اختیار کئے (مجمع البیان)۔

ترمذی نے ابوامامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے (تفسیر معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں آیت ''یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ'' کے متعلق فرمایا ہے کہ مومنین مخلصین کے چہرے سفید ہوں گے لیکن ان کے علاوہ ان تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دین میں تغیر وتبدل کیا ہوگا خواہ وہ مرتد اور کافر ہو گئے ہوں اور خواہ اپنے دلوں میں نفاق کو چھپائے ہوئے ہوں ان سب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا (تفسیر معارف قرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

مخفی نہ رہے کہا گر اس کے ساتھ ساتھ بخاری ومسلم کی احادیث حوض کا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو اس قسم کے کئی اور چہرے بھی بے نقاب ہو جائیں گے۔

بہر حال اس دن مومن وکافر اپنے اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

''یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰهُمۡ'' اس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے۔

بہر کیف نورانی چہروں والے اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور سیاہ چہروں والے عذاب خداوندی کا مزہ چکھیں گے "وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ" اور خدا تو بندوں پر ظلم وزیادتی کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔

بلکہ وہ ہر شخص کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق وہی سلوک کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر بیشتر اپنا فضل وکرم ہی فرماتا ہے۔ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ...الآية

"تم بہترین امت ہو" کا صحیح مفہوم؟

اس سے پہلے پارہ نمبر ۲ کے اوائل میں آیت ۱۴۳ "وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" کی تفسیر میں امت محمدیہ کے خیر الامم ہونے پر کچھ تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اس کے خیر الامم ہونے کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ اس کا مقصد حیات بہت اجل وارفع ہے کہ یہ تمام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ اس کا ابر کرم کسی خاص قوم وقبیلہ یا کسی خاص خطہ ارضی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ملک وملت ہر زمان ومکان اور ہر اپنے وبیگانے انسان کے لئے عام ہے۔ اخرجت للناس

۲۔ یہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہے۔

۳۔ یہ لوگوں کو برائی سے روکتی ہے۔

۴۔ یہ خدا پر ایمان کامل رکھتی ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں تو تمام امتوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں۔ وہ بھی امر ونہی کرتی تھیں اور وہ خدا پر ایمان بھی رکھتی تھیں تو پھر امت محمدیہ کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ امتیں بھی ان صفات سے متصف تھیں مگر جو کمال اس امت کے امر بالمعروف میں ہے اور جو جلال اس کی نہی عن المنکر کے حصے میں ہے اور جو جمال اس کے ایمان باللہ میں ہے اور جو فیضان عام اس کی نفع رسانی میں ہے۔ وہ دوسری امتوں میں کہاں ہے؟ ان کا امر ونہی صرف قلب ولسان تک محدود تھا مگر امت مرحومہ کا امر ونہی اس سے بڑھکر قوت بازو یعنی جہاد سے بھی ہے اور ایمان باللہ کے سلسلہ ہیں جیسی خالص توحید کا تصور قرآن اور اسلام نے پیش کیا ہے اس کا سابقہ امتوں میں تصور کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔

بہرحال علم الاصول کا قاعدہ ہے کہ"تعلیق الحکم علی صفة یشعر بالعلیة" کہ کسی حکم کا کسی صفت پر معلق کرنا اس صفت کے اس حکم کی علت ہونے کی علامت ہوتی ہے۔مثلاً جب کہا جائے اکرموا العلما۔علماء کا احترام کرو تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ عالم کا علم اس کے احترام کا سبب ہے تو بالکل اسی طرح یہاں امت محمدیہ کا خیرالامم ہونا ان چار صفتوں پر معلق کیا گیا ہے تو جب تک یہ صفات اس امت میں موجود رہیں گی تب تک وہ خیرالامم رہے گی اور اگر خدانخواستہ کبھی اس سے یہ صفات مفقود ہوگئیں تو اس کا خیرالامم ہونا بھی ختم ہوجائے گا۔

یہاں ایک چیز کی وضاحت کردینا ضروری ہے (جس کی طرف سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت کے ذیل میں بھی اشارہ کیا جاچکا ہے) کہ آیا یہ خطاب پوری امت محمدیہ کو ہے؟ یا اس میں سے ایک خاص جماعت کو خطاب ہے؟ جوکہ خیرآئمہ ہے جیسا کہ تفسیر عیاشی کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ کی قرأت میں"خیرآئمہ" وارد ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ بھلا پوری امت کس طرح بہترین امت ہوسکتی ہے جبکہ اسی امت نے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ اور حضرت امام حسنؑ وحسینؑ کو شہید کیا؟ (تفسیر قمی وبرہان وغیرہ)

دوسری روایت میں جو انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا یعنی"الامة التی وجبت لها دعوة ابراهیم علیه السلام...الخ" کہ اس سے مراد وہ جماعت ہے جس کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی تھی"وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ"۔(سورہ بقرہ ۱۲۸)

یہی امت وسط ہے اور یہی بہترین امت ہے جس میں سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے (وابعث فیهم رسولا منهم)۔(تفسیر نورالثقلین)

اور یہ آلؑ رسولؐ ہیں (تفسیر صافی)

یہ ہیں وہ ذوات مقدسہ جن میں منجانب اللہ عہدہ امامت ودیعت ہوا ہے اور یہی پیغمبر اسلامؐ کے بعد پوری کائنات کے حقیقی ہادی ورہنما اور واجب الاتباع ہیں جس پر علاوہ بیسویوں دلائل کے حدیث سفینہ اور حدیث ثقلین بھی بطور نص صریح دلالت کرتی ہیں۔مولانا مودودی نے اس آیت اور امت وسط والی آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"دنیا کی امامت ورہنمائی کے منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کئے گئے اور اب اس منصب کے لئے امت محمدیہ کو مامور کیا گیا ہے (تفہیم القران)"

کیا مولانا صاحب نہیں جانتے کہ

''الائمۃ من قریش'' کہ امامت صرف خاندان قریش میں رہے گی؟ (صحاح ستہ)
اور وہ بھی اس کی ایک خاص شاخ یعنی بنی ہاشم میں سے ہوں گے (ینابیع المودۃ وعمدہ ابن بطریق) اور یہ امامت بارہ میں۔
منحصر ہے ''یکون بعدی اثنا عشر ائمۃ'' اور یہ کہ امامت صرف بارہ اماموں میں ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک برقرار رہے گا۔ (صحاح ستہ)
اس حدیث نبوی کی صحت پر تمام ائمہ حدیث کا اجماع ہے (صواعق محرقہ طبع جدید مصر)
ان حقائق کی روشنی میں تمام امت کس طرح منصب امامت پر فائز ہوگئی؟
کیا موصوف کو معلوم نہیں ہے کہ:
تمام امت محمدیہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو نہ امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہ نہی عن المنکر۔
اور ایسے بھی موجود ہیں جو منکر کا حکم دیتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں۔
اور ایسے بھی ہیں جن کی نگاہ میں یہود ونصاریٰ کی طرف معروف ومنکر کا مفہوم ہی بدل چکا ہے وہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھتے ہیں
اور ایسے لوگ بھی ہیں جن میں تمام شرعی عیوب ونقائص پائے جاتے ہیں اور وہ بے تحاشا تمام شرعی محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں۔
بنابریں وہ تو خود اس لائق ہیں کہ ان کو امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کیا جائے بھلا وہ کس طرح دنیا کی امامت اور رہنمائی کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوسکتے ہیں؟ مالکم کیف تحکمون؟
اے کاش کہ جناب مولانا نے اس عہدہ جلیلہ کی جلالت ونزاکت اور اس منصب کی ذمہ داری کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے کم از کم اپنے بھائی بندشاہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب ''منصب امامت'' کا ہی مطالعہ کرلیا ہوتا۔
بہرحال ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوجاتی ہے کہ یہ خطاب عام امت کو نہیں ہے بلکہ اس میں سے بعض مخصوص افراد کو ہے جن کو منجانب اللہ یہ منصب جلیل عطا ہوا ہے اور وہ خاندان نبوت کے چشم وچراغ بارہ امام علیہم السلام ہیں نہ کوئی اور!

آیات القرآن

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ؕ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ۟ قف ثُمَّ لَا

يُنْصَرُوْنَ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴿۱۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

یہ معمولی اذیت کے سوا ہرگز تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھائیں گے پھر انکی (کہیں سے) مدد نہ کی جائے گی (۱۱۱) یہ جہاں بھی پائے جائیں ان پر ذلت کی مار پڑ گئی مگر یہ کہ خدا کے کسی عہد پر اور انسانوں کے کسی معاہدے کے سہارے کچھ پناہ مل جائے اور یہ خدا کے قہر وغضب میں گھر گئے ہیں اور ان پر محتاجی کی مار پڑی یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ آیات الٰہی کے ساتھ کفر کرتے رہے اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے نیز اس لئے کہ نافرمانی کی اور زیادتیاں کیا کرتے تھے (۱۱۲) یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں ایسی ثابت قدم جماعت بھی ہے جو رات کے مختلف اوقات میں آیات الٰہی کی تلاوت کرتی ہے۔ اور سجدہ ریز ہوتی ہے (۱۱۳)۔

تفسیر الآیات

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى...الآیۃ ۱۱۱

خداوند عالم نے یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد کہ اگر یہ لوگ اپنی غلط اندیشاں کہ ''اسلام لانے سے ان کی چودھراہٹ ختم ہوجائیگی'' اور انہیں مالی نقصان ہوگا۔ چھوڑ کر ایمان لاتے تو ان کے لئے دنیا و آخرت میں

بہتر ہوتا۔ یہاں عزت ملتی اور وہاں ثواب ملتا۔اس سے آگے خداوند عالم نے پیشینگوئی کی ہے کہ اگر یہ ایمان نہ بھی لائے تو باوجود دولت اور قوت، ثروت، اور اثر ورسوخ کے نہ کبھی تم پر غالب آئیں گے اور نہ سوائے زبانی کلامی ایذارسانی کے تمہیں کوئی خاص نقصان پہنچا ئیں گے اور اگر کبھی تمہارے مقابلہ میں آگئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے چنانچہ بنوقریظہ اور بنونظیر کے مقابلہ کے وقت جنگ خیبر میں دنیا نے بچشم خود قرآن کی اس پیشینگوئی کی صداقت دیکھ لی اب بھی کوئی قرآن کے اعجاز سے انکار کرسکتا ہے؟

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ...الآیۃ ۱۱۲

یہود کی ذلت مسکنت کا تذکرہ اور موجودہ حکومت کا بیان

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۶۱ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۵۵ کے ذیل میں اس ذلت ورسوائی اور فقر ومسکنت کی توضیح اور امریکہ وبرطانیہ وغیرہ پورے اسلام دشمن ممالک کے باہمی گٹھ جوڑ سے اسرائیل کی عارضی سلطنت کے قیام کی تشریح کی جاچکی ہے۔ یہاں اگر چہ مزید کسی قلم فرسائی کی ضرورت تو نہیں ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے سید العلماء مرحوم کے مختصر مگر جامع افادات کو ہدیہ قارئین کر دیا جائے چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں:

''اس آیت میں یہود پر ذلت لکھے جانے کے اعلان کے ساتھ'' الا بجبل من الله وحبل من الناس'' کا استثنا ان تمام اعتراضات کا جواب ہے جو آج تقریباً چودہ سو برس کے بعد انگلستان اور امریکہ کی دستیاری سے اسرائیلی سلطنت کے قیام کی وجہ سے زبانوں پر آنے لگے ہیں کہ قرآن نے کہا تھا کہ ان پر ذلت لکھی گئی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں مشہور تھا کہ یہودیوں کی کوئی سلطنت دنیا میں نہیں ہوسکتی۔ پھر یہ آج ان کی سلطنت کیوں کر قائم ہوگئی؟ مگر قرآن نے صاف طور پر استثنا کر دیا ہے کہ وہ خود اپنی طاقت کے بل بوتے پر اس ذلت سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ ہاں! اللہ کی طرف سے کوئی معاہدہ ہو یعنی جزیہ دے کر اسلام کی پناہ میں آجائیں یا کچھ اور لوگوں کے سہارے کبھی قوت حاصل کرلیں تو اور بات ہے۔اب دنیا خود فیصلہ کرے کہ یہ اسرائیلی حکومت دوسروں کے سہارے سے قائم ہوئی ہے یا نہیں؟ اب بھی کیا دنیا اعجاز قرآن کا انکار کرے گی؟ ''وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ'' (فصل الخطاب ج ۲ ص ۳۳)

لَيْسُوْا سَوَآءً...... الآیۃ

سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو۔

۱۔ثابت قدم ہے۔
۲۔رات کے مختلف اوقات میں آیات الٰہی کی تلاوت کرتی ہے۔
۳۔سجدے کرتی ہے۔
۴۔خدااورروز جزا پرایمان رکھتی ہے۔
۵۔اچھی باتوں کاحکم دیتی ہے۔
۶۔برے کاموں سے روکتی ہے۔
۷۔نیکی کے کام کرنے میں تیزی کرتی ہے۔اس لئے وہ نیکوکاروں میں سے ہےلہٰذاوہ جونیک کام کرے گی اس کی ناقدری نہیں ہوگی۔

چونکہ خداوندعالم نے سابقہ آیات میں یہود ونصاریٰ کی بے حد مذمت کی تھی تومحض اس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ سب یکساں ہیں۔خالق حکیم نے یہ وضاحت کردی کہ سب برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں ایسی اچھی صفات کے حامل لوگ بھی ہیں جن صفات سے عام یہودی عاری ہیں جوخلوص نیت سے ایمان لائے ہیں اوراب اپنی سیرت،کرداراورروش ورفتار سے اسلام کی سربلندی میں مصرف کار ہیں......نیز اس میں احبار یہود کے اس پروپگنڈا کا جواب بھی ہے جوانہوں نے بعض اہل کتاب کے اسلام لانے پرکیا تھا کہ یہ ہم میں سے شریر قسم کے لوگ تھے(تفسیر مجمع البیان)

اسی جماعت کا ذکراس سورہ کے آخر میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

"وَ اِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ"

بے شک اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اوراس پر بھی جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے اوراس پر بھی جوان کی طرف اتاری گئی ہے۔یہ لوگ خدا سے ڈرتے ہیں آیات الٰہیہ کے عوض کوئی قیمت قبول نہیں کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا اجر ہے بے شک اللہ جلد حساب بے باق کرنے والا ہے۔(آل عمران ۱۹۹)

مخفی نہ رہے کہ ان آیات شریفہ سے ضمنی طور پر تلاوت قرآن اور نماز وسجود کے ساتھ شب بیداری اور رات کے سحے میں گریہ وزاری کرنے کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا:

''رکعتان یرکعهما العبد فی جوف اللیل الا خیر خیر له من الدنیا والا خرة''

وہ دو رکعت نماز جو کوئی بندہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے وہ اس کے لئے دنیا وآخرت سے بہتر ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے فرمایا:

''وہ گھر جن میں رات کے وقت قرآن۔کی تلاوت کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے وہ اہل آسمان کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح اہل زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں''۔نیز فرمایا:''نماز شب پڑھا کرو کہ یہ تمہارے نبی کریمؐ کی سنت اور سلف صالحین کا طریقہ کار ہے''۔(مجمع البیان ۱۹)''اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلاً''(سورہ مزمل آیت۔۶) یعنی رات کا اٹھنا سخت ضرور ہے مگر ذکر خدا کے لئے بہترین وقت ہے۔

آیات القرآن

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں تیزی کرتے ہیں اور یہ لوگ نیک لوگوں میں سے ہیں (۱۱۴) یہ جو نیکی بھی کریں گے اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی اور خدا پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے (۱۱۵) بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہیں ان کے اموال اور اولاد اللہ (کی گرفت) سے کچھ بھی نہیں بچا سکیں گے۔ وہ تو دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۱۱۶) یہ لوگ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوکی سی ہے جس میں سخت سردی ہو اور وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اور اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ (۱۱۷)

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ...الآیۃ ۱۱۶

کفار کو مال و اولاد کوئی فائدہ نہ دیں گے

اگرچہ کفار کو خدا کی گرفت اور اس کے عذاب سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا مگر خصوصیت کے ساتھ اموال و اولاد کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر آدمی فطرۃً یہ توقع رکھتا ہے کہ مشکل وقت آنے پر مال و اولاد اس کے کام آئیں گے مگر جب خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔

آخر میں جو عبرت آگین مثال دی گئی ہے اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جس طرح موسم سرما میں سخت ٹھنڈی ہوا کھیتی کو خراب و برباد کر دیتی ہے اسی طرح کفار و مشرکین ایمان لائے بغیر ریا و سمعہ اور نام و نمود کی خاطر رفاہ عامہ وغیرہ کے کاموں میں جو مال و دولت خرچ کرتے ہیں جب اس میں کفر و شرک کی زہر مل جائیگی تو ان کے صدقہ و خیرات کو ضائع و اکارت کر دے گی اور ان کے صدقات و خیرات ھباءً منثوراً ہو کر رہ جائیں گے اس لئے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

آیات القرآن

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اپنے (لوگوں کے) سوا دوسرے ایسے لوگوں کو اپنا جگری دوست (راز دار) نہ بناؤ جو تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ جو چیز تمہیں مصیبت وزحمت میں مبتلا کرے وہ اسے محبوب رکھتے ہیں بغض وعناد ان کے مونہوں سے ٹپکتا ہے۔ اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لئے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔ (۱۱۸) تم اسے (سیدھے) ہو کہ تم ان سے محبت

کرتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم (آسمانی) کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ (ان کی حالت یہ ہے کہ) جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غیظ و غضب سے اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غم و غصہ سے مر جاؤ۔ بے شک اللہ سینے کے اندر والی باتوں کو خوب جانتا ہے (۱۱۹) جب تمہیں کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر سے کام کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کی ترکیبیں اور چالیں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ بے شک جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں خدا اس کا علمی احاطہ کئے ہوئے ہے (۱۲۰)۔

تفسیر الآیات

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو... الآیۃ

کفار سے مخلصانہ مراسم محبت قائم کرنے کی ممانعت

اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مدینہ کے بعض قبائل (جیسے اوس و خزرج) کے اسلام لانے سے پہلے مدینہ کے یہودیوں سے گہرے تعلقات تھے اب اسلام لانے کے بعد بھی وہ اسلامی رواداری اور اپنی خاندانی شرافت کی بنا پر ان مراسم و تعلقات کو نبھانا چاہتے تھے مگر یہودی اپنی اسلام و پیغمبر اسلام دشمنی کی بنا پر مسلمانوں سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ اس لئے خدا نے اہل ایمان کو نصیحت کی ہے کہ وہ مخالفین اسلام کو اپنے مخلص اور جگری دوست اور ہمراز نہ بنائیں۔ مبادا وہ تمہارے راز معلوم کر کے تمہیں کوئی اندرونی یا بیرونی طور پر نقصان پہنچائیں (مجمع البیان)

''بطانہ'' کپڑے کے اس نچلے حصہ کو کہا جاتا ہے جو جسم سے ملا رہتا ہے جس طرح ظہارہ اس کے اوپر والے حصہ کو کہا جاتا ہے اور مجازاً بطانہ اس جگری اور مخلص دوست کو کہا جاتا ہے جو اس کا ایسا دم ساز و ہمراز ہو کہ وہ اپنے معاملات میں اس سے مشورہ لیتا ہو۔ بنا بریں اہل ایمان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی جماعت کے علاوہ مخالفین میں سے کسی شخص کو اپنا معتمد اور مشیر و وزیر نہ بنائیں۔ مبادا کہ وہ تمہیں ضرر و زیاں پہنچائے۔ اور اگر مسلمان بعض حکم و مصالح کے تحت غیر مسلموں سے تعلقات رکھنا چاہیں تو ایک حد کے اندر رکھیں اس سے آگے نہ

بڑھیں۔ وہ حد کیا ہے؟ اس کی وضاحت اسی سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ کے ذیل میں کر دی گئی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔ غرضیکہ تم جس قدر چاہو ان سے لطف و مدارا کرو وہ تمہارے مخلص دوست نہیں بن سکتے اس لئے ان سے تعلقات رکھنے میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے اس سے آگے خداوند عالم نے دشمنان اسلام یہود اور اہل اسلام کی روش و رتار کا تذکرہ اور موازنہ کیا ہے کہ وہ

۱۔ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

۲۔ جو چیز تمہیں زحمت پہنچائے اسے محبوب رکھتے ہیں۔

۳۔ تم ان سے محبت کرتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔

۴۔ جب تم سے سامنا ہوتا ہے تو از راہ منافقت ایمان و اخلاص کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب تخلیہ ہوتا ہے تو غیظ و غضب سے انگلیاں چباتے ہیں۔

۵۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں الغرض تمہاری اور اسلام کی روز افزوں ترقی اور کامیابی ان کے لئے وہ گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہے کہ جسے نہ اگل سکتے ہیں اور نہ نگل سکتے ہیں۔ اور شدت درد والم سے کراہ رہے ہیں خدا فرماتا ہے "**قل موتوا بغیظکم**" اپنے غم و غصہ سے مر جاؤ۔ کیونکہ حاسد کا اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے کہ وہ آتش حسد میں جل کر راکھ ہو جائے۔ ع۔

کہ از مشقت اوجز بمرگ نتواں رست

آیت کے آخر میں خداوند عالم نے اس کارگاہ ہستی میں مصائب اور پریشانیوں سے بچنے اور اس رزم گاہ حیات میں کامیاب و کامران ہونے کے لئے دو تیر بہدف گر بتائے ہیں۔

(۱) ایک کا نام صبر ہے کہ جس قدر مصائب و شدائد کے بادل اُمڈ کر آئیں آدمی صبر و ضبط کا دامن نہ چھوڑے۔ **ان اللہ مع الصابرین**۔

(۲) دوسرے کا نام تقویٰ ہے کہ آدمی خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر ثابت قدمی سے گامزن رہے اور پرہیزگاری اختیار کرے فرماتا ہے:

وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡـًٔا 'اگر تم صبر سے کام لو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کی ترکیبیں اور چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔

"**وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ**" جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لئے راستہ کھول دیتا ہے اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں

ہوتا (سورہ طلاق آیت۔ ۲، ۳)۔

اور سورہ یوسف میں فرماتا ہے ''وَ من یتق یَصْبِرْ فَاِنَّ اللہ لاَ یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ'' (سورہ یوسف آیت۔ ۹۰)

جو کوئی صبر اور تقویٰ اختیار کرے خدا بھلائی کرنے والوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا اور ایسے لوگ دنیا و آخرت کی امتحان گاہ میں ضرور کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ کامیابی ان کا مقدر ہے اور ان کا حق ہے جسے کوئی ان سے چھین نہیں سکتا ''اِنَّ اللہ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ '' بے شک یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں خدا اس کا (علمی) احاطہ کئے ہوئے ہے (آل عمران آیت۔ ۱۲۰)۔

آیات القرآن

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۟ۙ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۟ؕ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۟ۙ﴿۱۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

جب تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کیا (مگر پھر سنبھل گئے) حالانکہ اللہ ان کا حامی و مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۱۲۲) بے شک (اس سے

پہلے) جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ تم (اس وقت) بہت کمزور تھے سو اللہ کی نافرمانی سے ڈرو۔ تاکہ تم شکر گذار بنو۔ (۱۲۳) (اے پیغمبر) یاد کرو۔ جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ بات تمہارے (اطمینان) کے لئے کافی نہیں ہے۔ کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (آسمان سے) اتارے گئے ہوں (۱۲۴) ہاں کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ اور وہ (دشمن جوش میں آکر) اس وقت فوری طور پر تم پر چڑھیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا (۱۲۵) اللہ نے اس (غیبی امداد) کو قرار نہیں دیا مگر اسلئے کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو۔ اور تمہارے دل مطمئین ہو جائیں اور (یہ بات تو واضح ہے کہ) مدد اور فتح و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ (۱۲۶)

تفسیر الآیات

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ...الآیۃ ۱۲۱

جنگ احد کا تفصیلی تذکرہ اور اس کا پس منظر و پیش منظر

ان آیات میں خداوند عالم نے غزوہ احد کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بات آیت میں مذکور نہیں ہے بلکہ تفسیر وحدیث میں مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ بدر میں (جس کا تذکرہ اسی سورہ آل عمران کی آیت ۱۳ کے ذیل میں کیا جا چکا ہے) جو کہ ۲ھ میں بمقام بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان واقع ہوئی جس میں قلت عددی اور بے سروسامانی کے باوجود قادر مطلق عزوجل نے مسلمانوں کو نمایاں فتح و فیروزی عطا فرمائی اور کفار کو ذلت آمیز شکست دی چنانچہ قریش کے ستر نامور سورما مارے گئے ستر اسیر ہوئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے جس کی وجہ سے قریش کے دلوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی سینوں میں انتقام کی آگ سلگنے لگی اور اس خیال سے کہ کہیں جوش انتقام سرد نہ پڑ جائے اپنی عورتوں کو مقتولین پر رونے سے منع کر دیا۔

اور بالآخر ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہیں لیں گے آرام وچین سے نہیں بیٹھیں گے اور ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک قریش کے کشتوں کا بدلہ نہیں لے لوں گا

اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا اور سال بھر کی تیاری اور جنگ کا انتظام کرنے کے بعد بالآخر قریش کے ساتھ اور بھی بہت سے قبائل مدینہ پر تخت وتاراج کرنے کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے اور ہندزوجہ ابوسفیان بھی اور چودہ عورتوں کی سرگروہ بن کر (جن میں بڑے نامورلوگوں کی بیویاں، بہنیں، اور بیٹیاں شامل تھیں) فوج میں شامل ہوگئیں ان عورتوں کو شامل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان کارزار میں جنگ آزماؤں کے جذبات کو بھڑکائیں اور پسپائی کی صورت میں انہیں جوش وغیرت دلاکر واپس میدان میں لائیں۔اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جومنازل سفر طے کرتا ہوااورراستہ میں ماردھاڑ کرتا ہوامدینہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر بمقام احد خیمہ زن ہوا جب حضرت رسول خداؐ کو اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنگ لڑنے کے طریقہ کار کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ لیا۔

کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ چونکہ مسلمان تعداد میں کم ہیں لہٰذا دفاعی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ مدینہ کے اندرمحصوررہ کر جنگ لڑی جائے مگر پرجوش مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ دشمن کو ہماری کمزوری کا احساس وگمان نہ ہواس اثنا میں آنحضرتؐ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ وبکتر پہن کر باہر تشریف لائے اورابن ام مکتوم کو مدینہ میں نگران مقرر کیا اور ۱۴ شوال ۳ھ کو نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمعیت کیساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور کوہ احد کی جانب روانہ ہوئے۔

ابھی پیغمبر اکرمؐ نے آدھا راستہ طے کیا ہوگا کہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے کٹ کر واپس مدینہ آگیا اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا کہ اندرون شہر رہ کر جنگ لڑی جائے لہٰذا میں حدودشہر سے باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کی جانیں خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتا اب مسلمانوں کی تعدا سات سورہ گئی۔ان سات سو میں انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ و بنی حارثہ بھی واپسی کے منصوبے باندھنے لگے مگر توفیق الٰہی شامل حال ہوئی اور پھر سنبھل گئے اور پلٹنے کا ارادہ ترک کردیا قرآن مجید میں انہی کے بارے میں ارشا ہوا ہے۔''اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا'' جب تم میں سے دوگروہوں نے (یہیں سے) پسپا ہونے کی ٹھان لی۔

پیغمبر اسلامؐ نے انہی سات سو لشکریوں کے ساتھ دامن کوہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔آج کا دن تو گذر ہی چکا تھا دوسرے دن ۱۵ شوال ۳ھ روز شنبہ دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے آنحضرتؐ نے دشمن کی کثرت تعداد اور اسلحہ جنگ کی فراوانی اور اپنی قلت تعداد اور سامان جنگ کی کمی کے پیش نظر حفاظتی تدابیر کے طور پر کوہ احد کو پس پشت رکھا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر اور بائیں جانب کوہ عینین

کے ایک تنگ درہ پر پچاس کمانڈروں کا ایک دستہ عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے تاکید کی کہ خواہ فتح ہو یا شکست جب تک اسے حکم نہ دیا جائے وہ کسی حالت اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے اگر یہ انتظام نہ کیا جاتا تو کفار اس سمت سے حملہ آور ہو کر لشکر اسلام کو اپنے محاصرہ میں لے لیتے اور مسلمانوں کے لئے اپنی جانیں بچالے جانا مشکل ہو جاتا۔

اس نظم وانصرام کے بعد بقیہ لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر سعد بن عبادہ کو میسرہ پر اسید بن حضیر کو متعین کیا اور لوا مصعب بن عمیر کو دیا اور علم جنگ حضرت علیؑ کے سپر کیا جو جنگ بدر میں بھی علمبردار تھے اور بعد کے غزاوت میں بھی علمبردار رہے قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ'' اور وہ موقع یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب تم صبح سویرے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور مومنوں کو جنگی مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔

یعنی ایک جگہ تو پوری فوج کا مستقر بنائی گئی اور ایک جماعت کو درہ کوہ کے تنگ راستہ پر مقرر کیا گیا۔ ادھر کفار نے بھی اپنے لشکر کو میمنہ ومیسرہ پر تقسیم کیا۔ میمنہ کا سردار خالد بن ولید کو بنایا اور میسرہ کا عکرمہ بن ابی جہل کو سواروں کا افسر عمرو بن العاص کو مقرر کیا۔ اور قلب لشکر میں جہاں قریش کا بڑا بت ھبل اونٹ پر لادرکھا تھا ابوسفیان جا کھڑا ہوا اور علم لشکر بنی عبدالدار کے طلحہ بن عثمان کے سپرد کیا گیا۔ جب کیل کانٹے سے لیس ہو گئے تو قریش کے ''اعل ھبل'' (ھبل کا بول بالا) کا نعرہ لگایا اور ہندہ اور دوسری عورتیں صفوں کے آگے کھڑی ہو گئیں اور جوش پیدا کرنے کے لئے دف پر ٹھک ٹھک کر گانے لگیں۔

نحن بنات طارق نمشي على النمارق
ان تقبلوا نعانق۔اوتدبروا نفارق

ترانہ کے ختم ہوتے ہی طبل جنگ بجا اور دست بدست لڑائی کا آغاز ہو گیا ادھر سے کفار کا علمبردار طلحہ بن عثمان بڑے کروفر کے ساتھ میدان میں آیا اور طنز آمیز لہجہ میں رجز پڑھا۔ ادھر سے حضرت علیؑ تلوار لہراتے اور رجز پڑھتے ہوئے نکلے اور دونوں شمشیر بکف آپس میں بھڑ گئے۔ طلحہ نے وار کیا حضرت علیؑ نے بیکار کیا اور جوابی حملہ کیا اور بیک ضرب شمشیر اس کا کام تمام کیا۔ یہ منظر دیکھ کر پیغمبرؐ نے صدائے تکبیر بلند کی اور اس کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر لگایا۔ طلحہ کے مارے جانے سے کفار کے حوصلے پست ہو گئے اس کے بعد عثمان ابن ابی طلحہ نے قریش کا علم بلند کیا حضرت علیؑ نے تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا حضرت علیؑ دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کرتے جا رہے تھے اور لشکر قریش میں جو بھی علم ہاتھوں

میں لیتا اسے تہہ تیغ کر کے پرچم کفر سرنگوں کر دیتے یہاں تک کہ آٹھ علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیا اور جب بنی عبدالدار میں سے کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو اس قبیلہ کے ایک غلام صواب نے علم سنبھال لیا حضرت نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اس طرح تمام پرچم برداروں کا خاتمہ کر دیا۔ ابن اثیر نے تحریر کیا ہے:

''کان الذی قتل اصحاب اللواء علی''

جس نے علمبرداران لشکر کو تہ تیغ کیا وہ علیؑ تھے (تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۰۷)

حضرت حمزہؓ کی تلوار صاعقہ بار بھی دشمن کے سروں پر چل رہی تھی۔

الغرض علمبرداران لشکر کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں جم نہ سکے اور شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ ابوسفیان علم کو سرنگوں اور ھبل کو خاک بسر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قریش کی عورتیں بھی پائنچے سمیٹے دوڑ پڑیں مسلمانوں نے جب کفار کو دوڑتے اور میدان کو خالی چھوڑتے دیکھا تو ان پر حرص وطمع کی کمزوری غالب آ گئی اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے درہ کوہ کے محافظوں نے جب مال غنیمت لٹتے دیکھا تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا اگرچہ عبداللہ بن جبیر نے انہیں پیغمبرؐ کا حکم یاد دلایا اور درہ کو خالی چھوڑنے سے منع کیا مگر چند آدمیوں کے سوا کسی نے بات نہ سنی اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے۔ کمانداروں کی اس بے صبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے درہ کوہ کو خالی دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر اس یلغار کو روک نہ سکے اور ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔ خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے کفار پلٹ آئے اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو از سر نو جمع کیا اور مسلمانوں کے منتشر لشکر پر حملہ کر دیا مسلمان جو حملہ سے بے خبر مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے اس دو طرفہ یلغار سے حواس باختہ ہو گئے اور جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔ جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے مورخ طبری نے تحریر کیا ہے:

''کان المسلمون لما اصابهم ما اصابهم من البلا اثلاثاًثلث قتیل ثلث جریح وثلث منهزم'' جب مسلمانوں پر یہ مصیبت پڑی تو ان میں سے ایک تہائی قتل ہو گئے۔ ایک تہائی زخمی ہوئے اور ایک تہائی بھاگ کھڑے ہوئے (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۹۷)

تاہم حضرت علیؑ اور کچھ صحابہ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ میدان جنگ میں

مصروف کار تھے ادھر مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا اور کچھ لوگوں نے براہ راست آپ پر حملہ کر دیا کسی نے آپؐ کی پیشانی پر ضرب لگائی اور کسی نے پتھر پھینکے جس سے آپ کے چار دانت شہید ہو گئے اور ہونٹ شگافتہ ہوا۔قبیلہ انصار کے چند آدمی آگے بڑھ کر حائل ہوئے کفار پیچھے ہٹے اور تھوڑے فاصلہ سے تیر برسانے شروع کیے ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبرؐ کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرتؐ پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے اتنے میں یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت رسول خداؐ شہید ہو گئے اس خبر نے صحابہ کرام کے رہے سہے ہوش بھی گم کر دیئے اوران کی ہمت جواب دے گئی اور عام بھگدڑ مچ گئی کچھ لوگ دور چٹانوں کی اوٹ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگوں نے مدینہ پہنچ کر دم لیا۔

طبری نے تحریر کیا ہے کہ:

''تفرق عنه اصحابه ودخل بعضهم المدينه وانطلق بعضهم فوق الجبل الى الصخرة فقاموا عليها وجعل رسول الله يدعو الناس الى عبادالله''

یعنی آنحضرتؐ کے اصحاب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ان میں سے کچھ مدینہ پہنچ گئے کچھ پہاڑ کے اوپر چٹان پر چڑھ گئے اور وہیں پر ڈیرے ڈال دیئے پیغمبر خداؐ انہیں پکارتے تھے اے بندگان خدا (اے اللہ کے بندو) میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۰۱)

قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

''اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ''

جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور رسولؐ تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا مگر تم کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ یہ افواہ سن کر بعض صحابہ نے کہا کہ اگر پیغمبرؐ مارے گئے ہیں تو پھر ہم لڑ کر کیا کریں گے۔اور حضرت علیؑ نے جو کہ دو دستی تلوار ہاتھ میں لے کر کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے یہ آواز سن کر کہا اگر آنحضرتؐ مارے گئے ہیں تو ہم جی کر کیا کریں گے (مدارج النبوۃ)

مورخ طبری نے چٹان پر بیٹھنے والوں کی باہمی گفتگو بھی درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ بن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا۔ اے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے وہ آئیں اور تمہیں قتل کر دیں (طبری ج ۲ ص ۲۰۱)

قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

''اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ''

اگر پیغمبر اپنی موت مر جائیں یا قتل کر دئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پلٹے گا وہ خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور خدا جلد ہی شکر گذاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔(سورہ آل عمران آیت۔ ۱۴۴)

جناب ابوبکرؓ کہتے ہیں:

''لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ کنت اول من جاء النبی''

جب احد کے دن لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب سے پہلے پلٹ کر آیا(تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۵)

جناب عمرؓ کہتے ہیں:

''تفرقنا عن رسول اللہ یوم احد فصعدت الجبل''ہم احد کے دن رسول اللہ سے الگ ہو گئے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۶۸)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جناب عثمان اس گروہ میں شامل تھے جنہوں نے تیسرے دن مراجعت فرمائی تھی اور انہیں دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

''لقد ذهبتم فيها عريضة،'' تم لوگ بہت دور نکل گئے تھے(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۱۰)

ابن سعد حضرت علیؑ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''وكان علی من ثبت مع رسول الله يوم احد حين انهزم الناس بايعه على الموت''

احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ حضرت رسولؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور موت پر بیعت کی تھی(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۳)

خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب عام بھگدڑ مچی تو پیغمبرؐ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا جب کفار کا پرا چھٹا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر میدان میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔(اسد الغابہ)۔

اس اثنا میں پچاس سواروں کا ایک دستہ آنحضرتؐ پرحملہ آور ہونے کے لئے بڑھا آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا علیؑ! دشمن حملہ کے لئے بڑھ رہا ہے۔

حضرت علیؑ نے شیرانہ حملہ کر کے انہیں منتشر کردیا پھر دوسری طرف سے مشرکین نے حملہ کرنا چاہا آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی۔انہیں روکو جناب نے انہیں بھی تتر بتر کردیا۔

غرض جدھر سے ہجوم بڑھتا ادھر علیؑ آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوجاتے اور دشمن کے پرے توڑ کر رکھ دیتے حضرت علیؑ کی اس جاں نثاری کو دیکھ کر جبرئیل امینؑ نے پیغمبر سے کہا: ''یا رسول اللہ ھذہ المواساۃ''۔ یارسول اللہ ہمدردی وغمخواری اسے کہتے ہیں۔پیغمبرؐ نے فرمایا! انہ منی وانا منہ۔کیوں نہ ہو علیؑ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔جبرئیلؑ نے کہا اور میں آپ دونوں کا ہوں (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۹۷)

اسی موقع پر ''لاسیف الا ذوالفقار ولافتی الا علی'' کی آواز فضا میں گونجی اور فرش سے عرش تک تحسین وآفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔حضرت علیؑ اس غزوہ میں جس پامردی وثابت قدمی سے لڑے وہ اسلامی جہاد کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثالی کارنامہ ہے انہوں نے اور حضرت حمزہ اور دوسرے دو چار جانبازوں کی جوانمردی وثابت قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچالیا۔ حضرت حمزہ نے اس معرکہ میں بڑی دادشجاعت دی مگر آخر کار جبیر بن مطعم کے وحشی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ہند بنت عقبہ نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے دانتوں سے چبایا۔جب حضرت رسول خداؐ نے جناب حمزہ کا لاشا دیکھا اور ان کے کٹے پھٹے اعضا پر نظر پڑی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ابن سعد کہتے ہیں۔

''ما رائینا رسول اللہ۔باکیا اشد من بکاء علیٰ حمزہ رضی اللہ عنہ''

ہم نے حضرت رسولؐ کو اتنا روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنا ان کو حضرت حمزہ پر روتے دیکھا (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۷۳)

بعد ازاں آنحضرتؐ نے شہداء کی نماز جنازہ ادا کی اور پھر تمام شہداء کو خون آلود کپڑوں میں دفن کیا اور پھر آنحضرتؐ ۲۲ شوال کو روز شنبہ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے جب انصار کے محلہ سے گذرے تو خواتین کے رونے اور نوحہ وماتم کی آوازیں سنیں۔جو احد میں شہید ہونے والے عزیزوں پر گریہ وبکا کررہی تھیں۔یہ سن کر پیغمبرؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا!

''ولکن حمزہ لا بواکی لہ'' مگر حمزہ پر رونے والیاں نہیں ہیں؟

انصار نے سنا تو اپنی مستورات سے کہا وہ حضرت حمزہ کے پرسہ کے لئے جائیں اور ان پر نوحہ و ماتم کریں۔ چنانچہ خواتین نے ایسا کیا۔ آنحضرتؐ مسجد میں تشریف فرما تھے جب ان کے رونے کی آواز سنی تو ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ انصار کی عورتوں میں آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب ان کے ہاں کوئی میت ہو جاتی ہے تو پہلے حضرت حمزہ پر گریہ و بکا کرتی ہیں پھر اپنے مرنے والے پر روتی ہیں (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۴ و سیرۃ النبی ج اول ماخوذ از سیرا میرت المومنینؑ ج ا مفتی جعفر حسین مرحوم)

الغرض یہ صورت حال اختلاف رائے بے ضابطگی، بے صبری اور تقویٰ کا دامن چھوڑنے عزم کی کمزوری اور توکل کی کمی کا قہری نتیجہ تھی۔ بالخصوص جو لوگ درّہ کوہ پر متعین تھے اگر وہ نظم وضبط کو خیر باد کہہ کر اپنی جگہ نہ چھوڑتے اور مال غنیمت لوٹنے میں مصروف نہ ہوتے اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقع نہ دیتے تو اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے۔

ارشاد قدرت ہے ''مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ'' (سورہ آل عمران آیت۔ ۱۵۲)

ان کے علاوہ ان لوگوں پر اس کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو اپنی جانوں کی حفاظت کی خاطر پیغمبر اسلامؐ کو نرغہ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ **واللہ المستعان۔**

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ... الآیۃ ۱۲۳

یہ آیتیں جنگ احد کے بعد اتریں۔ ''اذلۃ' ذلیل کی جمع ہے جس کے ایک معنی تو وہی ہیں جو عزیز کی ضد کے ہیں اس بنا پر بعض احادیث کے مطابق اہل بیتؑ کی قرات میں ضعفاء وارد ہے کیونکہ وہ لوگ کسطرح ذلیل ہو سکتے ہیں جن میں حضرت رسول خداؐ جیسی عظیم المرتبت ہستی موجود ہو (تفسیر عیاشی)

اور اس کے دوسرے معنی کمزور و ناتواں کے ہیں بنا بریں ظاہر ہے کہ جنگ بدر میں مسلمان تعداد اور سامان حرب وضرب کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور تھے جس کی تفصیل اسی سورہ کی آیت ۱۳ کے ذیل میں گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی و کامرانی کا دارومدار صرف مادی اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس کا حقیقی دارومدار صبر و تقویٰ اور توکل علی اللہ پر ہے اور جو لوگ مصائب وشدائد پر صبر کرتے ہیں اور اسی پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مختلف طریقوں سے ان کی نصرت و مدد فرماتا ہے جس میں سے ایک طریقہ فرشتوں کو نازل کر کے اہل ایمان کی ہمت بڑھانا بھی ہے جس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔ تو جس خدا

نے جنگ بدر میں عددی قلت اور اسلحہ جنگ کی کمی کے باوجود مسلمانوں کو کفار پر حیرت انگیز فتح وفیروزی عطا فرمائی تھی اگر یہ لوگ جنگ احد میں ان معنوی اسباب میں کمی اور اپنی اجتماعی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرتے تو کیا وہ اب ان کو فتح مبین مرحمت نہیں فرما سکتا تھا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ...الآية

یہاں چند امور قابل غور ہیں

۱۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کب مومنوں سے کہی؟ ۲۔ فرشتے کیوں اور کہاں اتارے گئے؟
۳۔ فرشتوں کی تعداد کس قدر تھی؟ ۴۔ ان کی امداد کی کیفیت کیا تھی؟
۵۔ یہ نصرت وامداد کیوں کی گئی تھی؟

(۱)۔ سو واضح ہو کہ امر اول کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بات مقام احد میں کہی گئی۔ مگر اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بات آنحضرتؐ نے جنگ بدر کے مقام پر فرمائی تھی اور قرآن کے سیاق وسباق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲)۔ فرشتے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دینے، اطمینان قلب حاصل کرانے اور ان کے ثبات قدم کی خاطر اتارے گئے تھے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت سے نیز سورہ انفال کی آیت ۱۰ اور ۱۲ سے واضح ہے "اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ" "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"

ورنہ ظاہر ہے کہ کفار سے جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ نہ کہ فرشتوں پر ہاں! البتہ مسلمانوں کو بشارت دے سکتے ہیں مطمئن کر سکتے ہیں اور انہیں ثابت قدم رکھ سکتے ہیں علاوہ بریں اگر خدا فرشتوں کو کفار سے لڑانا چاہتا تو پھر کوئی ایک کافر بھی زندہ نہ بچتا۔ اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب صرف ایک فرشتہ یعنی جبرئیل قوم لوط کی بستیوں کو الٹ سکتا ہے تو پھر چند ہزار کفار کے مقابلہ کے لئے ہزاروں فرشتوں کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳)۔ جہاں تک تعداد کا تعلق ہے تو سورہ انفال میں ایک ہزار کا اور اس سورہ میں پہلے تین ہزار اور پھر پانچ ہزار کا وعدہ ہے جس کی وجہ سے مفسرین کو صحیح تعداد سمجھنے میں الجھن پیدا ہوئی ہے بظاہر اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بارگاہ رب العزت میں فریاد کی تھی تو خدا نے ان کی فریاد سنتے ہوئے دشمن کی تعداد کے مطابق ایک ہزار فرشتوں سے ان کی

امداد کا وعدہ فرمایا اور اطمینان کی خاطر مزید دو ہزار بھیج دیئے اور فرمایا اگر ضرورت پیش آئی تو ان کی تعداد بڑھا کر تین یا پانچ ہزار بھی کی جاسکتی ہے ارشاد قدرت ہے ''اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَـكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ‏ ﴿۹﴾'' (سورہ انفال ۹)

مگر پانچ ہزار کا یہ وعدہ تین شرطوں کے ساتھ مشروط تھا۔

۱۔ مسلمان صبر کریں۔ ۲۔ تقویٰ اختیار کریں۔ ۳۔ اور دشمن یکدم ان پر حملہ کردے۔

لیکن چونکہ آخری شرط پوری نہیں ہوئی اس لئے پانچ ہزار کے وعدہ کی ایفا بھی ضروری نہ رہی کیونکہ اذافات الشرط فات المشروط۔

(۴)۔ اب رہی یہ بات کہ ان کی امداد کی کیفیت کیا تھی؟ مادی تھی یا معنوی؟

قرآن وسنت میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی اور جو کچھ قرآن کے ارشادات سے مستفاد ہوتا ہے وہ ابھی اوپر امر اول کے ذیل میں بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کا دل بڑھانے، کفار کی ہمت گھٹانے، مسلمانوں کو فتح کی بشارت دینے انہیں اطمینان قلب دلانے اور ثابت قدم رکھنے کے طریقہ پر تھی۔ اگرچہ فرشتے نوری مخلوق ہیں مگر وہ مختلف مخلوق کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب لوطؑ کے ہاں مہمان بن کر آئے یا جب جبرئیل حضرت مریم کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دینے کے لئے آئے تو انسانی شکل وصورت میں آئے۔

اسی طرح جناب جبرئیلؑ حضرت رسول خداؐ کی بارگاہ میں دحئیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے بنابریں بعید نہیں کہ وہ جنگ بدر میں انسانی شکل وصورت میں ہی نازل ہوئے ہوں۔ چنانچہ ایک روایت میں مروی ہے کہ جنگ بدر میں ملائکہ نے سفید رنگ کے عمامے باندھے ہوئے تھے اور عمامے کا ایک سرا دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا اور بعض کا بیان ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے (مجمع البیان)

(۵) باقی رہی آخری بات کہ خداوند عالم نے مسلمانوں کی یہ غیبی نصرت اور امداد کیوں کی؟ تو اس کا جواب قرآن میں یہ دیا گیا ہے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى...الآیۃ ۱۲۶

خوشخبری کے لیے۔ اطمینان قلب کے لئے اور ''لیقطع طرفا'' تاکہ کافروں کے ایک حصہ کو قتل کرکے کاٹ دیا جائے، ان کو قید کرکے ذلیل ورسوا کیا جائے، تاکہ باقی ماندہ لوگ خائب وخاسر ہوکر اور نامراد

ونا شاد ہوکر واپس چلے جائیں اور جنگ بدر میں ایسا ہی ہوا۔ستر صنادید قریش مارے گئے۔ستر قید ہوئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے''وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ''یعنی ملائکہ کا نازل کرنا کامیابی کے ظاہری علل واسباب میں سے ایک سبب ضرور ہے)مگر فتح وفیروزی عطا کرنے والا خداوند عالم ہے۔

آیات القرآن

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً‌ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ‌ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ‌ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ‌ ﴿۱۳۲﴾ سَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ﴿۱۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اور یہ امداد اس لئے ہے) تاکہ کافروں کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ دے (قلع قمع کردے) یا ان کو ایسا ذلیل کرے کہ وہ ناکام ونامراد ہوکر واپس چلے جائیں (۱۲۷) اے رسول! خدا کے امر (فیصلہ) میں تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے (بلکہ یہ اختیار اللہ کے پاس ہے) چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے اور چاہے تو انہیں سزا دے۔ کیونکہ یہ لوگ بہر حال ظالم ہیں (۱۲۸) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اے ایمان والو! یہ دوگنا چوگنا بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ (اللہ کی نافرمانی) سے ڈرو تاکہ تم فلاح

پاؤ(۱۳۰)اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے(۱۳۱)اور اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے(۱۳۲)اور تیزی سے دوڑو اپنے پروردگار کی طرف سے بخشش۔اور اس کی بہشت کی طرف جس کی چوڑان تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔(۱۳۳)

تفسیر الآیات

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ...الآیۃ۱۲۸

ان ضمیروں کا مرجع عام مفسرین نے کفار کو قرار دیا ہے کہ خدا چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے یعنی جبکہ وہ کفر سے توبہ کریں اور اسلام لے آئیں اور چاہے تو انہیں سزا دے یعنی جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم رہیں مگر چونکہ یہاں کوئی مخصوص روایت موجود نہیں ہے۔اس لئے بعض معاصر مفسرین کی یہ تحقیق بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس سے مراد جنگ احد کے وہ بھگوڑے مسلمان ہیں جو حضرت رسول خداؐ کو نرغہ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے کے لئے میدان جنگ سے فرار کر گئے تھے۔اس نظریہ کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ آیت بتصریح مفسرین جنگ احد میں نازل ہوئی ہے۔تو وہ رحمۃ للعالمین جو کفار و مشرکین تک کے لئے بددعا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ''رب اهد قومی انهم لا یعلمون'' وہ کیوں نہ چاہتے ہوں گے کہ ان مجرموں کی سزائیں معاف ہوجائیں؟

اس پر خدا نے اس جہاد میں کمزوری دکھانے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے یہ انداز اختیار فرمایا کہ آنحضرتؐ کو بھی ایک طرح کی تنبیہ کر دی کہ ان لوگوں کا معاملہ آپ سے متعلق نہیں ہے آپ کا کام تو صرف بشارت ونذارت اور ابلاغ ہے ان لوگوں کو معاف کرنا یا سزا دینا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے بہر حال یہ ظالم لوگ ہیں۔

''الصحابه کلهم عدول'' کا نظریہ بے بنیاد ہے

اس صورت میں قرآن کا کلمہ تحقیق کے ساتھ''انهم ظلمون'' کہنا عدالت مطلق صحابہ کے عقیدہ کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے کہ یہ جن کا ذکر ہے وہ دور پیغمبر خداؐ کے مسلمان ہیں جو صحابہ کے زمرہ میں داخل ہیں۔اگر صحابی ہونا عدالت کی ضمانت ہوتا تو قرآن انہیں''ظالمون'' کیوں کہتا(فصل الخطاب)

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اویتوب علیھم او یعذبھم'' کا تعلق ''لیقطع طرفا الخ'' سے ہے اور ''لیس لك من الامر شئ'' درمیان میں جملہ معترضہ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ چاروں کام خدا سے متعلق ہیں کہ ان کا ایک حصہ قتل کر کے کاٹ دے یا قید کر کے ذلیل کرے یا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو سزا دے یہ کام آپ سے متعلق نہیں ہیں (مجمع البیان)۔

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ...الآیۃ ۱۲۹

یہ خداوند عالم کے اقتدار اعلیٰ کا اظہار ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی بخشش یا سزا کا کوئی معیار نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر شخص کے ساتھ اس کے استحقاق کے مطابق سلوک کرتا ہے لہٰذا جو شخص اپنے اعمال یا تفضّل یا شفاعت کی وجہ سے بخشش کا مستحق ہوتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جو بدقسمت کسی طرح بھی بخشش کا مستحق نہیں ہوتا اسے سزا دیتا ہے بہرحال یہ فعل خدا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ لہٰذا ایک بندہ مومن کو بیم و امید کے درمیان رہنا چاہیے جو کہ تقاضائے ایمان بھی ہے اور مقتضائے عقل و خرد بھی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا...الآیۃ ۱۳۰

دوگنا چوگنا سود کھانے کی حرمت کا بیان

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر میں سود کی حرمت اور اس حرمت کے علل و اسباب پر بقدر ضرورت تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے بعض کوتاہ اندیش لوگوں نے اس دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ زیادہ سود لینا حرام ہے اور اگر تھوڑا ہو تو پھر جائز ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کا نام سود ہے وہ بہرحال حرام ہے خواہ زیادہ ہو اور خواہ کم۔ یہاں صرف اس سودی نظام کو حرام قرار دیا جا رہا ہے جو اس وقت رائج تھا۔ کہ اگر کوئی شخص ایک متعین مدت تک قرض لیتا اور پھر مقررہ مدت تک ادا نہ کرسکتا تو وہ قرض خواہ سے مل کر اور سود کی رقم میں اضافہ کر کے مدت بڑھوا لیتا اور پھر یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہتا۔ جس کی وجہ سے اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی تھی اور اسے سود در سود یا سود مرکب کہا جاتا تھا۔ خدا نے اس ظالمانہ نظام کو حرام قرار دے کر ختم کر دیا۔

بنابریں یہ ''دوگنا چوگنا'' قید کی حیثیت سے نہیں ہے کہ جو سود ایسا نہ ہو وہ جائز ہو ایسا نہیں ہے اس قسم کی قید کی کئی مثالیں قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں جو درحقیقت قید نہیں ہیں جیسے ''وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِ اللهِ ثَمَنًا

قَلِيْلاً'' اللہ کی آیات کو کم قیمت پر فروخت نہ کرو (سورہ بقرہ آیت ۔۴۱) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ زیادہ قیمت ملے تو پھر فروخت کردو۔''وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ'' جونبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں ۔(سورہ آل عمران آیت ۔۲۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حق کے ساتھ پیغمبروں کا قتل جائز ہے۔ کیونکہ ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے بلکہ یہ قتل بہرصورت ناحق ہی ہے۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ جب سود انسانی جذبہ ہمدردی کے خلاف ہونے، حرص وبخل اور تن آسانی کے سفلی جذبات کے پرورش پانے، بغض وحسد اور باہمی منافرت وعناد پیدا ہونے کی وجہ سے حرمت سود کا قانون بنایا گیا۔ تو اب اگر کسی خاص موقع ومحل پر وہ مصلحت یا مفسدہ نہ بھی پایا جائے تو بھی وہ فعل حرام ہوگا کہ کلی قوانین مصالح یا مفاسد عامہ کی بنا پر نافذ العمل ہوتے ہیں شخصی یا فردی مصالح ومفاسد کی بنیاد پر نہیں ہوتے ۔ کما لا یخفی

آیات القرآن

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

وہ پرہیزگار خوشحالی اور بدحالی (غرضیکہ ہر حال میں) (راہ خدا میں مال) خرچ کرتے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں (کی غلطیاں) معاف کردیتے ہیں اور اللہ بھلائی کرنے والوں

سے محبت کرتا ہے(۱۳۴) یہ لوگ اگر (اتفاقاً) کوئی فحش کام (کوئی بڑا برا کام) کر بیٹھیں یا کوئی عام گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کر گذریں تو (فوراً) اللہ کو یاد کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے(۱۳۵) اور وہ اپنے کئے پر دیدہ دانستہ اصرار نہیں کرتے ایسے لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت و بخشش ہے اور وہ جنات (باغات) کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور کتنا اچھا صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا (۱۳۶) تم سے پہلے بہت سے نمونے (اور دور) گذر چکے ہیں سو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (احکام خداوندی) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا (۱۳۷) یہ (عام) لوگوں کے لئے تو واضح تذکرہ اور تنبیہ ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے (۱۳۸)

تفسیر الآیات

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ...الآیۃ ۱۳۵

چونکہ اس سے پہلی آیت "وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ" کے آخر میں متقین کا تذکرہ موجود ہے تو اس آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ان متقیوں کے چند اوصاف جلیلہ وصفات جمیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے لئے جنت کی حوریں اور بہاریں چشم براہ ہیں یہ صفات وعلامات اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ دوسرے لوگ ان کو پہچان کر ان کی اتباع و پیروی کر سکیں جو بالترتیب یہ ہیں۔ جس میں سے پہلی چار صفات کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور آخری دو صفات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے

۱۔ وہ سخی ہوتے ہیں۔ اسلئے وہ خوشحال ہوں یا بدحال بہر حال وہ خدائے متعال کی رضا جوئی کی خاطر اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اس انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل قبل ازیں سورۃ بقرہ اور اسی سورہ کے اندر پارہ چار کے اوائل میں بیان کئے جا چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ مزید برآں یہاں بدحالی میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنۃ بعید من النار" سخی آدمی خدا کے قریب، لوگوں کے قریب، جنت کے قریب، اور جہنم سے بعید ہوتا ہے (مجمع البیان)

۲۔ غصہ کو ضبط کرتے ہیں۔ ۳۔ عفو و درگذر کرتے ہیں۔

۴۔احسان وبھلائی کرتے ہیں یہ وہ مکارم اخلاق ہیں جن کی فضیلت سے قرآن وسنت لبریز نظر آتے ہیں اوران کے بےحدوحساب اجروثواب وارد ہوئے ہیں۔لہٰذا جو پرہیزگاراورفرض شناس لوگ ہوتے ہیں وہ جذباتی طور پر یا آتش انتقام بجھانے کی خاطر غصہ نہیں کرتے بلکہ عموماً مجرم سے عفوودرگذر ہی کرتے ہیں کیونکہ

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

البتہ اگر کبھی قانون الٰہی کی تکمیل کے لئے شرعاً سزادینا ضروری ہوتو پھر مناسب اقدام کرتے ہیں۔ آدمی کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ عیش وطیش میں خدا کو بھول جاتا ہے مگر جو خدا کے خالص ومخلص بندے ہوتے ہیں وہ نہ مال ودولت کی فراوانی یعنی عیش میں خدا کو بھولتے ہیں اور نہ غم وغصہ کی فراوانی یعنی طیش میں خدا کو بھولتے ہیں۔ظفر بہادرشاہ دہلوی نے کیا خوب کہا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم وذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خاصان خدا کے کظم غیظ وغضب وعفوودرگذراورمخلوق خدا کے ساتھ احسان وبھلائی کرنے کے قصص وحکایات سے کتب سیروتواریخ چھلک رہی ہیں۔سنن بیہقی کے حوالہ سے کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ:

''حضرت امام زین العابدینؑ کی کنیز امام کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے پانی کا برتن گرا جس سے امام کو زخم لگا اور کپڑے بھیگ گئے۔امام کو فطری طور پر غصہ آیا۔مگر جب رمز شناس کنیز نے اس آیت کا یہ فقرہ پڑھا''**والکاظمین الغیظ**''تو امامؑ نے فرمایا''**کظمت غیظی**''میں نے اپنا غصہ ضبط کرلیا پھراس نے دوسرا جملہ پڑھا''**والعافین عن الناس**'،اس پر امامؑ نے فرمایا''**عفوت عنك**'' میں نے تجھے معاف کیا اور جب اس ہوشیار نے آیت کا آخری جز پڑھا''**واللہ یحب المحسنین**''تو امامؑ نے فرمایا''**اذھبی انت حرۃ لوجه اللہ**''جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا(روح المعانی،مجمع البیان)۔

ایک بارحضرت امام حسینؑ کے کسی غلام سے کوئی خطا سرزد ہوئی امام نے اسے مارنے کا حکم دیا اس نے اسی آیت کا پہلا حصہ پڑھا''**والکاظمین الغیظ**''امامؑ نے فرمایا میں نے غصہ ضبط کیا اس نے دوسرا حصہ پڑھا''**والعافین عن الناس**'،امامؑ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔اس پر اس نے آخری حصہ پڑھا ''**واللہ یحب المحسنین**''امامؑ نے فرمایا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا اور جب تک تو زندہ ہے تجھے دوگنی تنخواہ ملتی رہے گی(عاشر بحارالانوار)

ارشاد قدرت ہے

''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ'' (سورہ حم سجدہ آیت ۔ ۳۴)

یعنی دشمن کی برائی کا احسن طریقہ سے دفاع کرو اس سے تمہارا دشمن مخلص دوست بن جائے گا۔

حضرت امیرالمومنینؑ اپنے فرزند جناب امام حسنؑ کے نام وصیت فرماتے ہیں: بیٹا! غصہ کو ضبط کرو کیونکہ انجام کے اعتبار سے میں نے غصہ کے ضبط کرنے سے زیادہ میٹھا اور لذیذ تر کوئی گھونٹ نہیں دیکھا۔ اور جب تمہیں دشمن پر غلبہ حاصل ہو تو اس سے درگذر کر کے اس غلبہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرو (نہج البلاغہ)

۵۔ گناہ سرزد ہونے پر خدا کو یاد کر کے توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے: ''والذین اذا فعلوا فاحشۃ اوظلموا انفسھم'' یہ لوگ اگر (اتفاقاً) کوئی فحش کام (بڑا برا) کام کر بیٹھیں یا (کوئی عام گناہ کر کے) اپنے اوپر ظلم کر گذریں تو (فوراً) خدا کو یاد کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔

''فاحشہ کیا ہے'' اور ''ظلم علی النفس'' کیا؟

اس میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ میرے خیال میں سب سے بہتر قول مفسر بیضاوی کا ہے کہ فاحشہ سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر وزیاں دوسروں تک پہنچے اور ظلم علی النفس سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر صرف گنہگار کی ذات تک محدود رہے (تفسیر بیضاوی)۔ ہمارے بعض مفسرین (صاحب فصل الخطاب) نے اس اشکال کی بنا پر کہ جو متقین ہوں گے وہ ایسے بڑے بڑے گناہ کا ارتکاب ہی کیوں کریں گے مگر آیت کے سیاق وسباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی متقین کا وصف ہے۔ (جس کا موصوف کو بھی اعتراف ہے) تو پھر اس کمزور سے استبعاد کی بنا پر اس ظاہر سے دست بردار ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ جس قدر پرہیز گار اور نیکوکار ہو آخر ہے تو خطا کار و گنہگار انسان وہ کوئی معصوم انسان تو نہیں ہے کہ اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ اس لئے بتقاضائے بشریت اور مجموعہ خطا و نسیان ہونے کی حیثیت سے اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اپنے تقویٰ و پرہیز گاری کی بنا پر اسے فوراً ندامت و پشیمانی کا احساس ہو جاتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کا معاف کرنا صرف خدائے غفار کا کام ہے وہ نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کر کے اپنے گناہ معاف کرانے کی درخواست پیش کرتے ہیں ''وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ''

۶۔ متقیوں کا آخری وصف یہ ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے یعنی اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اسے بار بار نہیں کرتے بلکہ جب ان سے ایک گناہ سرزد ہو جائے تو بہت جلد اس سے توبہ کر لیتے ہیں حضرت

رسول خداؐ کا ارشاد ہے"ولا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار"کوئی صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ ہوجاتا ہے اور کوئی کبیرہ گناہ توبہ واستغفار کرنے سے کبیرہ نہیں رہتا بلکہ معاف ہوجاتا ہے(مجمع البیان،کذا عن الصادق علیہ السلام نور الثقلین)

ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو نہ صرف اپنے ملک وملت کے لئے سرمایہ فخر وناز ہوتے ہیں بلکہ تمام انسانی نوع کے لئے باعث افتخار اور سایہ رحمت پروردگار ہوتے ہیں"وقلیل ما ھم"ایسے لوگوں کی جزا ایک مغفرت ہے اور دوسری وہ بہشت ہے جس کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ توبہ صرف مغفرت گناہ کا ہی باعث نہیں بلکہ قابل معاوضہ عمل بھی ہے"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ...الآیۃ ۱۳۷

"سنن"سنت کی جمع ہے۔سنت کے معنی ہیں طریقہ اور وہ راستہ جس کی پابندی کی جائے فتح ہو یا شکست،عزت ہو یا ذلت اور جزا ہو یا سزا ہر چیز کے کچھ علل واسباب ہوتے ہیں لہٰذا جو شخص جس قسم کا کام کرے گا وہ اسی قسم کے نتائج سے دوچار ہوگا کیونکہ خدا کے قوانین اٹل ہوتے ہیں گذشتہ قوموں اور امتوں کے حالات وواقعات تاریخ کے صفحات پر مرقوم ہیں جنہیں پڑھ کر درس عبرت حاصل کیا جاسکتا ہے اور فتح وفیروزی،وعزت وعظمت اور اجر وثواب والے علل واسباب پر عمل کر کے یہ خوشگوار ثمرات حاصل کئے جاسکتے ہیں اور ہزیمت وشکست ذلت ورسوائی اور سزا کے موجب افعال واعمال سے احتراز کر کے ان کے تلخ نتائج سے بچا جاسکتا ہے۔مگر آہ!

کاخ جہاں پر است ذکر گذشتگان
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

یعنی

وائے نادانی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لہٰذا جو کچھ میدان احد میں پیش آیا وہ مسلمانوں کی اپنی ہی روش ورفتار کا ناخوشگوار ثمرہ ونتیجہ تھا۔

یہ تذکرہ عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے تو ایک بیان اور تنبیہ ہے مگر پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ونصیحت ہے۔

آیات القرآن

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱۳۹ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۴۰ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۝۱۴۲ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۱۴۳

ترجمۃ الآیات

اے مسلمانو! کمزوری نہ دکھاؤ اور غمگین نہ ہو اگر تم مومن ہو تم ہی غالب و برتر ہو گے (۱۳۹) اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس جیسا زخم ان لوگوں (کافروں) کو بھی (جنگ بدر میں) لگ چکا ہے یہ تو ایام (زمانہ کے اتفاقات اور نشیب و فراز) ہیں جنہیں ہم لوگوں میں باری باری ادلتے بدلتے رہتے ہیں (تمہیں یہ چوٹ اس لئے لگی) کہ خدا (خالص) ایمان والوں کو جان لے اور بعض کو (چھانٹ کر) شہید (گواہ) بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا (۱۴۰) نیز اللہ اس (ابتلاء و آزمائش) سے یہ چاہتا تھا کہ خالص اہل ایمان کو چھانٹ کر الگ کر دے اور کافروں کو رفتہ رفتہ مٹا دے (۱۴۱) (اے مسلمانو) کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے (جانچ کر) معلوم ہی نہیں کیا کہ تم میں واقعی مجاہد کون ہیں؟ اور نہ ابھی یہ معلوم کیا ہے کہ صابر اور ثابت قدم کون ہیں (۱۴۲) اور تم لوگ موت کا سامنا کرنے سے پہلے تو اس کی بہت تمنا کرتے تھے۔ لو اب تم نے اسے دیکھ لیا۔ اور اب بھی (اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو) (تو پھر اس سے کنی کیوں کتراتے ہو؟) (۱۴۳)۔

تفسیر الآیات

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ...الآیۃ

اہل ایمان کی سربلندی کا مشروطی وعدہ

''وھن'' کے معنی ہیں ضعف وکمزوری اور حزن اس کیفیت کا نام ہے جو کسی عزیز سے جدائی یا محرومی سے دل میں پیدا ہوتی ہے خداوند عالم جنگ احد میں پیش آنے والے واقعات وحادثات پر مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ کمزوری نہ دکھاؤ، ہمت نہ ہارو، رنجیدہ نہ ہو، غم نہ کرو۔ انجام کار تم ہی غالب اور سربلند ہوگے بشرطیکہ تم نے ایمان سے رشتہ نہ توڑا اس فقرہ میں اس جانب ایک لطیف اشارہ موجود ہے کہ احد میں جو جیتی ہوئی جنگ کا پانسہ بدل گیا اور تمہیں پسپائی ہوئی وہ تمہارے ایمان کی کمزوری کا نتیجہ تھا۔ گویا اس پیرایہ میں خداوند عالم مسلمانوں کو فتح وغلبہ اور سربلندی کا اصول بتارہا ہے کہ اگر تم غالب وسربلند رہنا چاہتے ہو تو دوسرے اسباب فتح مندی کے ساتھ ساتھ ایمان وایقان کے دامن کو بھی مضبوطی سے تھامے رہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر آج مسلمان دنیا میں ذلیل ورسوا اور پسپا ہورہے ہیں تو وہ ایمان سے منہ موڑنے کا قدرتی تازیانہ ہے کیونکہ آج مسلمانوں کی اجتماعی حالت یہ ہے کہ ع

وضع میں وہ ہیں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

بنابریں کسی کا یہ کہنا کہ

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اور کسی کا یہ شکوہ کرنا کہ ع

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

یہ شکوہ بے جا ہے اور ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
بلکہ'' ازما است کہ برما است''

کیونکہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

بہر حال مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہیں پیش آمدہ حالات سے مایوس اور دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تمہیں جنگ احد میں زخم لگا ہے تو اس جیسا زخم کافروں کو بھی جنگ بدر میں لگ چکا ہے۔ ''وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاس''۔ (سورہ آل عمران آیت۔ ۱۴۰) دنیا کے دن ادلتے بدلتے رہتے ہیں ہمیشہ ایک جیسے حالات نہیں رہتے نہ ہمیشہ فتح مند ہونا کسی کا مقدر ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ شکست خوردہ ہونا کسی کا نصیب۔ بلکہ جو فتح و فیروزی والے اسباب وعامل پر عمل پیرا ہوگا وہ فتح مند ہوگا۔ اگرچہ کافر و بدکار ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو ان عوامل سے روگردانی کرے گا وہ شکست سے دوچار ہوگا۔ اگرچہ مومن و نیکوکار ہی کیوں نہ ہو؟

زرنج و راحت گیتی مشور بخاں مشو خنداں
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں یہی قانون قدرت ہے یہی آئین فطرت ہے مخفی نہ رہے کہ فتح و فیروزی کے یہ اسباب وعوامل کچھ مادی ہیں جیسے اتحاد، تنظیم، اسلحہ جنگ کی فراوانی اور اس میں مہارت اور کچھ معنوی ہیں جو یہ ہیں صبر، تقوی، ایمان۔ نیز اس ابتلاء و آزمائش میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

۱۔ ایک حکمت یہ ہے کہ مومن اور بے ایمان کا علم ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنگ سے پہلے خدا کو اس کا علم نہیں تھا اس کا علم تو ازلی و ابدی ہے۔ وهو بكل شئى عليم۔

وہ ازل سے لے کر آج تک جو واقعات رونما ہو چکے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور جو آج سے لے کر ابد تک رونما ہوں گے ان سے بھی آگاہ ہے۔ وہ امتحان اس لئے لیتا ہے کہ دوسرے لوگوں پر کسی کی اہلیت یا نا اہلیت واضح و آشکار ہو جائے۔

۲۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ بعض خوش قسمت لوگوں کو شہادت کی سعادت عطا کرنا چاہتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ وہ بعض لوگوں کے فرار اور بعض کے ثبات و قرار سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ شهدا على الناس کے عہدہ جلیلہ پر کون افراد فائز ہیں۔

۳۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ۔ اگر اہل ایمان میں کوئی کمزوری ہے اور ہنوز خام کار ہیں تو اس قسم کے ابتلاء آزمائش کی کٹھالی میں ڈالے جانے کے بعد وہ خامی دور ہو جائے اور مومن پختہ کار ہو کر نکھر جائیں اور کندن

ہوکر نکلیں اور جو منافق ہیں اور نمائشی مسلمان ہیں ان کی قلعی کھل جائے۔اوران کی اصلیت بالکل طشت از بام ہوجائے۔اوراس بات کا کامل ظہور امام صاحب العصر والزمان کے ظہور موفور السرور کے وقت ہوگا (نورالثقلین)

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ...الآیۃ ۱۴۲

جنت میں داخل ہونے کے میزان کا بیان

یہ آیت اوراس جیسی بہت سی آیات سے یہ حقیقت واضح وآشکار ہوتی ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے صرف مسلمان یا مومن کہلانا اورصرف مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ نیک کام اوراچھے کردار کی بجا آوری بھی ضروری ہے اورانہی نیک کاموں میں سے ایک اہم نیک کام جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے جس پر نظام اسلام کے قیام اوراس کی بقا کا دارومدار ہے۔اور جہاد میں بھی صرف شرکت کافی نہیں جب تک اپنے صبر وثبات اور کردار سے ثابت نہ کیا جائے کہ واقعی مجاہد کون ہے؟ ایک اور جگہ ارشاد قدرت ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ''

۔خداوندعالم نے اہل ایمان کی جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے اس لئے وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اورقتل کرتے بھی ہیں اورقتل ہوتے بھی ہیں۔(سورہ توبہ آیت۔۱۱۱)

''لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ''

اے مسلمانو! جنت صرف تمہاری خواہش یا اہل کتاب کی خواہش پر نہیں ملے گی بلکہ عمل وکردار پر ملے گی۔(سورہ نساء آیت۔۱۲۳)

''وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ج ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ''

(سورہ بقرہ آیت۔۸۲)

وَلَقَدۡ کُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ۔الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں جنگ احد سے فرار کرنے والوں پر طنز کیا گیا ہے۔حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب مسلمانوں کے سامنے جنگ بدر کے شہداء کے مدارج ومراتب کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ کاش اب کوئی ایسا معرکہ پیش آئے اور ہم بھی یہ مرتبہ حاصل کرسکیں مگر جب احد کا معرکہ پیش آیا تو

معدودے چند آدمیوں کے سوا باقی سب راہ فرار اختیار کر گئے (تفسیر قمی)

آیات القرآن

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں ہیں مگر پیغمبر جن سے پہلے تمام پیغمبر گذر چکے ہیں تو کیا اگر وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب خدا شکر گذار بندوں کو جزا دے گا (۱۴۴) کوئی ذی روح خدا کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا موت کا وقت تو لکھا ہوا (معین) ہے اور جو شخص (اپنے اعمال کا) بدلہ دنیا میں چاہتا ہے تو ہم اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور جو آخرت میں بدلہ چاہتا ہے تو ہم اسے آخرت میں

دیتے ہیں اور ہم عنقریب شکر گذار بندوں کو جزا (خیر) عطا کریں گے (۱۴۵) اور بہت سے ایسے نبی (گذر چکے) ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو اللہ کی راہ میں ان پر جو مصیبتیں پڑیں ان پر وہ نہ پست ہمت ہوئے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ (دشمن کے سامنے) سرنگوں ہوئے اور اللہ صبر و تحمل رکھنے والوں (ثابت قدموں) سے محبت رکھتا ہے (۱۴۶) (ایسے مواقع پر) ان کا قول اس (دعا) کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما (۱۴۷) تو خدا نے ان کو دنیا میں بھی صلہ عطا کیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی عنایت فرمایا۔ اور اللہ نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۴۸)

تفسیر الآیات

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ...الآیۃ

ختم نبوت کی دلیل اور مسلمانوں کے ارتداد کا اندیشہ

اور حضرت محمدؐ نہیں ہیں مگر ایک پیغمبر جن سے پہلے تمام پیغمبر گذر چکے ہیں۔ ''قد خلت من قبلہ الرسل'' کا ترجمہ بعض مترجمین نے یہ کیا ''گذر چکے ہیں ان سے پہلے کئی رسول (ضیاء القران)

بعض نے یوں کیا ہے کہ ہو چکے ان سے پہلے بہت سے رسول (معارف القران)

اور بعض نے یوں کیا ہے ان سے پہلے اور رسول بھی گذر چکے ہیں (تفہیم القرآن)

مگر علامہ علی نقی نقوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ''جن سے پہلے سب ہی پیغمبر گذر چکے ہیں'' ہمارے نزدیک یہی ترجمہ زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ اس کی وجہ موصوف کی ہی زبانی سماعت فرمائیں ''ہم نے سب پیغمبر کا ترجمہ کیا ہے'' یہ ''الرسل'' کی الف لام کی وجہ سے ہے جو استغراق کا فائدہ دیتا ہے اس طرح ان الفاظ سے ختم نبوت بھی ثابت ہوتی ہے یعنی سب پیغمبر ان کے پہلے گذر چکے ہیں یہ آخری رسول ہیں۔ اسلئے تمام انبیاء جو سنت الٰہیہ رہی ہے وہ آنکھوں کے سامنے آچکی ہے۔ بعض لوگوں نے جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''ان سے پہلے بہت رسول گذر چکے ہیں'' اس وقت درست ہوتا جب ''رسل'' تنوین کے ساتھ ہوتا'' امت مرزائیہ نے اس آیت

سے جناب عیسیٰؑ کی وفات پر استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب حضرت علامہ کی زبانی سنیے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید نے الرسل کے ساتھ ''خلت'' کا لفظ صرف کیا ہے کہ ''گذر چکے ہیں'' ''ماتت'' نہیں کہا ہے کہ ''مر چکے ہیں'' لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ ہونے یا خضر والیاس کی حیات پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس دار دنیا کی اس عام زندگی کے ایک لحاظ سے جوان کے دور حضور میں تھی ہمارے رسول کی نسبت سے وہ سب گذرے ہوئے انبیاء میں داخل ہیں (فصل الخطاب ج ۲)۔

اس آیت کا تعلق بھی غزوۂ احد سے ہے جب درہ کوہ پر متعین مسلمان مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے اور باوجود حاکم کے منع کرنے کے درہ خالی کر دیا اور خالد بن ولید نے عقب سے بھرپور حملہ کر دیا جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور رہی سہی کسر اس افواہ نے پوری کر دی کہ ''لقد قتل محمد'' کہ حضرت رسول خداؐ شہید ہو گئے اس سے عام بھگدڑ مچ گئی۔ خداوند عالم اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ حضرت محمدؐ کوئی خدا تو نہیں جسے موت نہ آئے بلکہ پیغمبر اکرمؐ ہیں لہٰذا اگر وہ طبعی موت مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارتداد کا خطرہ انہی لوگوں سے ہے جن کے پاؤں جنگ احد میں اکھڑ گئے تھے چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات حسرت کے بعد اس خطرہ نے کس طرح حقیقت کا روپ دھارا؟ اور یہ ارتداد کی وبا کس طرح پھوٹ پڑی؟ یہ داستان خونچکاں معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب تجلیات صداقت کی طرف رجوع فرمائیں۔

ان حالات میں نجات کن کا دامن تھامنے میں ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ خواب انہی ہستیوں کا دامن تھامنے سے شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جو جنگ احد میں ثابت قدم رہے تھے اور اس مشکل وقت میں پیغمبرؐ کا ساتھ دے کر ان کی جان بچائی تھی اور پھر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان کے جسد عنصری کا ساتھ دے کر ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور آپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین فرمائی تھی

امامے که روز وفات پیغمبر

خلافت گذاردبماتم نشیند

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ ...... الآیۃ ۱۴۵

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب موت کا وقت مقرر ہے جو جبن و بزدلی سے بڑھ نہیں سکتا اور شجاعت و بہادری سے گھٹ نہیں سکتا تو پھر میدان جہاد سے راہ فرار کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ اس طرح خداوند حکیم مجاہدوں

کی ہمت بڑھانا چاہتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جب بعض اوقات بڑے بڑے بہادر بھی میدان جنگ سے فرار کر جاتے ہیں تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا:

من　　　ای　　　یومین　　　افر

یوم　　　قدر　　　ویوم　　　قدر

زندگی کے دو دن ہیں ایک دن وہ ہے جس میں موت مقرر ہو چکی ہے (اس دن فرار بچا نہیں سکتا) اور ایک دن وہ ہے جس میں موت مقرر نہیں ہے (اس دن لڑنا مار نہیں سکتا)۔ پھر فرار سے کیا حاصل؟ (دیوان منسوب بہ حضرت امیرؑ)

حضرت امیر علیہ السلام کا ہی یہ مشہور فرمان ہے کہ "کفی بالموت حارسا" کہ موت بہترین محافظ ہے۔ جو اپنے مقررہ وقت سے پہلے آدمی کو مرنے نہیں دیتی اور جب وقت آجائے تو وہ ٹل نہیں سکتا اس سے آگے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ قانون قدرت کا بیان ہے کہ ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کا معاوضہ ضرور ملتا ہے۔

ہاں! بموجب ہے "انما الاعمال بالنیات" دنیا طلبوں کو دنیا ملتی ہے اور آخرت کے طلبگاروں کو اخروی اجر و ثواب ملتا ہے سابقہ آیت کے آخر میں فرمایا "سیجزی اللہ الشاکرین"۔ کہ ہم شکر گزاروں کو جزائے خیر عطا کریں گے۔

اگر چہ یہ قدرت کا قانون مکافات ہے جس کے مطابق وہ ہر شخص سے اس کی روش و رفتار کے مطابق سلوک کرتا ہے مگر اس جزء کے نزول کی ایک خاص شان حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد میں حضرت علیؑ کے بدن اقدس پر ساٹھ زخم لگے تھے۔ جنہیں دیکھ کر ہر شخص کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ اور عام مسلمان آپ کی عیادت کر رہے تھے مگر حضرت علیؑ برابر شکر خدا ادا کر رہے تھے کہ "الحمد للہ اذلم افر ولم اولی الدبر" میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں ثابت قدم رہا اور راہ فرار اختیار نہیں کی۔ تو خدا نے دوبارہ ان کے ادا شکر کا تذکرہ فرمایا (مجمع البیان) قل کل یعمل علی شاکلتہ

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ...الآیۃ ۱۴۶

"کاین" کم خبریہ کے معنی میں ہے اصل میں "ای" تھا اس پر کاف تشبیہ کا داخل کر کے نون تنوین کو نون کی شکل میں لکھ دیا گیا۔ اس میں مشہور لغت کائن بھی ہے۔ "ربیون" کی "ر" پر تینوں حرکتیں آسکتی

ہیں زمخشری نے اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ والربیون الربانیون (کشاف)
لیکن علامہ قرطبی نے دوسرا معنی انبوہ کثیر بھی لکھا ہے "الربیون الجماعة الکثیرہ" اس صورت میں اس کا واحد ربی ہے اور ربہ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔
بہر نوع اس آیت میں بھی ان لوگوں کی سرزنش کی جارہی ہے جن کے قدم احد میں ڈگمگائے۔ کہ پہلے انبیاء کرام اپنے صحابہ سمیت کفر سے جنگ آزما ہوئے لیکن وہ مصائب و شدائد میں گھبرائے نہیں اور تم تو خیر الامم ہو اور سید الانبیاءؑ کے غلام ہو کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ مصیبت کے لمحوں میں ثابت قدم نہ رہو (ضیاء القرآن)
انبیاء ماسلف کے یہ مخلص جان نثار اس صبر و ثبات کے باوجود اپنے کردار پر فخر و ناز نہیں کرتے تھے بلکہ نہایت عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ خدا میں چند دعائیں کرتے رہتے تھے
۱۔ اے ہمارے پروردگا! ہمارے سابقہ گناہ معاف فرمادے۔
۲۔ اپنے کام (جہاد) میں ہم سے جو زیادتی یعنی کوتاہی ہوگئی ہے اسے معاف فرما۔
۳۔ ہمیں ثابت قدم رکھ۔
۴۔ ہمیں کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما۔
اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ایک بندہ خدا جس قدر بھی کوئی بڑا نیک کام انجام دے اور راہ خدا میں جس قدر بھی مالی یا بدنی جہاد کرے اسے عجب و غرور کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔
"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰانَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰانَا اللّٰهُ"
خدائے مہربان ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی صلہ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی بہترین ثواب یعنی جنت الفردوس عنایت فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

آیات القرآن

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى

الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ‌ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَعَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ‌ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ‌ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ۚ وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اگر تم نے ان لوگوں کی اطاعت کی جنہوں نے کفر اختیار کیا تو تم کو الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھیر کر لے جائیں گے اور تم بڑا خسارہ اٹھا کر واپس ہوگے (۱۴۹) (تمہیں کسی کی اطاعت کی کیا ضرورت ہے بلکہ) تمہارا حامی و سرپرست خدا ہے اور وہ بہترین مدد گار ہے (۱۵۰) (تم پریشان نہ ہو) ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے خدائی میں ان بتوں کو شریک بنایا ہے۔ جن کے بارے میں خدا نے کوئی سند و دلیل نہیں اتاری اس لئے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا (یہ) کیا برا ٹھکانہ ہے (۱۵۱) اور بے شک خدا نے (جنگ احد میں) اپنا وعدہ (نصرت) اس وقت سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے ان (کافروں) کا قلع قمع کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی تو تم نے حکم عدولی کی۔ (یہ اس لئے کہ) تم میں کچھ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے طلبگار تھے پھر اس نے تمہیں ان کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہارے ایمان و اخلاص کی آزمائش کرے۔ اور (پھر بھی) تمہیں معاف کر دیا۔ اور اللہ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے (۱۵۲)

تفسیر الآیات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ...الآیۃ ۱۴۹

علامہ طبرسی نے اس آیت کی شان نزول حضرت علیؑ سے یہ نقل کی ہے کہ جب مسلمان جنگ احد سے ہزیمت خوردہ ہوکر واپس آئے تو منافقین نے ان سے کہا کہ اپنی برادری کی طرف اور اپنے سابقہ دین (کفر) کی طرف پلٹ آؤ اس پر یہ آیت اتری (مجمع البیان)

اور شیخ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے ''المراد بالذین کفروا ابو سفیان لانه شجرة الفتن'' کہ یہاں کافروں سے مراد ابوسفیان ہے کیونکہ وہ فتنوں کا درخت ہے۔(تفسیر مراغی بحوالہ الکاشف)

''بل الله مولکم'' تمہیں کسی کی اطاعت کرنے یا کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اللہ جو تمہارا حامی اور سرپرست ہے وهو خير الناصرين.....

سَنُلۡقِيۡ فِيۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡب...الآیة۱۵۱

اس آیت کی شان نزول یوں وارد ہے کہ جنگ احد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم نے باقی ماندہ مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ واپس چلو اور ان کا مکمل خاتمہ کرو اور بروایتے کہا کہ مدینہ چلو اور مسلمانوں کا گھر بار غارت کرو۔ مگر خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ مبادا آنحضرتؐ اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل نہ کر دیں (مجمع البیان)

حضرت رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے ''نصرت بالرعب'' رعب و دبدبہ سے میری نصرت کی گئی ہے (نور الثقلین الخصال)

'بئس مثوى الظالمين'' ظالموں کا ٹھکانہ (دوزخ) کیا برا ٹھکانہ ہے؟

وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ ۔۔الآیة

خداوند عالم نے آیت ''ان تصبروو تتقوا ویاتو کم من فورهم هذا'' ۔یا پیغمبرؐ کی زبانی جنگ احد میں فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا مگر اس شرط کے ساتھ کہ صبر و ضبط سے کام لیں گے۔ تقوائے الٰہی اختیار کریں گے اور آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور ان کی حکم عدولی نہیں کریں گے چنانچہ آغاز جنگ میں خدا نے یہ وعدہ اس وقت سچا کر دکھایا جب شیر کردگار حیدر کرارؑ نے یکے بعد دیگرے کفار کے نو علمبردار واصل جہنم کر دیئے (تاریخ کامل ابن اثیر)

یہاں تک کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست خوردہ ہوکر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے مگر جب مسلمانوں نے کمزوری دکھائی اور حکم رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درہ کوہ کو خالی چھوڑ کر مال

غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے تو ان کی اس کمزوری، باہمی نزاع، بدنظمی اور حکم رسول کی خلاف ورزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل نے عقب سے حملہ کر دیا۔ تو مسلمان اس یلغار سے حواس باختہ ہو گئے اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل قبل ازیں آیت مبارکہ۔۔۔"واذ غدوت من اهلك" کے ذیل میں گذر چکی ہے

یہی صحابہ کرام کی وہ مقدس جماعت ہے جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ "منکم من یرید الدنیا" کہ تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار بایں ہمہ سب برابر کس طرح ہوئے؟

اس آیت مبارکہ میں خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی پسپائی کے علل و اسباب کی بڑے احسن انداز میں نشاندہی فرمائی ہے۔

آیات القرآن

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ فَاَثَابَکُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَةً مِّنۡکُمۡ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِیَّةِ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب تم بے تحاشا بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ پیغمبرؐ تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے (تمہاری اس روش کی وجہ سے) خدا نے تمہیں ثواب کے بدلے رنج پر رنج دیا تاکہ (آئندہ) جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر ملول نہ ہو اور جو مصیبت درپیش ہو اس پر رنج نہ کرو۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے خوب باخبر ہے (۱۵۳) پھر اس (خدا) نے رنج و غم کے بعد نیند کی صورت میں تم پر سکون و اطمینان اتارا۔ جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہوگئی۔ اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جسے صرف اپنی جانوں کی فکر تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق زمانہ، جاہلیت والے گمان کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ آیا اس معاملہ میں ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ کہہ دیجئے ہر امر کا اختیار صرف اللہ کو ہے یہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جن کا آپ سے اظہار نہیں کرتے کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ کہہ دیجئے! اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی جن کے لئے قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنے مقتل کی طرف نکل کر جاتے (یہ سب کچھ اس لئے ہوا) کہ خدا اسے آزمائے جو کچھ تمہارے سینوں کے اندر ہے اور نکھار کے سامنے لائے اس (کھوٹ) کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کے اندر کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔ (۱۵۴)

تفسیر الآیات

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ...الآیۃ۔

اس آیت میں جنگ احد میں مسلمانوں کی افراتفری کی تصویر کھینچی گئی ہے جس کی تفصیل قبل ازیں آیت واذ غدوت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

ہموار وادیوں میں چلنے کو اصعاد اور بلندی پر چڑھنے کو صعود کہا جاتا ہے

"ولا تلوون لوی یلوی لیا رمی یرمی رمیا" کے باب سے ہے جس کے معنی گردن موڑ کر

پیچھے دیکھنا۔(مفردات راغب)

خدا نے تمہیں رنج پر رنج اور غم پر غم اسلئے دیا تا کہ آئندہ محتاط ہوجاؤ اور ایسی صورت حال کا سامنا کرنے کے عادی ہوجاؤ کہ جو ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر ملول نہ ہو اور پیش آمدہ مصیبت پر رنج نہ کرو بلکہ پورے صبر وضبط اور ثابت قدمی سے کام لو۔ان اللہ مع الصابرین۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْمِ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا...الآیة

جنگ احد میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ دو قسم کے لوگ تھے ایک اسلام وقرآن کی صداقت وسچائی پر مکمل ایمان رکھنے والے۔دوسرے منافقین۔اگر چہ ابن ابی (رئیس المنافقین) اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ راستہ سے ہی واپس لوٹ گیا تھا مگر ایک مختصر سی جماعت (معتب بن قشیر وغیرہ) آنحضرتؐ کے ہمراہ تھی۔جنگ میں مجاہد مسلمان زخموں سے چور اور اعزا واحباب کے داغ مفارقت سے مہجور اور خوف وہراس اور حوصلہ شکن حالات سے مجبور تھے ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں بے چینی کی وجہ سے نیند نہیں آتی مگر خدا نے اپنے خاص فضل وکرم سے ان پر نیند غالب کر دی جو کہ ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی جس سے ان کی تھکاوٹ واکتاہٹ دور ہوگئی اور وہ تازہ دم ہو گئے مگر خدا نے دوسرے گروہ کو اس نعمت سے محروم رکھا جسے نہ بانی اسلام کی فکر تھی اور نہ جنگ میں کامرانی کی۔

ہاں! البتہ اسے اگر فکر دامن گیر تھی تو صرف اپنی سلامتی کے ساتھ اپنے گھر پہنچنے کی وہ اللہ کے بارے میں زمانہ جاہلیت والے گمان کر رہا تھا اور جنگ کا نقشہ بدلا ہوا دیکھ کر جو کچھ نفاق دل میں چھپا ہوا تھا وہ سب کچھ زبان سے باہر اگل دیا۔انہوں نے جو بے بنیاد باتیں کیں وہ قرآن نے سب بیان کر دی ہیں۔ان لوگوں کی انہی بے سروپا باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ

''اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ اختیار ہوتا تو ہم (یعنی جو ہم سے) یہاں مارے گئے ہیں وہ قتل نہ ہوتے''

ان کی اس بات کے جواب میں خدا فرماتا ہے:

"قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ......الایہ"

کہہ دیجئے اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے قتل ہونا (شہید ہونا) لکھا جا چکا تھا وہ خود اپنی قتل گاہ کی طرف چل کر جاتے۔یہ سب کچھ اسلئے ہوا کہ خدا اسے آزمائے اور لوگوں پر ظاہر فرمائے جو کچھ تمہارے سینوں کے اندر ہے۔اور نکھار کر سامنے لائے اس کھوٹ کو جو تمہارے دلوں میں ہے۔وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْاۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۠(۱۵۵) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْاۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ(۱۵۶)

ترجمۃ الآیات

بے شک جن لوگوں نے دو جماعتوں کی مڈبھیڑ کے دن پیٹھ پھرائی (اس کا سبب یہ تھا) کہ ان کی بعض بدعملیوں کے نتیجہ میں جو وہ کر بیٹھے تھے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگائے تھے اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا نہایت بردبار ہے(۱۵۵) اے ایمان والو! کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ان بھائی بندوں کے بارے میں کہتے ہیں جو سفر میں گئے یا جہاد کے لئے نکلے (اور وہاں وفات پا گئے) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ (طبعی موت) مرتے اور نہ قتل کئے جاتے یہ لوگ یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ خدا اسے ان کے دلوں میں رنج وحسرت کا باعث بنادے۔ حالانکہ اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے(۱۵۶)

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ...الآیۃ ۱۵۵

اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض سابقہ بدعملیوں کی نحوست کے نتیجہ میں جو وہ کر بیٹھے تھے شیطان

نے ان کے قدم ڈگمگائے تھے اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ بے شک خدا نے جنگ احد میں پیغمبر کو نرغہ اعداء میں گھرا چھوڑ کر بھاگنے والے صحابہ کرام کو معاف کر دیا ان کی خطاء ولغزش سے درگزر فرمایا۔ اس کی تفسیر گذر چکی ہے اب اگر کوئی شخص اس عفو و درگذر میں شک کرتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔

اس واقعہ سے جو بڑی تفصیل سے قرآن میں مذکور ہے دو باتیں تو الم نشرح ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ویکف عن ذکر الصحابہ الا بخیر" یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر خیر اور بھلائی کے بغیر نہ کیا جائے (عقائد نسفیہ)

یہ عقیدہ قرآنی تعلیم کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ اگر خدا کو صحابہ کرام کے نام کی لاج رکھنے کی خاطر یہ منظور ہوتا کہ ان کے اقوال و افعال پر کوئی نقد و تبصرہ نہ کیا جائے اور بجز خیر و خوبی کے ان کا نام نہ لیا جائے تو وہ قرآن مجید میں جو ابدالاباد تک باقی رہنے والی کتاب ہے ان کے ہر قول و فعل کا تذکرہ کیوں کرتا اور پھر اس پر تبصرہ کیوں کرتا؟ جیسا کہ جنگ احد میں میدان جنگ سے ان کے فرار کرنے کی تفصیلات اور اس جیسے دوسرے بیسیوں واقعات کی جزئیات بیان کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہے۔

دوسری یہ کہ یہ درست ہے کہ جنگ احد میں میدان جنگ سے بھاگنے والوں کو معافی مل گئی یعنی وہ اس جرم کی سزا سے دنیا و آخرت میں بچ گئے مگر فرار کے جرم سے تو بری نہیں (کہ یہ جرم ہی نہیں کیا) اگر کوئی حاکم کسی مجرم کو (ثبوت جرم کے بعد) معاف کر دے اور سزا نہ دے تو اس سے وہ شخص نفس جرم سے تو بری نہیں ہوتا بلکہ اس کا نام جرائم کے رجسٹر میں درج ہو جاتا ہے اور اس کی روش و رفتار پر خاص نظر رکھی جاتی ہے بنا بریں اس عفو و درگذر سے فرار کا داغ تو نہیں مٹا۔

علاوہ بریں یہ عفو و درگذر جنگ احد سے مخصوص ہے دوسرے غزوات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے جن سے ان لوگوں نے فرار اختیار کیا لہٰذا اس عفو کو کہاں کہاں سپر بنایا جائے گا؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا ...الآیۃ ۱۵۶

یہ آیت اور اس کے بعد والی چند آیات بھی جنگ احد اور اس میں پیش آنے والے واقعات و سانحات سے متعلق ہیں۔ منافقین (جن کو خدا نے یہاں کافرین کہا ہے) چونکہ بظاہر مسلمان کہلاتے تھے اور بظاہر اہل اسلام سے بھائی چارے کا دعوی کرتے تھے۔ وہ اپنی بے ایمانی اور بزدلی کو دانشمندی اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد و فدا کاری کو حماقت و دیوانگی کا نام دیتے تھے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان سفر میں جاتا یا میدان جہاد میں جام شہادت

نوش کرتا تو ہمدردی اور خیر خواہی کے لب ولہجہ میں کہتے کہ اگر یہ لوگ ہماری طرح آرام سے گھر میں بیٹھ رہتے تو ان پر یہ افتاد نہ پڑتی نہ بچے یتیم ہوتے اور نہ بیویاں بیوہ ہوتیں۔ وہ یہ باتیں اس لئے کرتے تھے تا کہ اہل ایمان کے دلوں میں حسرت اور غم وغصہ پیدا ہو جائے کہ وہ جہاد کو کیوں گئے اور جان عزیز سے ہاتھ کیوں دھوئے۔

بنا بریں ''فی قلوبھم'' کی ضمیر اخوانہم کی طرف عائد ہوگی جو کہ اہل ایمان ہیں اور لام اظہار مقصد کے لئے ہی ہوگی مگر اکثر مفسرین نے فی قلوبھم کی ضمیر کو یہ کہنے والوں کی طرف راجع کیا ہے کہ وہ یہ بات اسلئے کہتے تھے تا کہ اللہ اس رنج وحسرت کو ان (منافقین) کے دلوں میں رکھ دے۔ بنا بریں یہ لام عاقبت اور نتیجہ کیلئے ہوگا۔ جیسا کہ زوجہ فرعون نے جناب موسیٰؑ کو رکھا تو سکون و آرام کے حاصل کرنے کے لئے تھا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ ''لیکون لھم عدوا وحزنا'' کہ وہ ان کے لئے دشمن جان اور باعث رنج وملال ہوا۔

یہاں بھی نتیجہ یہی نکلا کہ جب مسلمان ان کی باتوں کو نہیں مانتے تھے تو یہ بات الٹا ان کے لئے باعث رنج وملال اور حسرت و یاس کا باعث بنتی تھی۔ والاول اظہر بہر حال خدائے علیم وحکیم اہل اسلام کو متوجہ کر رہا ہے کہ وہ ان عیاروں کی باتوں میں نہ آئیں بلکہ یقین رکھیں کہ موت وحیات خدا کے قبضہ قدرت میں ہے وہ چاہے تو گھر کے اندر روح قبض کرلے اور چاہے تو میدان کارزار میں گولیوں کی بارش، توپوں کی گھن گرج اور طیاروں کی بمباٹ منٹ میں بھی بچالے۔ اصل بات یہ ہے کہ قضاء الٰہی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ ؎

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

یہ قیاسات وخیالات کے تانے بانے بالکل بے جا ہیں

آیات القرآن

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِالَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ وَشَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ

بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم راہ خدا میں قتل کئے جاؤ۔ یا اپنی موت سے مر جاؤ تو بے شک اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت بہت ہی بہتر ہے اس (مال ودولت) سے جو لوگ جمع کرتے ہیں (۱۵۷) اور تم اپنی موت مرو، یا قتل کئے جاؤ بہر حال اللہ کے ہی حضور میں محشور کئے جاؤ گے (۱۵۸) (اے رسول) یہ اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے اتنے نرم مزاج ہو ورنہ اگر تم درشت مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے گردو پیش سے منتشر ہو جاتے، انہیں معاف کردیا کریں۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کیا کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ بھی لے لیا کریں۔ مگر جب کسی کام کے کرنے کا حتمی ارادہ ہو جائے تو پھر خدا پر بھروسہ کریں بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۱۵۹) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (مدد نہ کرے) تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اہل ایمان کو صرف خدا پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۱۶۰) کسی نبی کی یہ شان اور کام نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ اپنی خیانت کردہ چیز سمیت قیامت کے دن حاضر ہو جائے گا۔ پھر ہر ایک شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا (۱۶۱) بھلا وہ شخص جو ہمیشہ خدا کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اس شخص کی مانند ہوسکتا ہے جو خدا کے غضب میں گھر گیا ہو۔ اور جس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہو اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے (۱۶۲)۔

تفسیر الآیات

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ ...الآیۃ

اس دار دنیا میں انسان کی بڑی کامیابی یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ کوئی بڑی دولت جمع کرجائے مگر یہ جمع کردہ اندوختہ تو بہر حال فانی ہے۔ ان کے لئے آخرت کی نعمتیں جو اللہ کی راہ میں مارے جانے کی صورت میں ہیں وہ بلاشبہ اس سے جو یہ دنیا میں جمع کرتے ہیں بہتر ہیں۔ **ولئن متم** ۔ یہ تم کے مخاطب چونکہ مومنین ہیں لہٰذا وہ فرش خواب پر مریں تو اللہ کی رضامندی کی دولت لئے ہوئے دنیا سے جائیں گے اور اگر قتل ہوں تو یہ قتل بھی راہ خدا میں ہوں گے اور پھر محشور بھی اللہ کی طرف ہونا ہے جس کی راہ میں جان دی ہے تو بلاشبہ وہ اس کا بہتر سے بہتر صلہ عطا کرے گا (فصل الخطاب)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض اخلاق کریمانہ کا بیان

اس آیت شریفہ میں پیغمبر اسلامؐ کے اخلاق کریمانہ اور الطاف رؤوفانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر ان کو رحمت اور رافت خداوندی کا نتیجہ وثمرہ قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے ساتھیوں سے ایک ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آنحضرتؐ کو جسمانی اور روحانی تکلیف پہنچتی ہے۔ جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے یعنی جیتی ہوئی جنگ شکست سے بدل جاتی ہے اور اسلام و مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان وزیاں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر خلق عظیم کا مالک ایسے لوگوں کو سزا دینا تو کجا زبانی سرزنش بھی نہیں کرتا بلکہ لطف ومدارا کے ساتھ ان سے پیش آتا ہے۔ یہ خدائے رحیم وکریم کی رحمت واسعہ کی جلوہ فرمائی نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر آنحضرتؐ کا حوصلہ اتنا بلند، رحمت وشفقت اس قدر وسیع اور عفو ودرگذر اس قدر بے پایاں نہ ہوتا تو شمع رسالت مآبؐ کے پروانوں اور جمال محبوب کے دیوانوں کا اتنا جمگھٹا کیسے ہوتا؟ بلکہ قصوروار سزا کے خوف سے اور بے قصور بدخلقی اور درشت مزاجی کی وجہ سے تتر بتر ہوجاتے اور اس طرح آپ یکا وتنہا رہ جاتے اور تبلیغ اسلام کا مقدس سلسلہ رک جاتا اور آپ اپنے مشن میں ناکام ہوجاتے خدائے غفار وستار نے عجیب مشفقانہ انداز میں سفارش کی ہے ''**فاعف عنھم**'' ان لوگوں سے جو غلطی ہوگئی ہے آپ اس کو معاف کردیں۔ ''**واستغفر لھم**'' میری جناب میں بھی ان کی مغفرت کی شفاعت کریں اس مقام پر جناب پیر کرم شاہ الازہری مرحوم نے بالکل بجا لکھا ہے کہ:

''اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم گنہگاروں کے گناہ بخشنے کے لئے ہمارے دکھ درد دور کرنے کیلئے حضور نبیؐ کی دعا کو واسطہ اور وسیلہ بنایا ہے حضورؐ کو وسیلہ سمجھنا اور حضور کی بارگاہ میں شفاعت کے لئے التجا کرنا شرک نہیں عین اسلام ہے۔ اور قرآن کی تعلیم ہے'' (ضیاء القرآن)

''**وشاورھم فی الامر**'' اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔ آگے بڑھنے اور مشورہ کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے سے پہلے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اہل اسلام کے ساتھ جس حسن سلوک کرنے کا پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا گیا ہے وہی حکم ایک عام سربراہ اور دینی مصلح کے لئے بھی ہے۔ مسلمانوں کے سربراہ اور ایک مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ نرم دل اور نرم گفتار ہو۔ اور یہ نرم روی صرف عام معمولات زندگی میں ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ اسلام اور غیر اسلام کے تصادم جیسے اہم مواقع پر بھی مطلوب ہے جبکہ کچھ لوگوں کی حکم عدولی کیوجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل جائے۔ جب تک حاکم اور سربراہ کے اندر یہ وسعت قلبی اور بلند ہمتی نہ ہو تب تک طاقت اور اجتماعیت قائم نہیں رہ سکتی۔ سربراہ کو چاہیے کہ وہ ایسی غلطی کو بھلا کر لوگوں سے معاملہ کرے۔ حتی کہ ایسے لوگوں کا اتنا خیر خواہ ہونا چاہیے کہ اس کے دل سے ان کے لئے دعائیں نکلیں جب وہ ایسا سلوک کرے گا تو لوگ بھی اس سے دیوانہ وار پیار و محبت کریں گے اور اس کے احکام و اوامر کی پابندی کریں گے۔

وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ...الآیۃ

اسلام میں مشورہ کی اہمیت

قرآن مجید میں دو جگہ مشورہ کا صریح حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ یہی ہے اور دوسری جگہ سورہ شوریٰ میں اہل ایمان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ "**وامرھم شوری بینھم**" کہ ان کے باہمی معاملات مشورہ سے طے ہوتے ہیں اسی طرح متعدد احادیث میں مشورہ کا حکیمانہ حکم دیا گیا ہے کہ "**ماخاب من استخار ولاندم من استشار**" جو استخارہ کرتا ہے وہ کبھی خائب و خاسر نہیں ہوتا اور جو مشورہ کرتا ہے وہ کبھی نادم و پشیمان نہیں ہوتا (تفسیر ابوالفتوح و درمنثور وغیرہ)

آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا ''**المتشار موئتمن**'' کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے'' کہ اپنے علم و عقل کے مطابق صحیح مشورہ دے (جامع صغیر)

بعض احادیث میں وارد ہے کہ جب اہل خبرہ اور اہل دین و دیانت اور اس شعبہ کے ماہرین سے

مشورہ کیا جائے تو خدا ضرور کسی شخص کی زبان پر حق بات جاری کر دیتا ہے (مکارم اخلاق ومحاسن برقی)

الغرض جب کسی بھی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اپنی خداداد عقل وخرد سے اس کام کے تمام مثبت ومنفی پہلوؤں پر غور فکر کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے اور جب اپنی عقل کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہو تو پھر دوسرے اہل عقل ودانش سے مشورہ لینا چاہیے اور اگر بالفرض پھر بھی کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکے تو اب استخارہ کرنا چاہیے اور جب عقلی غور وفکر سے یا مشورہ سے یا استخارہ وغیرہ سے اس کام کے کرنے کا حتمی ارادہ ہو جائے تو پھر توکل برخدا ضرور وہ کام کر گذرنا چاہیے۔ اور کسی قسم کے تذبذب کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ ترک اسباب کا نام توکل نہیں بلکہ حتی الامکان کسی کام کے تمام ظاہری اسباب فراہم کر کے نتیجہ خدا کے سپرد کرنے کا نام توکل ہے کہ کامیابی کے اسباب کی بجائے مسبب الاسباب کی ذات والاصفات پر بھروسہ کیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں سے جس مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اس کی نوعیت کیا تھی؟

باوجودیکہ حضرت رسول خدا معصوم عن الخطاء تھے۔ دینی معاملات میں وحی الٰہی کے تابع تھے اور اسی کے پابند تھے "اتبع مایوحی الیک" اور پھر نظر بظاہر حالات وہ عقل کل کے مالک تھے ان حالات میں ان کو مشورہ کا کیوں حکم دیا گیا؟

اس سوال کا جواب عام مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس میں ایک تو صحابہ کرام کی تالیف قلب اور دلجوئی مقصود تھی تاکہ ان کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ کسی شمار وقطار میں نہیں ہیں اور دوسرے لوگوں کو مشورہ کی اہمیت سے آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ علاوہ بریں اس مشورہ کا تعلق حرب وضرب اور دوسرے ایسے انتظامی امور سے تھا جو نص سے متعلق نہ تھے چنانچہ مفسر قرطبی لکھتے ہیں:

"ما امر الله نبيه بالمشاورة لحاجة منه الى رائهم وانما اراد ان يعلمهم مافى المشاورة من الفضل ولتقتدى به امته من بعده " اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے" تطيبا لنفوسهم ورفعا لاقدارهم "(تفسیر قرطبی)

فاضل رازی لکھتے ہیں:

"ذهب كثير من العلماء الى ان الالف والام فى لفظ الامر ليس للاستغراق بل للعهد والمعهود فى هذه الايته الحرب ولقاء العدو وقال اخرون انه يشمل جميع

الامور الدنیویه دون غیرھا والحکمة فی المشورة ان تطیب قلوبھم وترتاح انفسھم۔لان المعصوم لا یشترشد برائی غیر المعصوم ''(تفسیر رازی)

یعنی بہت سے علماء نے یہ کہا ہے''الامر ''پر جو الف لام داخل ہے یہ استغراق کا نہیں بلکہ عہد کا ہے اور یہاں اس معہود سے مراد جنگ وجدل کا معاملہ ہے وبس اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ تمام دنیوی امور کو شامل ہے نہ کہ دینی امور کو نیز یہ مشورہ کا حکم ان لوگوں کا دل خوش کرنے کے لئے تھا ورنہ معصوم ہستی کسی غیر معصوم کی رائے کی محتاج نہیں ہوتی (تفسیر کبیر)

جمہوریت کے برحق ہونے کے خیال کا ابطال

کچھ لوگ جو جمہوریت کے دلدادہ ہیں اور اسے مشرف باسلام کرنے پر مصر ہیں وہ بڑے زور وشور سے اس کی حقانیت پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں مگر وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

نیز وہ جمہوریت کی اندھی حمایت میں یہ بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ۔ ع

از مغز دوصد خر فکر انسانے نمی آید

لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ع

بترس از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا سربراہ اگر معصوم نبیؐ ہو اور اس کا معصوم وصی۔تو پھر اسلام شخصی حکومت کا قائل ہے کہ وہی ایک شخص تمام سفید وسیاہ کا مالک ومختار ہوگا مگر وہ حکم پروردگار کا پابند ضرور ہوگا کیونکہ ''اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ''ہاں البتہ جب نبی وامام موجود نہ ہوں یا مبسوط الیدنہ ہوں اور نظام دنیوی کو برقرار رکھنے کے لئے حکومت کی تشکیل وتاسیس ضروری ہو تو پھر''بموجب گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است''تو کسی غیر معصوم کی شخصی آمرانہ حکومت کے مقابلہ میں اسلام شورائی نظام حکومت کی تائید کرتا ہے۔وامرھم شوری بینھم

باقی رہیں اس شوریٰ کی تفصیلات کہ مجلس شوریٰ کا انتخاب کس طرح عمل میں لایا جائے؟

اور پھر باہمی مشورہ کا طریقہ کار کیا ہو؟

اور اختلاف آراء کی صورت میں آخری حل کیا ہو؟

ان تفصیلات کے ذکر کرنے اور پھران پر نقد وتبصرہ کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے''واللہ الہادی الی سواءالسبیل'' بہرحال اس صورت میں دستورالعمل یہی ہے کہ جماعت سے مشورہ کرنا چاہیے اور باہمی مشورت سے طے شدہ بات پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ...الآية

نبی کبھی خیانت نہیں کرسکتا

غلول کے معنی ہیں مال غنیمت میں خیانت کرنا

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں فریقین کی جو روایتیں ملتی ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ بدر کے روز مال غنیمت میں سے ایک سرخ رنگ کی چادر غائب ہوگئی تو بعض آدمیوں نے کہا کہ آنحضورؐ نے وہ چادر اپنے لئے الگ کرلی ہے اس پر یہ آیت اتری (ترمذی وغیرہ)

ان روایتوں کے راوی ضعیف اور مجہول سہی مگر آیت کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور رونما ہوا ہے ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ پر اس قسم کا الزام لگانے والے کفار ومشرکین تو نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ منافقین ہی ہوسکتے ہیں جو حسب ظاہر صحابہ کرام کی جماعت ہی میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ بہرحال خدا انہیں جواب میں یاد دلا رہا ہے کہ جب تم انہیں نبی مانتے ہوتو جو نبی ہوتا ہے وہ خیانت کار نہیں ہوتا یہ بات اس کے شایان شان نہیں ہے۔ نبوت وخیانت یکجا جمع نہیں ہوسکتیں۔

بعض مفسرین نے اس کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم نے جن تیراندازوں کو احد کے درہ پر متعین کیا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کا ساز وسامان لوٹا جارہا ہے اور دوسرے مسلمان مال غنیمت اکھٹا کررہے ہیں تو انہوں نے خیال کیا کہیں آنحضورؐ سارا مال غنیمت انہی لوگوں کو نہ دے دیں اور یہ اس سے بالکل محروم نہ ہوجائیں اس لئے انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوگئے۔ جب آنحضرت نے ان لوگوں سے درہ چھوڑنے کی وجہ دریافت کی تو وہ کوئی معقول جواب پیش نہ کرسکے۔ اس پر آپ نے فرمایا'' ظننتم انا نغل ولا نقسم لکم ''تم نے گمان کیا کہ ہم خیانت کریں گے اور تمہیں تمہارا حق نہیں دیں گے؟ مطلب یہ کہ جب فوج کا سربراہ اللہ کا معصوم نبی ہے تو تمہارے دلوں میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا۔ کہ وہ تمہارے مفادات کا خیال نہیں رکھیں گے؟

آیات القرآن

هُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿۱۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

(ان دو قسم کے لوگوں کے) اللہ کے یہاں (مختلف درجے ہیں) اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے (۱۶۳) اللہ نے ہمیشہ اہل ایمان پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کے سامنے آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے ان کو پاکیزہ کرتا ہے (ان کی اصلاح کرتا ہے) اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے (۱۶۴) (اے مسلمانو! تمہارا کیا حال ہے) کہ جب تم پر (جنگ احد میں) کوئی ایسی مصیبت آپڑی جس سے دگنی مصیبت تم دوسرے فریق کو (جنگ بدر میں) پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی؟ کہہ دیجئے یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۶۵) اور دو جماعتوں کی مڈبھیڑ والے دن (جنگ احد میں) تم پر جو مصیبت آئی وہ خدا کے اذن سے آئی تا کہ اللہ دیکھ لے (مخلص) مومن کون ہیں (۱۶۶)

تفسیر الآیات

هُمۡ دَرَجٰت...الآیۃ

مختلف لوگوں کے درجے اور طبقے مختلف ہوتے ہیں

اس ''ھم'' کی ضمیر کا مرجع ''مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللّٰهِ اور مَنۡ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ'' ہر دو ہیں ان دونوں آیتوں کے ملانے سے عقلی اصول کا پتہ چلتا ہے کہ اچھے اور برے میں تفریق کرنا ضروری ہے کیونکہ سب کے درجے اور طبقے جدا جدا ہیں بلکہ اس سے بڑھکر سب اچھے بھی ایک جیسے نہیں ہیں ان کے درجے بھی مختلف ہیں کوئی افضل ہے اور کوئی مفضول کوئی راجح ہے اور کوئی مرجوح کوئی بلند درجہ رکھتا ہے اور کوئی بلند تر لہٰذا ان میں بھی حفظ مراتب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور سب کو یکساں سمجھنا جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ مفضول کو سربراہ بنالیا جائے اور افضل کو گھر میں بٹھا دیا جائے یہ صریحی ظلم ہے ایک روایت میں جو حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:

''ان الذین اتبعوا رضوان الله'' ''ھم الائمة علیھم السلام'' کہ خدا کی مکمل خوشنودی کے درپے رہنے والے آئمہ اہل بیتؑ ہیں (اصول کافی وعیاشی)

یعنی یہ بزرگوار اس آیت کے مصداقوں کے اعلیٰ واکمل افراد ہیں۔

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ...الآیۃ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اہل ایمان پر خدا کا بڑا احسان ہے

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں پیغمبر اسلامؐ کے ان اوصاف جلیلہ کی بقدر ضرورت تشریح کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

ایک یہ کہ جب پیغمبر اسلامؐ رحمة للعالمین اور نذیر للعالمین ہیں اور ان کی بعثت تمام عالمین پر خالق دوجہاں کا احسان وانعام ہے تو یہاں اس احسان کو صرف اہل ایمان تک کیوں محدود رکھا گیا ہے کہ خدا نے اہل ایمان پر احسان فرمایا۔ کہ باعتبار لغت جنس سے اور باصطلاح منطق ان کی نوع سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آپ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین ہیں اور آپ کی بعثت خدائے کریم کا عالمین پر احسان عظیم ہے مگر یہ نتیجہ کے اعتبار سے خبر دی گئی ہے کہ اس عالمی نبی رحمت کی رحمت ورسالت سے فیض وہی خوش قسمت لوگ پائیں گے جو اہل ایمان ہوں گے باقی بدقسمت لوگ محروم ہی رہیں گے۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح قرآن مجید کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ''ھدی للمتقین'' ہے حالانکہ وہ ''ھدی للناس'' ہے بلکہ ''ھدی للعالمین'' ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

اسلئے کہ اس سے فائدہ صرف پرہیزگار لوگ ہی اٹھائیں گے۔

دوسری یہ کہ علم الکلام میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم پر از راہ لطف انبیاء کا بھیجنا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ واجب کی ادائیگی کوئی احسان نہیں ہوتا پھر یہ احسان کیسا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''اول'' تو یہ واجب دوسرے شرعی واجبات کی طرح نہیں ہے کہ کسی اور حاکم اعلیٰ نے خدا پر لازم قرار دیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے شایاں شان یہ ہے کہ اس نے از راہ لطف وکرم کو اپنے اوپر فرض قرار دیا ہے جیسے آیت ''کتب علی نفسه الرحمة'' میں وارد ہے کہ خدا نے لوگوں پر رحم کرنا اپنی ذات پر فرض قرار دے دیا ہے لہٰذا جس طرح خدا کا اپنی ذات پر یہ فرض قرار دینا احسان ہے اسی طرح انبیاء کا بھیجنا بھی اس کا احسان ہے۔ بقول مولانا عمار علی صاحب

''جیسے کہ آدمی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور جب وہ کسی دوسرے کو دیتا ہے تو اس پر اس کا احسان ہوتا ہے ایسے ہی خدائے تعالیٰ پر پیغمبر بھیجنا واجب ہے اور جس وقت اس کو بھیجا اور مومنین نے اس سے فائدہ حاصل کیا تو خدائے تعالیٰ کا ان پر احسان ہوا'' (عمدۃ البیان)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتۡكُمۡ ...الآیة

حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ فتح وشکست کا دارومدار ظاہری آلات واسباب پر ہوتا ہے اور جنگیں معجزات سے نہیں جیتی جاتیں بلکہ لاؤلشکر اور اس کی جنگی مہارت اور تدبیر حرب وضرب سے جیتی جاتی ہیں مگر عام مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں۔ رسول اللہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور اللہ کی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہے تو کفار کبھی فتح حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا جب جنگ احد میں خلاف توقع ان کو شکست ہوئی تو ان کے اس خیال کو سخت دھچکا لگا اور وہ پریشان ہو کر کہنے لگے کہ ایسا کیوں ہوا یہ کیا ہوا؟

ان کی اسی پریشانی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ جو کچھ ہوا تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہوا۔ نہ تم حکم رسول کی حکم عدولی کرتے نہ درہ کو خالی چھوڑتے۔ نہ دشمن عقب سے حملہ کر کے

تمہیں شکست سے دوچار کرتا اور اگر تمہارے ستر (۷۰) آدمی مارے گئے ہیں تو تم اس سے پہلے (جنگ بدر میں) اس سے دوگنا نقصان دشمن کو پہنچا چکے ہو اس کے ستر آدمی قتل کر چکے ہو اور ستر کو قیدی بنا چکے ہو' تلك الایام نداولها بین الناس' اور پھر یہ جو کچھ ہوا خدا کے اذن ومشیت سے ہوا جو قادر مطلق ہے جو تمہیں فتح وفیروزی بھی عطا فرما سکتا ہے اور تمہیں شکست سے دوچار بھی کر سکتا ہے۔

جہاد اس لئے واجب ہے کہ مومن ومنافق کی پہچان ہو جائے

اور پھر اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی مضمر تھی کہ خدا مومن ومنافق کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتا تھا اور دیکھنا ودکھانا چاہتا تھا کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کا علم ازلی وابدی ہے اور چیزوں کی خلقت اور وقوع پذیر ہونے سے پہلے اسے ان کا اسی طرح علم ہوتا ہے جس طرح خلقت اور واقع ہونے کے بعد لہٰذا اگر کوئی شئ وقوع پذیر ہونے والی ہی نہ ہو تو وہ معلوم کیونکر ہوگی؟

مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باعتبار زمانہ اللہ کو اسوقت علم ہوگا جب واقعہ عالم خارج میں ظاہر ہو جائے علم تو ازلی ہے مگر ہے وہ اسی بنا پر کہ یہ شئ اپنے وقت پر وقوع میں آئے گی۔

اس فلسفہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاد کے واجب ہونے اور فتح وشکست سے دوچار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے مخلص مومن اور منافق کی پہچان ہو جائے کہ میدان کارزار میں جم کر لڑ کر اپنے ایمان کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور اس سے راہ فرار اختیار کر کے اپنے منافق ہونے کا ثبوت کون پیش کرتا ہے؟

آیات القرآن

وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ۖۚ وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ

صٰدِقِيۡنَ ۝١٦٨ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۝١٦٩ فَرِحِيۡنَ بِمَآ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۙ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝١٧٠ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝١٧١

ترجمة الآيات

اورمنافق کون؟ جن سے جب کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم ازکم) دفاع ہی کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو تمہارے پیچھے آتے جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے اس وقت وہ بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے (۱۶۷) یہی وہ لوگ ہیں جو خود تو (گھروں میں) بیٹھے رہے مگر اپنے (شہید ہونے والے) بھائی بندوں کے بارے میں کہا کہ اگر یہ لوگ ہماری پیروی کرتے (اور جہاد کرنے نہ جاتے) تو مارے نہ جاتے۔ (اے رسولؐ) ان سے کہو۔ کہ اگر تم سچے ہو تو جب خود تمہاری موت آئے تو اسے ٹال کر دکھا دینا (۱۶۸) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں (۱۶۹) اللہ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش وخرم ہیں اور اپنے ان پسماندہ گان کے بارے میں بھی جو ہنوز ان کے پاس نہیں پہنچے خوش اور مطمئن ہیں کہ انہیں کوئی خوف نہیں ہے اور نہ کوئی حزن وملال ہے (۱۷۰) وہ اللہ کے فضل وانعام پر خوش اور شاداں ہیں اور اس بات پر فرحاں ہیں کہ اللہ اہل ایمان کے اجر وثواب کو ضائع وبرباد نہیں کرتا (۱۷۱)

تفسیر الآیات

وَقِيْلَ لَهُمْ ...الآية

اس آیت میں منافقین کے کردار اور ان کی روش و رفتار کی مزید نشاندہی کی گئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرو۔ یا کم از کم اپنے مال و جان اور قوم و وطن کا دفاع ہی کرو۔ تو وہ مختلف حیلوں بہانوں سے کام لیتے ہیں۔

چنانچہ جب عبداللہ بن ابی مدینہ سے احد آتے ہوئے راستہ سے اپنے تین سو منافق ساتھیوں سمیت واپس لوٹنے لگا تو اسے سمجھا بجھا کر ہمراہ چلنے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس نے جواب دیا "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ" اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم تمہارے ساتھ چلتے یعنی جنگ نہیں ہوگی لہٰذا ہم تمہارے ہمراہ نہیں چلتے۔

اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ ہم اسے جنگ ہی نہیں جانتے کیونکہ جنگ میں دو طاقتوں کے درمیان تناسب ضروری ہے۔ لہٰذا اپنے سے چار گنا زیادہ اور وہ بھی اسلحہ جنگ سے پوری طرح لیس کے ساتھ لڑنا خودکشی ہے جنگ نہیں ہے۔ ہم جنگ میں تو ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں مگر خودکشی میں نہیں۔

خدا فرماتا ہے: وہ جب یہ بات کہہ رہے تھے وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے اور ان کی منافقت کی دوسری کھلی ہوئی علامت ان کا وہ قول ہے جسے خدا نے یوں نقل کیا ہے کہ "اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ" جنہوں نے گھروں میں بیٹھ کر اپنے شہید ہونے والے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری پیروی کرتے (اور جہاد کرنے نہ جاتے) تو مارے نہ جاتے۔

خداوند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اے رسولؐ! ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو جب تمہاری موت آئے تو اسے ٹال کے دکھا دینا حالانکہ "يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" (سورہ نساء آیت۔۷۸)

تو جب ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے اور اگر فرار کے بعد بھی اس کا مزہ چکھنا ہے تو اگر موت ایک فرض کی ادائیگی میں آئے اور اس طرح جان جان آفرین کے حوالے کی جائے تو اس سے بڑھ کر اور سعادت و عبادت کیا ہے؟

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ ...الآية

شہیدان راہ خدا زندہ ہیں

یہ آیت بظاہر منافقین کے خیال کا رد ہے جو شہداء راہ خدا کو مردہ تصور کر کے ان کے حال پر اظہار افسوس کرتے تھے کہ ہمارا کہنا نہ مانا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ان کے جواب میں خدا فرمارہا ہے کہ شہیدان راہ خدا و کشتگان راہ وفا کو مردہ کہنا غلط ہے وہ تو زندہ ہیں اور زندہ بھی پوری کیفیات زندگی کے ساتھ ہیں ان کو اللہ جل جلالہ کی طرف سے رزق ملتا ہے ظاہر ہے کہ رزق زندہ کو ہی ملتا ہے اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش وخرم ہیں۔ نیز وہ اپنے جو اعزا و اقارب دنیا میں چھوڑ گئے ہیں وہ ان کے بارے میں بھی خوش ہیں اور پرامید ہیں کہ جب وہ دنیا میں رہ کر ایمان کے ساتھ نیک کام کریں گے اور مصروف جہاد رہیں گے تو انجام کار ان کو بھی یہی نعمتیں میسر آئیں گی۔ کیونکہ خدا ایمان والوں کے اجر وثواب کو برباد نہیں کرتا۔ دنیا میں رہ کر ان کا ایمان تھا اور اب مشاہدہ وعیاں ہے۔

ان حقائق سے واضح ہوجاتا ہے کہ شہید کی یہ حیات اس حیات برزخی سے علیحدہ ہے جو ہر مسلم وکافر کو حاصل ہے یہ اور بات ہے کہ ہم اس حیات کی پوری کیفیت ونوعیت کو نہ سمجھ سکیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں:

بھلا سونے والے نے عالم خواب میں کب بیداری کو سمجھا ہے؟

جو ہم اس خواب بیداری میں اس حیات جاوداں کی کیفیت کو سمجھ سکیں جو راہ خدا میں شہید ہو کر حاصل ہوتی ہے؟

بس اس کی حقیقت و اصلیت خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ ہمارے فہم و ادارک کی حدوں سے ماوراء ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس آیت کے ساتھ ملی جلتی ایک آیت کی تفسیر میں سورہ بقرہ نمبر ۱۵۴ کے اندر حیات شہداء پر بقدر ضرورت گفتگو کی جاچکی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں خدا نے فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو۔ اور یہاں فرمایا کہ ان کے مردہ ہونے کا گمان بھی نہ کرو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ اور بارگاہ خدا سے رزق پارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ہمارے فہم کی رسائی سے بالاتر ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے روح کی ماہیت آج تک سر مکتوم ہے اس کو نہ سمجھنا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہوسکتا (ضیاء القران)

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا:

ایک شخص حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں بخوشی جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بے شک راہ خدا میں جہاد کر اگر مارا گیا تو ایسا زندہ قرار پائے گا کہ جو اللہ سے رزق پاتا ہے

اور اگر اپنی موت مر گیا تو تیرا اجر وثواب خدا کے ذمہ ہوگا اور اگر زندہ لوٹ آیا تو گناہوں سے پاک ہو جائے گا (تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے ہی مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ جب ان کی روحیں جنت الفردوس میں داخل ہونگی اور وہ بارگاہ خداوندی سے عزت وکرامت حاصل کریں گے اور ان کو مکمل یقین ہو جائے گا کہ وہ دین حق پر تھے تو اپنے پسماندگان اہل ایمان کے بارے میں خوش ہوں گے کہ آخر ایک دن وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے (اصول کافی)

آیات القرآن

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَہٗ ۪ فَلَا تَخَافُوۡہُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی آواز پر لبیک کہی۔ان میں سے جو نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لئے بڑا اجر وثواب ہے (۱۷۲) وہ کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا لشکر جمع کیا ہے لہٰذا تم ان سے ڈرو۔ تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے (۱۷۳) پس یہ لوگ اللہ کی عنایت اور اس کے فضل وکرم سے اس طرح (اپنے

گھروں کی طرف) لوٹے کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نے چھوا بھی نہیں تھا۔ اور وہ رضاء الٰہی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے (۱۷۴) دراصل یہ تمہارا شیطان تھا جو تمہیں اپنے حوالی موالی (دوستوں) سے ڈراتا ہے اور تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو (۱۷۵)

تفسیر الآیات

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُو...الآیۃ

غزوہ بدر الصغر ی کا تذکرہ

ابھی تک غزوہ احد کا تذکرہ تھا مگر ان آیات میں غزوہ حمراء الاسد کا تذکرہ ہے جسے غزوہ بدر الصغر ی بھی کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر قصہ کچھ یوں ہے کہ ابوسفیان اور دوسرے کفار مکہ جب احد سے واپس چلے گئے تو راستہ میں بمقام ''روحا'' پہنچ کر ان کو یہ خیال آیا کہ غالب آنے کے باوجود ہم جنگ کو اس کے منطقی انجام تک پہنچائے بغیر واپس آ گئے ہمیں چاہیے تھا کہ سب مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیتے۔ یہ خیال کر کے واپس مدینہ لوٹنے اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر خداوند عالم نے بذریعہ وحی پیغمبر اسلام کو اس کی اطلاع دی اور آنحضرتؐ نے اعلان کر دیا کہ ہم نے کفار کے تعاقب میں جانا ہے۔

یہ اگرچہ بڑا ہی نازک موقع تھا مگر پھر بھی مخلص مومن صحابہ جانثاری کے لئے تیار ہو گئے ان میں کئی آدمی ایسے بھی تھے جو جنگ احد میں سخت زخمی ہوئے تھے اور آنحضرتؐ ان جانثاروں کے ساتھ مقام حمراء الاسد تک پہنچے جو مدینہ سے قریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر ابوسفیان نے نعیم بن مسعود اشجعی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو مرعوب کرنے کے لئے پیغام بھیجا کہ ابوسفیان اپنے حلیفوں کے ساتھ ایک لشکر جرار لے کر حملہ آور ہوا چاہتا ہے یہ وحشت ناک خبر سن کر مسلمان یک زبان ہو کر بولے ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل''

دوسری طرف معبد خزاعی جو کہ مکہ جا رہا تھا جب اس نے راستہ میں دیکھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر کر رہا ہے تو اس نے بتایا کہ تم کس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے؟ میں نے ان کا جم غفیر حمراء الاسد میں دیکھا ہے جو تمہارے تعاقب میں آ رہا ہے۔ اس خبر کا ابوسفیان پر یہ اثر ہوا اور اس پر ایسا رعب پڑا کہ وہ اپنا ارادہ بدل کر مکہ چلا گیا۔ اور حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بہرحال جب کفار واپس چلے گئے تو آنحضرتؐ

بھی اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے گئے (تفسیر فصل الخطاب، معارف القرآن، تفسیر صافی، کاشف)

باختلاف روایات یہ واقعہ جنگ احد کے دوسرے روز وقوع پذیر ہوا یا ایک سال کے بعد (تفسیر صافی)

بہرحال ان تین آیات مبارکہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آنحضرتؐ کے انہی مخلص مومن اور جانثار صحابہ کرام کی مدح وثنا کی گئی ہے جو اس واقعہ میں کندن ہو کر نکلے۔ جو غزوہ احد میں زخمی ہونے کے باجود جدال وقتال پر آمدہ ہو گئے تھے۔ اور دشمن کی جمعیت معلوم کر کے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے بلکہ ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' کا مومنانہ نعرہ لگایا تھا۔ اور پھر بغیر کسی ضرروزیاں کے صحیح سلامت شاداں وفرحاں اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے تھے۔

ان واقعات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اطاعت رسول اطاعت خدا ہے اور حکم رسول حکم خدا ہے۔ اور عمل کی روح رواں اخلاص ہے۔ اور یہ کہ جو خدا پر بھروسہ کرتے ہیں خدا بھی ان کو نا شاد و نامراد نہیں کرتا اور یہ کہ کلمہ مبارکہ ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' کے پڑھنے کے بڑے فوائد مذکور ہیں منجملہ ان کے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے روزانہ اس کا ایک سو بار پڑھنا مجرب ہے (مفاتیح الجنان)

ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ...الآیۃ

شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے اہل ایمان کو ڈراتا ہے

ان الفاظ کے ترجمہ میں بعض اعلام نے اپنے تحیر و تردد کا اظہار کیا ہے کہ شیطان اپنے حوالی وموالی کو ڈراتا ہے۔ یا شیطان تمہیں اپنے حوالی وموالی سے ڈراتا ہے۔

ظاہر ہے کہ شیطان اپنی اصلی صورت میں سامنے آ کر تو نہ حملہ کرتا ہے اور نہ ہی ڈراتا ہے وہ جب بھی وار کرتا ہے تو کسی انسانی شکل وروپ میں آ کر کرتا ہے یہی اولیاء الشیطان کہلاتے ہیں چنانچہ یہاں اس کا نمائندہ نعیم ثقفی تھا۔ بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے تمہیں ڈراتا ہے یعنی باولیاہ۔ (قرطبی)

اور زجاج اور ابوعلی فارسی کی تحقیق کے مطابق یخوف کا پہلا مفعول محذوف ہے جو ضمیر جمع مذکر حاضر ہے جو یعنی ''یخوفکم'' ہے اور دوسرا مذکور ہے جو اولیاء ہے۔ بنابریں ترجمہ یہ ہوگا کہ شیطان تمہیں اپنے

حوالی موالی (دوستوں) سے ڈراتا ہے۔

چنانچہ ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے اور اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے'' فلا تخافوهم '' تم ان سے نہ ڈرو جن سے شیطان ڈراتا ہے بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اس طرح ''هم '' کی ضمیر کا مرجع اولیاء قرار پائے گا۔ اور یہ بفضلہٖ تعالیٰ بالکل واضح مطلب ہے جس میں کوئی اینچ پینچ نہیں ہے خدا فرماتا ہے:

اولیاء الشیطان سے نہ ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔

اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے اللہ کی حکم عدولی اور نافرمانی سے ڈرنا۔ ورنہ اللہ کوئی ڈراونی چیز نہیں کہ جس سے ڈرا جائے بلکہ وہ تو محسن و منعم اور رحمن و رحیم اور **رؤوفٌ رَّحِيم** ہونے کی وجہ سے محبت و پیار کرنے کے لائق ہے۔

آیات القرآن

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں وہ تمہیں غمزدہ نہ کریں یہ

اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔اللہ کا ارادہ ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے۔ اوران کے لئے بہت بڑا عذاب ہے (۱۷۶) بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدلیا ہے وہ ہرگز اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا ئیں گے اوران کے لئے دردناک عذاب (تیار) ہے۔(۱۷۷) اورکافر یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دے رہے ہیں (ان کی رسی دراز رکھتے ہیں) یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے یہ ڈھیل تو ہم صرف اسلئے انہیں دے رہے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کرلیں (آخرکار) ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے (۱۷۸) اللہ مومنوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس حال پر تم اب ہو۔جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے۔البتہ اللہ (غیب کی باتیں بتانے کے لئے) اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔سوتم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔اور اگرتم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا اجروثواب ہے (۱۷۹)

تفسیر الآیات

وَلَا یَحْزُنْكَ...الآیۃ۱۷۶

حضرت رسول خداؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ کفر میں تگ وتاز کرنے والے خدااوررسول کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔پیغمبرؐ اسلام اس بات کے کس قدر حریص تھے کہ لوگ ایمان لائیں اوران کے ایمان نہ لانے سے آپ کو کس قدرروحانی کوفت ہوتی تھی اس کا کچھ اندازہ درج ذیل آیات سے لگایا جاسکتا ہے ہے۔

''حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْم'' وہ تمہارے ایمان لانے کے بارے میں بڑے حریص ہیں اورمومنوں کے ساتھ بڑے مہربان ہیں۔(سورہ توبہ آیت۔۱۲۸)

''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا'' شاید آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے اس افسوس میں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔(سورہ کہف آیت۔۶)

جولوگ مسلمان کہلا کر اپنے اقوال وافعال سے کفروشرک کا مظاہرہ کرتے تھے اس سے آپؐ کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی اور کس قدر صدمہ پہنچتا ہوگا؟ جیسا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی تو اس سے کئی منافق اپنے کفر کا اظہار کرنے لگے اور ظاہری اسلام کا جولبادہ اوڑھ رکھا تھا اسے بھی ہٹادیا۔بہر حال خدائے

مہربان اپنے پیغمبرؐ کو تسلی دے رہا ہے کہ کفر میں تگ وتاز کرنے والے خدا اور رسولؐ کو کوئی ضرر وزیاں نہیں پہنچاتے بلکہ سراسر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور آخرت کے ثواب بے حساب سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں آپ نے تبلیغ کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا اب اگر وہ اپنے کفر وشرک سے چمٹا رہنے پر مصر ہیں تو آپ غمزدہ اور رنجیدہ نہ ہوں ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اگر وہ اسلام کے بدلے کفر خرید رہے ہیں تو یہ ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور ان کی حرماں نصیبی ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَلَا یَحۡسَبَنَّ...الآیۃ ۱۷۸

دنیوی نعمتوں کی کثرت محبوب خدا اور ان کی قلت مبغوض خدا ہونے کی دلیل نہیں ہے

''املاء'' کے معنی ہیں طول حیات اور عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی مہلت اور ڈھیل عامۃ الناس یہ خیال کرتے ہیں کہ زندگی کی طوالت، صحت وسلامتی کا حصول اور مال ودولت کی کثرت کسی شخص کے محبوب خدا ہونے کی دلیل ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس پر خدا کی خاص نگاہ کرم ہے اور اس کی قسمت زوروں پر ہے جبکہ اس کے برعکس بیماری اور تنگدستی کو مبغوض خدا ہونے کی علامت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سوچ کا یہ انداز کافرانہ ہے مومنانہ نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امتحان کے مختلف پرچے ہیں خدائے علیم وحکیم کسی کا امتحان لیتا ہے تندرست وتونگر بنا کر اور کسی کا اختبار کرتا ہے بیمار و نادار بنا کر تا کہ دیکھے اور دکھائے کہ نعمت پر شکر کون کرتا ہے اور مصیبت پر صبر کون؟

بعض بدکاروں کو ڈھیل دینے کی حکمت

نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات خدائے حکیم اس لئے بھی بعض بدکاروں کو درازی عمر اور عیش وعشرت کے آلات واسباب سے نوازتا ہے کہ وہ دل کھول کر گناہ کر لیں اور گناہ کرنے کی کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے اور مرزا غالب کی طرح روز آخرت یہ نہ کہنا پڑے کہ

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اسے شریعت کی اصطلاح میں استدراج کہا جاتا ہے اور اس سے حجت خدا تمام ہوتی ہے اور جب جبار

وقہار خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا کیونکہ ''اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ '' (سورہ بروج آیت۔۱۲) اور نتیجہ بالکل تباہی کی شکل میں نکلتا ہے خواہ دنیا میں ہوتا کہ دوسروں کے لئے سامان عبرت ہو جائے اور خواہ آخرت میں ہو جو سزا و جزا کا اصلی محل ومقام ہے ''اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا '' (سورہ توبہ آیت۔۵۵) خدا چاہتا ہے کہ کفار کی اس عیش وعشرت اور مال ودولت کی فراوانی کی وجہ سے انہیں سزا دے۔ بہرنوع آخری فتح وکامرانی حق اور اہل حق کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ...الآیۃ۱۷۹

پاک اور ناپاک لوگوں میں امتیاز کرنے کی ضرورت اور اس کے ذرائع کا بیان

آغاز اسلام میں یہ دستور تھا کہ جو شخص چاہتا اسلام کا ظاہری اقرار کر کے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور پھر نازک مواقع پر مسلمانوں میں خوف، انتشار اور راز کا افشاء کر کے ان کو اذیت پہنچاتا۔ لہٰذا حکمت خداوندی کا تقاضا تھا کہ ان کا باہم اختلاط مناسب نہیں لہٰذا مخلص ومنافق اور خبیث اور طیب میں امتیاز ضروری ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جس عہد کو خیر القرون کہا جاتا ہے اس میں بھی خود مسلمانوں کے اندر پاک وناپاک اور طیب وخبیث لوگ موجود تھے۔ اگر سب ہی عدول ہوتے سب ہی اقتدار کے اہل ہوتے اور سب ہی معزز ومحترم ہوتے تو پھر خدا ان میں امتیاز قائم کرنے کا اہتمام کیوں کرتا؟

بہر حال اب امتیاز قائم کرنے کے چند ذریعے متصور ہو سکتے تھے۔ مثلاً

۱۔ یہ کہ بذریعہ وحی نام لیکر منافقوں کو متعین کر دیا جائے مگر بوجوہ ایسا نہیں کیا گیا

۲۔ مصائب سے اور ابتلا وآزمائش سے تاکہ جو مصیبت کے وقت بھاگ کھڑا ہو اس کے نفاق کا پردہ چاک ہو جائے جس طرح جنگ احد میں سختی کے وقت دو کردار سامنے آ گئے تھے

۳۔ اسلام کو کامیاب کر کے اور پھر پرچم اسلام کو سربلند کر کے اور کفر کے پرچم کو سرنگوں کر کے تاکہ پتہ چل جائے کہ اسلام کی فتح وفیروزی پر خوش وخرم ہو کر اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور پرچم کفر کی سرنگونی پر رنج وملال کا اظہار کر کے اپنے نفاق کا ثبوت کون فراہم کرتا ہے؟

۴۔ اپنے منتخب پیغمبروں کے ذریعہ سے بعض غیب کی باتوں پر مطلع کر دینے سے یعنی خداوند عالم نے وحی کے ذریعہ حضرت رسول خداؐ کو منافقین کے ناموں سے آگاہ کر دیا تھا لہٰذا خبیث وطیب کے باہمی امتیاز کے

سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت نا قابل انکار ہے۔ اسلئے فرمایا گیا کہ خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھو۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا اور رسولؐ جس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمائیں اسی کے مطابق اس سے سلوک روا رکھو۔ بنابریں اچھوں اور بروں میں حد فاصل قائم کرنے کے لئے قرآن کے علاوہ جہاں تاریخ اسلام کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے وہاں حدیث رسولؐ کو بھی مدنظر رکھنا لازمی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ...الآية۱۷۹

اس آیت مبارکہ میں چونکہ علم غیب کا ذکر آ گیا ہے تو اس کی مناسبت سے انسب معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کے علم غیب جاننے یا نہ جاننے کے قدیم الایام سے معرکۃ الاراء نازک مسئلہ کی یہاں کچھ وضاحت کردی جائے اگرچہ اصول الشریعہ کے ساتویں باب میں اس کی مکمل تفصیل درج کی جاچکی ہے لہٰذا اس موضوع کے جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

علم غیب کی تعریف

غیب کیا ہے؟

”المرادبه المخفی الذی لا یدرکه الحس ولا تقتضیه بدیهة العقل وهو قسمان قسم لا دلیل علیه وهو المعنی بقوله تعالیٰ وعنده مفاتیح الغیب لا یعلمها الا هو وقسم نصب علیه دلیل کالصانع وصفاته والیوم الاخر واحواله وهو المراد فی قوله سبحانه یومنون بالغیب“

غیب اس پوشیدہ امر کو کہا جاتا ہے جسے نہ تو حواس درک کرسکیں اور نہ ہی بداہت عقل اسے سمجھ سکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے معلوم کرنے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ یہی قسم مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ صرف اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کے معلوم کرنے پر دلیل قائم ہے جیسے خالق کائنات کی ہستی اور اس کے صفات، آخرت اور اس کے حالات خدا کے اس قول سے یہی قسم مراد ہے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں (مراۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۴۶۷)

”کل مالا یتناوله الحواس من الا مور الکائنته فی الحال او الماضی اولا

ستقبال '(شرح اصول کافی ج۶ص ۷ ۱۲ازملا صالح مازندرانی)

یعنی غیب سے مراد وہ امور ہیں جو انسانی حواس کی دسترس سے ماوراء ہوں خواہ حال میں ہوں یا ماضی یا مستقبل میں۔علم غیب کی اس تعریف سے واضح ہوجا تا ہے کہ غیب کہتے ہی اس علم کو ہیں جو انسانی عقل وخرد اور حواس کی دسترس سے ماوراء ہو۔اوراسی سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ عالم الغیب صرف خداوند عالم کی ذات جامع جمیع کمالات ہے اور یہ اسی کے ساتھ مختص ہے۔

علماء متکلمین کی اصطلاح

چنانچہ علماء متکلمین نے قرآن وسنت کے حقائق کو سامنے رکھ کر یہ اصطلاح قائم کی ہے کہ عالم الغیب صرف اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کا علم ذاتی ہو کسی اور ذات سے مستفاد نہ ہو۔اور پھر اس طرح کلی واحاطی ہو کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس کے احاطہ علمی سے خارج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ شان صرف خدائے دوجہاں کی ہے۔(اوائل المقالات از شیخ مفید ۷۷ وہفتم بحاالانوار ۱۵ ۴ طبع قدیم ازعلامہ مجلسی)

علم غیب قرآنی آیات کی روشنی میں

قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات وافی ہدایات موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ علم غیب خدا کی ذات کے ساتھ مختص ہے جیسے یہ آیات:

۱۔''وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ''اللہ کہ پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا(سورہ انعام آیت۔۵۹)

۲۔''وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ''اور سارے آسمان وزمین کی پوشیدہ باتوں کا خاص خدا کو ہی علم ہے اور ہر کام کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔(سورہ ہود آیت۔۱۲۳)

۳۔''قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ''اے رسولؐ کہہ دیجئے جو کوئی آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔(سورہ نمل آیت۔۶۵)

۴۔''اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ''بے شک خدا سارے آسمان وزمین کی غیبی باتوں کو جانتا ہے اور وہ دلوں کے رازوں سے واقف ہے(سورہ فاطر آیت۔۳۸)

۵۔''قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ''(اے رسولؐ) کہہ دیجئے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں(سورہ انعام آیت۔۵۰)وغیرہ وغیرہ

علم غیب ارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں

انبیاء وائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی پر اخبار وآثار متظافرہ بلکہ متواترہ موجود ہیں یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ابھی آیت نمبر ۵ میں نقل کیا جاچکا ہے جس میں خداوند عالم نے خود آنحضرتؐ سے کہلوایا ہے کہ میں علم نہیں جانتا

۲۔ ایک بار حضرت امیر علیہ السلام نے بعض ایسے امور کی خبر دی جو ہنوز واقع نہیں ہوئے تھے اس پر بعض اصحاب نے عرض کیا ''لقد اعطیت علم الغیب'' آپ کو علم غیب عطا کیا گیا ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا ''لیس ہو بعلم غیب وانما ہو تعلم من ذی علم'' یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو صاحب علم سے حاصل کی ہوئی باتیں ہیں (نہج البلاغہ، تفسیر صافی)

۳۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: 'عجبا لقوم یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللہ عزوجل'' تعجب ہے ان لوگوں سے جو گمان کرتے ہیں کہ ہم علم غیب جانتے ہیں حالانکہ خدا عزوجل کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۱۶۸ طبع ایران)

۴۔ عنبسہ بن مصعب نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوالخطاب (غالی) کہتا ہے کہ آپ علم غیب جانتے ہیں۔ آپ نے اس کی لغویات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اما قولہ انی اعلم الغیب فو اللہ الذی لا الہ الا ہو ما اعلم الغیب'۔

اس کا یہ کہنا کہ میں علم غیب جانتا ہوں مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں علم غیب نہیں جانتا (رجال کشی ۱۸۸ طبع بمبئی)

۵۔ امام زمانہؑ کی توقیع مبارک موجود ہے جس میں آپ جناب محمد بن علی سمری کے نام توقیع میں فرماتے ہیں:

یا محمد بن علی تعالیٰ اللہ عزوجل عما یصفون سبحانہ وبحمدہ لیس نحن شرکائہ فی علمہ ولا فی قدرتہ بل لا یعلم الغیب غیرہ قال فی محکم کتابہ تبارکت اسمائہ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ''

اے محمد بن علی سمری! یہ لوگ (غالی) اللہ کی جو صفت بیان کرتے ہیں وہ اس سے بہت بلند و برتر ہے ہم نہ اس کے علم میں شریک ہیں اور نہ قدرت میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا جیسا کہ

اس نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی زمین و آسمان کی مخلوق غیب نہیں جانتی (احتجاج طبری ص ۲۲۵ طبع نجف)

اِطِّلَاع عَلَی الْغَیْبِ عِلْمُ الْغَیْب نہیں ہے

پورے قرآن مجید میں خدائے علیم وحکیم نے دو مقامات پر فرمایا ہے کہ وہ اپنے رسولوں میں جسے چاہتا ہے اپنے غیب پر اطلاع دے دیتا ہے۔ایک یہی زیر بحث آیت ہے جس میں فرماتا ہے۔اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے البتہ اللہ (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔اور دوسرے پارہ نمبر ۲۹ سورہ جن آیت نمبر......۲۶،۲۷ میں فرماتا ہے ''عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّه'' خدا ہی غیب دان ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند فرمائے۔

ان دو آیتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسولوں میں سے (جس کو) جس قدر مناسب سمجھے اپنے بعض غیوب پر بذریعہ وحی مطلع کر دیتا ہے مگر ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ عالم الغیب ہونا اور ہے اور بعض غیبی امور پر مطلع ہونا اور۔یہ درحقیقت علم غیب نہیں ہے بلکہ غیبی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی انبیاء کو دی گئی ہیں ''ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ'' (سورہ آل عمران آیت۔۴۴) اور پھر انبیاء کے ذریعے سے ان کے اوصیا تک پہنچتی ہیں بنابریں حقائق بے شک آئمہ علیہم السلام باطلاع اللہ واعلامہ بعض غیوب پر مطلع ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کو عالم الغیب کہنا شرعاً صحیح نہیں ہے۔

ایک اس لئے کہ یہ علم الغیب نہیں ہے۔

دوسرا اسلئے کہ عالم الغیب خدا کا صفاتی نام ہے۔اور اس کے نام توقیفی ہیں۔شریعت کی اجازت کے بغیر غیر اللہ پر اس کے ناموں کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پورے دفتر حدیث میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی دستیاب نہیں ہوئی جس میں اللہ کے سوا اور کسی ہستی پر ''عالم الغیب'' کا اطلاق کیا گیا ہو۔اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْن

آیات القرآن

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا

لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے (بہت کچھ) دے رکھا ہے۔ اور وہ بخل کرتے ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ (بخل) ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے۔ عنقریب قیامت کے دن اس مال کا طوق انہیں پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کررہے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے (۱۸۰) بے شک اللہ نے ان لوگوں (یہودیوں) کا قول سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ خدا مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں سو ان کی یہ باتیں ہم لکھ لیں گے نیز ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیں گے۔ اور (فیصلے کے وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ اب آتش دوزخ کا مزہ چکھو (۱۸۱) یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے (زادسفر کے طور پر) آگے بھیجا ہے اور یقینا اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۱۸۲) یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد واقرار لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں۔ جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے (غیبی) آگ آکر کھالے۔ ان سے کہیے مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول روشن نشانیاں

(معجزے) لے کر اور وہ (نشانی) بھی جو تم کہتے ہو لے کر آئے تو اگر تم (اس شرط میں) سچے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا؟ (۱۸۳)

تفسیر الآیات

وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ...الآیۃ۱۸۰

بخل کی مذمت اور اس کے برے انجام کا تذکرہ

بہت دیر کے بعد سلسلہ کلام تبدیل ہوا ہے اور منافقین کے فرار اور دوسرے واقعات ان کے اقوال اور ان کے جوابات یہاں ختم ہوئے ہیں۔ یہاں خدائے رحمان نے بخل اور اس کے برے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔ بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بداخلاقیوں کی جڑ ہے جیسے خیانت، بددیانتی، بے رحمی اور دنائت وکمینگی وغیرہ بخل کی مذمت سے قرآن وسنت لبریز نظر آتے ہیں اور اس صفت رذیلہ کا انجام جہنم ہے۔

بخیل   اربودزاہد   بحر   وبر

بہشتی   نباشد   بحکم   خبر

یہاں بخل سے مالی حقوق واجبہ جیسے زکوۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا مراد ہے جنہیں خدائے حکیم نے فقراء کے لئے اغنیاء کے اموال میں فرض کیا ہے یہ مال بطور طوق ان کی گردن میں ڈالے جائیں گے یقینا کسی مخصوص ہولناک عذاب کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت ارشادات معصومین میں کی گئی ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ وحضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:

”مامن احد یمنع من زکوۃ ماله شیا الا جعل الله ذلك یوم القیمة ثعبانا من نار مطوقا فی عنقه ینهش من لحمه حتی یفرغ من الحساب وهو قول الله سیطوقون ما بخلوا به یوم القیامة“

جو شخص اپنے مال کی زکوۃ ادا نہ کرے خدا اسے قیامت کے دن جہنم کا اژدھا بنا کر اس کی گردن میں طوق کے طور پر ڈالے گا جو اس کا گوشت کھائے گا یہاں تک کہ حساب کتاب سے فراغت ہوگی (اصول کافی وتفسیر صافی)

نیز حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا:

''مامن ذی زکوۃ مال نخل او زرع او کرم یمنع زکوۃ ماله الا قلدتبرۃ ارضه یطوق بها من سبع ارضین الی یوم القیامة''

جس شخص پر کھجور، زراعت یا انگور وغیرہ کسی مال کی زکوۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو اس کی زمین کو اس کے سات طبقوں سمیت قیامت کے دن ان کی گردن کا طوق بنائے گا (صافی)

''ہم اپنی اس دنیا کے مشاہدات میں گھری ہوئی عقل سے وہاں کی کسی چیز کی نوعیت کب سمجھ سکے ہیں جو اس ازدہے کے پوری نوعیت محسوس کر سکیں جس کی شدت سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ابدی عذاب کا ایک طریقہ ہے جو غضب پروردگار کا نتیجہ ہے اور اس کی نافرمانی کی سزا ہے۔نعوذ باللہ من ذلک (فصل الخطاب)

ارشاد قدرہے:

''وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ''

جو شخص حرص بخل سے بچالیا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں''

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ۔ الایۃ ۱۸۱

یہودیوں کا اپنے آپ کو مالدار اور خدا کو غریب و نادر کہنا

کتب تفسیر میں یہود کے اپنے آپ کو مالدار اور خالق کائنات کو غریب و نادار کہنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ''من ذالذی یقرض الله قرضا حسنا'' کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے۔تو یہودیوں نے تمسخر کرتے ہوئے کہنا شروع کیا اللہ مفلس ہو گیا ہے اس لئے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔(تفسیر صافی)

اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے جب اولیاء اللہ کو فقیر و نادار دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ اللہ مفلس ہو گیا ہے کیونکہ اگر مالدار ہوتا تو اپنے دوستوں کو مالدار بناتا (تفسیر قمی)

بہرحال وجہ جو بھی ہو خدائے قہار ان کے جواب میں فرمارہا ہے کہ ہم ان کے مذاق والے جرم کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیں گے اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کا سنگین جرم بھی ثبت کیا جائے گا۔اس ارشاد خداوندی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ مذاق اتنا سنگین جرم ہے کہ اسے قتل انبیاء کے ساتھ لکھا جارہا ہے۔حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا۔انبیاء کے قاتلین اور اس قول کے قائلین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔مگر خدا نے ان کو اسلئے قاتل قرار دیا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے اس کارنامہ پر راضی تھے۔(الکافی،الصافی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب ''من رضی بفعل قوم فھو منھم ''جو کسی قوم کے فعل پر راضی ہو وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے لہٰذا جو شخص یا قوم وقبیلہ آج بھی امام حسینؑ کے قتل ناحق پر راضی ہے وہ امامؑ کے قاتلوں میں شمار ہوگا۔(تفسیر عیاشی)

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا ...الآیۃ ۱۸۳

یہودیوں کے ایمان نہ لانے کے عذر لنگ کا تذکرہ

یہود جو کہ حیلہ سازی کے فن میں بڑے ماہر تھے اس لئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا یہ عجیب وغریب عذر تراشا کہ خدا نے ہم سے تورات میں یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی شخص کو نبی نہ مانیں جب تک وہ یہ خاص معجزہ نہ دکھائے جو یہ ہے کہ وہ کوئی قربانی پیش کرے اور آسمانی آگ آکر اسے کھا جائے (اسے جلا کر راکھ کردے) اور چونکہ آپ نے یہ معجزہ نہیں دکھایا لہٰذا ہم آپ کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔

قرآن نے ان کی اس کٹ حجتی کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا ہے اور ہابیل وقابیل کے قصہ میں بھی مذکور ہے مگر یہ کوئی عام اصول تو نہ تھا کہ جو معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا بے شک نبی کے لئے معجزہ نما ہونا ضروری ہے مگر کسی خاص معجزہ کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے۔اور نہ کوئی ایسی صراحت تورات وغیرہ میں مذکور ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اگر بالفرض تمہاری یہ بات درست تسلیم بھی کرلی جائے تو جب بعض سابقہ انبیاء دوسرے معجزات کے علاوہ تمہارا مطلوبہ معجزہ بھی لے آئے تھے جیسے جناب زکریا۔ وجناب یحییٰؑ تو تم نہ صرف یہ کہ ان پر ایمان نہیں لائے، الٹا ان کو ناحق شہید بھی کیا؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ نہ ماننے کے صرف حیلے وبہانے ہیں۔بس خداوند عالم نے اپنے حبیب کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ ان کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی انبیاء ومرسلین کی تکذیب کی جاتی رہی ہے۔ع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

لہٰذا ''فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ'' اولی العزم رسولوں کی طرح صبر کیجئے۔(سورہ احقاف آیت۔۳۵)

آیات القرآن

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ‌ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾ لَـتُبۡلَوُنَّ فِىۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ وَلَـتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا‌ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (آزردہ خاطر نہ ہو) آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو معجزات، صحیفے اور روشن کتاب (آئین حیات) لے کر آئے (۱۸۴) ہر جاندار نے (انجام کار) موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تم سب کو قیامت کے دن (اپنے اپنے اعمال کا) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا پس جو شخص (اس دن) جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان اور سرمایہ ہے (۱۸۵) (مسلمانو) ضرور تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب مشرکین سے بڑی دل آزار باتیں سننا پڑیں گی اور اگر تم صبر وضبط سے کام لو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت اور حوصلے کا کام ہے (۱۸۶)۔

تفسیر الآیات

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ.........الآیۃ ۱۸۵

ہر جاندار نے موت کا مزہ چھکنا ہے

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ خدا و رسولؐ اور جزا وسزا کے منکر بھی اس کے انکار کی جرات نہیں کر سکتے۔

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف کہے گا
جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

اس میں یہود و ہنود وغیرہ باطل پرستوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور اہل ایمان کو تسلی دی جا رہی ہے کہ نہ ان کا جاہ وجلال ہمیشہ رہے گا اور نہ ان کا رنج وملال ہمیشہ رہے گا۔ نہ ان کی عیش وعشرت ہمیشہ رہے گی اور نہ ان کی تنگدستی وعسرت ہمیشہ رہے گی بے شک ''الدنیا سجن للمومنین وجنة للکافر''

مگرتا بکے؟ ع

''چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے''

دنیا متاع غرور ہے چند روزہ بہار ہے پھر ع

عوض یک دو نفس قبر کی شبھائے دراز

یہ عبوری دور ہے اور وہ دن بالکل قریب ہے جب کفار کو ان کے کئے کی سخت سزا دی جائیگی اور تمہیں مکمل اجر عظیم وثواب عظیم عطا فرمایا جائے گا اصل زندگی وہی ہے ''انما الاخرة ھی دار الحیوان'' اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو شخص جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامران وکامیاب ہو گیا۔ وَ ذٰلِكَ ھو الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُم ...الآیۃ

تمہیں مال وجان کی آزمائش کی کوٹھالی سے گذرنا پڑے گا مالی وجانی جہاد کرنا پڑے گا یعنی زکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق ادا کر کے مالی جہاد کرنا پڑے گا اور بوقت ضرورت جان کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ چونکہ تم اہل حق ہو تمہیں اہل باطل یعنی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اور مشرکین عرب سے ناملائم اور

ناخوشگوار باتیں ان کی طعن وتشنیع، ان کے الزامات، اتہامات اور بکواسات سننا پڑیں گے اور ان کے ہاتھوں تمہیں مالی وجانی آزمائشیں بھی پیش آئیں گی جن سے یقینا تمہارے جذبات اس طرح مشتعل ہوں گے کہ زبان اور ہاتھ پر قابو رکھنا مشکل ہوجائے گا اور تم جوابی کارروائی کرنے پر معذور بھی ہوگے مگر یاد رکھو کہ اگر تم نے بھی جواب میں انہی کی روش اپنائی تو پھر تم میں اور ان میں فرق کیا رہ جائے گا؟

لہٰذا خالق حکیم مسلمانوں کو سمجھا رہا ہے کہ دشمن کی اس سب کارروائی کے باوجود تم صبر وضبط وتقویٰ وطہارت صداقت وحقانیت، انصاف وانسانیت اور تہذیب کا دامن نہ چھوڑنا اور انسانی اقدار اور اسلامی وقار کے خلاف کوئی کام واقدام نہ کرنا الغرض ان کی ان مہمل باتوں کی پروانہ کرنا اور اپنا کام کئے جانا بے شک یہ بڑے ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔

آیات القرآن

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ۝۱۸۷ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۱۸۸ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۱۸۹ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۹۱ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝۱۹۲ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) وہ وقت یاد کرو۔ جب خدا نے اہل کتاب سے عہد و پیمان لیا تھا کہ تم اسے ضرور لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرو گے اور اسے ہرگز نہیں چھپاؤ گے مگر انہوں نے اسے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر لی۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں (۱۸۷) آپ ان لوگوں کے بارے میں خیال نہ کریں جو اپنی کارستانیوں پر اتراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف و ستائش کی جائے ان کے بارے میں خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے محفوظ ہیں (نہیں بلکہ) ان کے لئے دردناک عذاب (تیار) ہے (۱۸۸) اللہ کے لئے ہی ہے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے (اور وہی ان کا مالک ہے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۸۹) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کی ادل بدل میں صاحبانِ عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں (۱۹۰) جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے (برابر) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی تخلیق و ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور بے ساختہ بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ فضول و بیکار پیدا نہیں کیا۔ تو (عبث کام کرنے سے) پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا (۱۹۱) اے ہمارے پروردگار بے شک جسے تو نے دوزخ میں داخل کر دیا اسے تو نے ذلیل و رسوا کر دیا۔ اور ظالموں کا کوئی یار و مددگار نہیں (۱۹۲) اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا جو بلند آواز سے ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیاں مٹا اور دور فرما اور نیکوکاروں کے ساتھ ہمارا خاتمہ فرما (۱۹۳) پروردگار تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا فرما قیامت کے دن ہم کو رسوا نہ فرما یقیناً تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا (۱۹۴)

تفسیر الآیات

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاق...الآیۃ

اللہ کے اہل کتاب اور جملہ اہل ایمان سے اظہار حق کے عہد و پیمان لینے کا تذکرہ

خداوند عالم نے یہ عہد و پیمان صرف اہل کتاب کے اہل علم سے نہیں لیا بلکہ ہر دین وملت کے علماء سے لیا ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ''ما اخذ اللہ علی اهل الجهل ان یتعلموا حتی اخذ علی اهل العلم ان یعلموا'' خداوند عالم نے جاہلوں سے اس وقت تک علم حاصل کرنے کا عہد نہیں لیا جب تک پہلے علما سے پڑھانے کا عہد و پیمان نہیں لیا (مجمع البیان)

یہ علماء کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ حق وحقیقت کا اظہار کریں۔ اور کسی مصلحت کے تحت اصل حقائق کو نہ چھپائیں، آیات الٰہیہ اور صحیح احکام خداوندی بیان کریں اور ان میں کسی قسم کی تحریف یا ترمیم و تنسیخ نہ کریں مگر جس طرح اہل کتاب کے علماء نے اس عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا تھا افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان علماء کرام کی روش بھی اس سلسلہ میں انہی لوگوں کی طرح ہے یہاں بھی کہیں دنیاوی مفادات کا چکر ہے، کہیں جھوٹے عز و وقار کی بحالی کا خیال ہے اور کہیں مصلحت کا جنجال ہے جو علماء کرام کو حق وحقیقت کے کھل کر اظہار کرنے کی اجازت نہیں دیتا حالانکہ حق پوشی حرام ہے۔ خصوصاً جب اس سے پوری دنیا کا نقصان وزیاں ہو، اور اگر کبھی کبھار حق کا اظہار کرتے بھی ہیں تو الفاظ و عبارات کے گورکھ دھندے میں اس طرح لپیٹ کر کہ سامع پر حقیقت حال واضح نہیں ہوتی بلکہ یہی پتہ چلتا ہے کہ جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے۔ کہ حضرت بڑے متقی ہیں، دیندار اور پارسا ہیں، خادم دین ہیں، حامی شرع متین ہیں، مصلح ومزکی ہیں حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں ہیں، یا اپنے حق میں یہ ڈھنڈورا پٹوانا چاہتے ہیں کہ فلاں صاحب بڑے ایثار پیشہ اور مخلص اور دیانت دار راہنما ہیں اور انہوں نے ملت کی بڑی خدمت کی ہے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے'' (تفهیم القرآن) وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ...الآیۃ

ان آیات کے پہلے جزء کا تذکرہ اور اس کی تفسیر پوری تفصیل کے ساتھ (سورہ بقرہ میں) گذر چکی

ہے۔ یہاں اتنا اضافہ کیا جاتا ہے کہ جو صاحبان عقل وخرد ہیں وہ آیات الٰہیہ میں غور وفکر کرتے ہیں، اور اس سے اپنی معرفت میں اضافہ وازدیاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے یعنی ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں آیت مبارکہ ''من کان فی هذه اعمی فهو افی الاخرة اعمی'' کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا: جس شخص کو آسمان وزمین کی خلقت، شب وروز کا اختلاف اور گردش فلک اور شمس وقمر کی رفتار وغیرہ یہ نہ بتا سکیں کہ ان کے پیچھے ایک بڑی قوت کارفرما ہے تو وہ شخص آخرت میں اندھا اور راہ گم کردہ محشور ہوگا''

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا! تمام عبادتوں سے بہتر عبادت اللہ اور اس کی قدرت میں تفکر کرنا ہے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا ''اللہ کے نزدیک اس شخص کی قدر ومنزلت زیادہ ہے جو کھائے کم اور فکر زیادہ کرے اور مبغوض ترین انسان وہ ہے جو زیادہ کھا کر سونے میں وقت گذاردے''

اور فرمایا ''خلق خدا میں تفکر کیا کرو اور خود ذات حق میں فکر نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے بس سے باہر ہے'' (انوار النجف)

عقل اور بے عقلی کا حقیقی پیمانہ اس سے بالکل مختلف ہے جو انسانوں نے بنا رکھا ہے۔ دراصل عقل والا وہ ہے جو اللہ کی یاد میں جیئے اور جو کائنات کے تخلیقی منصوبہ میں کام کرنے والی خدائی معنویت کو پالے۔ اس کے برعکس بے عقل وہ ہے جو اپنے دل ودماغ کو دوسری چیزوں میں اٹکائے اور خود دنیا میں اس طرح زندگی گذارے جیسے اس کو مالک کائنات کے تخلیقی منصوبہ کی خبر ہی نہیں ہے ایسے ہی بے بصیرت مورکھوں کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے ''وَ كَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡهَا وَ هُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ'' (سورہ یوسف آیت۔ ۱۰۵) آسمان وزمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ موڑ کے گذر جاتے ہیں اور صانع حقیقی کی صنعت میں غور وفکر نہیں کرتے۔

اسلئے بعض روایات میں وارد ہے کہ ''تفکر ساعة افضل من عبادة سنة'' ایک گھنٹہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے (بحار الانوار)

الغرض خداوند عالم نے صاحبان عقل وخرد کے خلقت کائنات میں غور وفکر کرنے کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ وہ کہتے ہیں ''ربنا ما خلقت ہذا باطلا'' اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ فضول اور بیکار پیدا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کا کوئی عظیم مقصد ہے وہ کیا ہے؟

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ''(سورہ ذاریات آیت۔۵۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلسل غور وفکر اور پیہم عبادت وذکر کرنے سے جب اہل عقل وخرد کے دل منور ہوجاتے ہیں اور وہ روحانی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھتے ہیں تو بارگاہ رب العزت میں چند معروضے پیش کرتے ہیں جو بالترتیب یہ ہیں

۱۔''فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا،

۲۔ہمیں آخرت کی ذلت ورسوائی یعنی آتش دوزخ میں داخل ہونے سے بچا،

۳۔ہم نے تیرے ایک منادی یعنی حضرت رسولؐ اللہ کو ندا کرتے ہوئے سنا کہ ایمان لاؤ۔اور ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو مٹا،

۴۔ہمارا خاتمہ اپنے نیکوکار بندوں کے ساتھ فرما،

۵۔اور اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے دخول جنت کا جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا فرما۔اور ہمیں بہشت عنبر سرشت عطا فرما۔

''اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ''بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

آیات القرآن

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۚ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

سوان کے پروردگار نے ان کی دعا و پکار کو قبول کرلیا (اور فرمایا) میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت کبھی ضائع نہیں کرتا۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہی تو ہو۔ سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور میری راہ میں انہیں ایذائیں دی گئیں اور (دین کی خاطر) لڑے اور مارے گئے تو میں ان کی برائیاں مٹادوں گا اور ان کو ایسے بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ہے اللہ کے ہاں ان کی جزا۔ اور اللہ کے پاس بہترین ثواب وجزا ہے (۱۹۵) (اے رسولؐ) کافروں کا مختلف شہروں میں چلنا پھرنا (دندناتے پھرنا) تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے (۱۹۶) یہ صرف چندروز فائدہ (بہار) ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیسی بری آرام گاہ ہے (۱۹۷) مگر وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا (واجبات ادا کئے اور محرمات سے اجتناب کیا) ان کے لئے ایسی بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمان نوازی ہوگی اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ نیکوکاروں کے لئے بہت اچھا ہے (۱۹۸)۔

تفسیر الآیات

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ...الآیۃ ۱۹۵

سابقہ آیات میں اصحاب عقل وارباب حق جن کی مخلصانہ دعاؤں کا تذکرہ تھا تو خداوند عالم اس جگہ جہاں ان دعاؤں کی قبولیت کا اعلان فرمارہا ہے وہاں یہ بھی واضح کررہا ہے کہ تمہارے لئے آخرت کا بہتر سے بہتر صلہ وثواب موجود ہے مگر یہ صرف دعاؤں سے نہیں ملے گا بلکہ عمل وکردار سے ملے گا۔

''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ '' اور میں کسی مرد وعورت کا عمل ضائع واکارت نہیں کرتا۔ کیونکہ مرد وعورت کوئی الگ جنس تھوڑی ہیں؟ یہ تو ایک دوسرے کا جزو ہیں

اس آیت کی شان نزول

مروی ہے کہ جناب ام سلمہؓ نے حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ''ما بال الرجال یذکرون فی الھجرۃ والجھاد دون النساء'' خدائے تعالیٰ ہجرت اور جہاد کے سلسلہ میں مردوں کا ذکر تو کرتا ہے مگر عورتوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان)۔

اجر عمل کے مطابق ہے

لہٰذا مرد ہو یا عورت جو جتنا عمل کرے گا اس کو اتنا ہی صلہ دیا جائے گا اور اس کا صلہ وثواب کبھی برباد نہیں ہوگا۔ بعد ازاں خصوصیت سے خداوند عالم نے ان لوگوں کا ذکر خیر کیا ہے جنہوں نے ہجرت کی جو اپنے گھروں سے بے گھر کئے گئے۔ اور جنہیں راہ خدا میں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور جہاد کئے اور مارے گئے۔ فرماتا ہے میں ان کے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور انہیں جنت الفردوس میں ضرور داخل کروں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خلوص نیت کے ساتھ ہجرت کی جائے اور جہاد فی سبیل اللہ کیا جائے تو اس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔

ہاں! البتہ حقوق العباد کا معاملہ قدرے سخت ہے۔ وہ تو تب ہی معاف ہوتے ہیں کہ جب وہ صاحبان حقوق کو ادا کئے جائیں یا ان سے معاف کرائے جائیں۔ مگر یہ کہ خود خدائے عزوجل اپنے خصوصی فضل وکرم سے اپنی بارگاہ سے معاوضہ ادا کر کے صاحبان حق کو راضی کر کے معاف کرا دے۔ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

لَا یَغُرَّنَّكَ...الآیۃ

دنیا کی زندگی میں جو نتائج رونما ہوتے ہیں اگر کوئی شخص ان کو آخری نتائج اور انہی کو حق وباطل کا معیار قرار دے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش کا ہونا اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے جس طرح کسی کا یہاں مصائب وآلام میں گرفتار ہونا اس کے باطل ہونے کی علامت نہیں ہے اصل اعتبار ان نتائج کا ہے جو حیات بعد الممات میں پیش آنے والے ہیں جو اکثر وبیشتر دنیوی نتائج کے برعکس ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی کے دنیوی غلبہ واقتدار کو اس کی حقانیت کی دلیل سمجھنے والوں کے لئے اس آیت شریفہ میں لمحۂ فکریہ موجود ہے کہ غور کریں کے یہ چیز تو کافروں کو بھی بعض اوقات حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اگر کسی بدعقیدہ وبدعمل مسلمان کہلانے والے کو حاصل ہو جائے تو اس سے یہ نتیجہ تو اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ محبوب خدا اور اس کا پسندیدہ بندہ ہے کیونکہ ع

چار دن کی چاندنی ہے

اور پھر اندھیری رات ہے

جہنم ہے اور اس کا عذاب ہے ''وبئس المھاد'' خلاصہ کلام یہ کہ خدائے حکیم نے کارخانہ دنیا کا نظام اس طریقہ پر چلایا ہے کہ یہاں نیک و بد اور حق و باطل سب کو مہلت ملتی ہے مگر کامیابی حق اور اہل حق کے حصہ میں آتی ہے۔

آیات القرآن

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور یقیناً اہل کتاب میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی ان باتوں پر جو تمہاری طرف اور جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کے سامنے (نیاز مندی سے) جھکے ہوئے ہیں اور آیات الٰہیہ کو تھوڑی قیمت پر فروخت بھی نہیں کرتے یہ وہ ہیں جن کا اجر اپنے پروردگار کے پاس ہے بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۱۹۹) اے ایمان والو! صبر و تحمل سے کام لو اور (کفار کے) مقابلہ میں پامردی دکھاؤ۔ اور (خدمت دین کے لیے) کمر بستہ رہو۔ تاکہ تم فوز و فلاح پاؤ (اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ) (۲۰۰)

تفسیر الآیات

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ...الآیة۱۹۹

قبل ازیں آیت نمبر ۱۱۲ میں اہل کتاب اوران کے علماء کی مذمت کی گئی ہے۔جس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید سب اہل کتاب ایسے ہی ہیں یہاں قرآن کریم نے اس وہم کا ازالہ کردیا ہے کہ سب ایسے نہیں ہیں بلکہ بعض بڑے اچھے ہیں نیک نہاد ہیں۔ پاک بنیاد ہیں۔اس لئے وہ نیکوکار مسلمان ہوگئے ہیں۔

''ذلك فضل الله يو تيه من يشاء''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ...الآیة۲۰۰

یہ اس سورہ مبارکہ کی آخری آیت ہے اوراس میں اہل ایمان کو چار چیزوں کی وصیت کی جارہی ہے جن میں ان کی دنیوی واخروی فوز وفلاح کا راز مضمر ہے:

۱۔صبر ۲۔مصابرہ ۳۔رباط ۴۔اورتقوی

(۱)۔صبر کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے''کف النفس عمالاینبغی'' یعنی ناشائستہ قول وفعل سے نفس کو روکنا اوراس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔صبر علی الطاعة۔یعنی اطاعت الٰہی کی بجا آوری پر صبر کرنا۔

۲۔صبر عن المعصيه۔یعنی گناہ سے بچنے پر صبر کرنا۔

۳۔صبر علی المصيبه۔یعنی مصیبت پر صبر کرنا

(۲)۔مصابرہ جو صبر سے مشتق ہے۔اس کا مطلب ہے دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدمی اوراس سے بڑھ کر پامردی دکھانا۔

(۳)۔رباط اور مرابطہ کا مطلب گھوڑا باندھنا اور جنگ کی تیاری کرنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ''ومن رباط الخيل'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے اسلامی سرحدوں کی جنگی گھوڑوں اور جنگی سازوسامان کے ساتھ مسلح ہوکر حفاظت کرنا اور دشمن کی یلغار سے انہیں بچانا۔جس کی اسلام میں ایک خاص اہمیت ہے۔اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کا ایک مخصوص شعبہ ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اب گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور ہوائی جہاز نے لی ہے۔لہٰذا حالات کے بدل جانے سے اس لفظ کا مفہوم بھی بدل جائے گا اور رباط کے ایک معنی نماز باجماعت کی ایسی پابندی کرنے کے بھی ہیں کہ آدمی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہے۔ سید

العلماء اعلی اللہ مقامہ نے رباط وغیرہ کا سابقہ مفہوم بیان کرنے کے بعد ایک افادہ فرمایا ہے جس کا یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اور جہاں فریضہ خاموشی کا ہو تو باوجود انتہائی ناگواریوں کے اپنے کو اس موقف پر برقرار رکھنا بھی مرابطہ ہے اس طرح بعد از رسول جو حالات پیدا ہوئے ان میں بے پناہ اکثریت کے خلاف ائمہ علیہم السلام حق کی معرفت اور اس کے اعتقاد پر باقی رہنا بہت بڑا مرابطہ قرار پاتا ہے۔ اس کے بعد ان متعدد احادیث کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے جو ملا محسن فیض نے اس آیت کی تفسیر میں درج کئے ہیں

''فی القمی عنہ'' (الصادقؑ) اصبروا علی المصائب وصابروا علی الفرائض ورابطوا علی الائمہ۔ علی ابن ابراہیم قمی کی روایت ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ (اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ) صبر کرو مصیبتوں پر اور فرائض کی انجام دہی میں بڑھ چڑھ کر ثابت قدم رہو اور آئمہ علیہم السلام کی موالات پر مرابطہ کرو۔

''فی المعانی عن الصادق اصبروا علی المصائب وصابروھم علی الفتنۃ ورابطوا علی من تقتدون'' معانی الاخبار کی روایت ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے کہ صبر کرو مصیبتوں پر، اور فتنہ کی صورت میں دوسروں سے ثابت قدمی سے مقابلہ کرو اور ان ہستیوں پر جن کی پیروی لازمی سمجھتے ہو مرابط کرو۔

فی روایۃ "اصبروا علی دینکم وصابروا عدوکم ممن یخالفکم ورابطوا مامکم ''ایک روایت ہے کہ اپنے دین کے تقاضوں پر صبر کے ساتھ قائم رہو۔ اور تمہارے خلاف جو جماعت ہے ان میں سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں برداشت سے کام لو اور اپنے امام پر مرابطہ کرو۔

'فی الجمع عن امیرالمومنین رابطوا الصلوۃ قال انتظروھا واحدۃ بعد واحدۃ'' یہ روایت جناب امیرؑ سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لئے مرابطہ کرو۔ (مجمع البیان)

یعنی ایک کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرو۔''عن النبی من الرباط انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ'' پیغمبر خدا ﷺ سے مروی ہے فرمایا کہ من جملہ رباط ایک نماز کے بعد پھر دوسری نماز کا انتظار کرنا ہے۔ (فصل الخطاب جلد ۲)

(۴)۔ تقویٰ کی لغوی اور شرعی تفسیر و تحقیق کئی بار گذر چکی ہے کہ واجبات شرعیہ کی ادائیگی اور محرمات الٰہیہ سے پرہیز کرنے کا نام تقویٰ ہے حضرت جعفر صادقؑ نے تقویٰ کی بہترین تعریف کی ہے کہ خدا نے تمہیں جس چیز کا حکم دیا ہے اس سے تمہیں غائب نہ پائے اور جس چیز سے تمہیں روکا ہے وہاں تمہیں حاضر نہ پائے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدائے علیم وحکیم کے مقرر کردہ تمام حدود وقیود کی اخلاص نیت اور خوف وخشیت الٰہی کے ساتھ پابندی اور نگرانی کرنے کا نام تقویٰ ہے اور یہی چیز پورے دین کا خلاصہ اور تمام اسلامی عبادات کا مقصد ومقصود ہے بس یہ کام کرو تاکہ دنیا وآخرت میں فوز وفلاح پاؤ۔ معلوم ہوا کہ دنیا وآخرت کی کامیابی کے حصول کے لئے زندگی کے آخری لمحات حیات تک ایمان اور نیک کام پر دوام وقیام اور ان دونوں پر برقرار رہنا واجب وحتمی ہے۔ لعلکم تفلحون۔ (تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ)۔

''بہر نوع دعوت حق کے پیروکاروں کو یہ دستور العمل دیا جارہا ہے کہ صبر کریں، راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو کامیابی انہی کے لئے ہے'' (ترجمان القرآن)

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ

(مدینہ میں نازل ہوئی)

اس کی ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

سورۃ النساء کا تعارف اور اس کے خاص خاص مضامین کا خلاصہ

اس سورہ پاک کا نام النساء ہے باتفاق علماء مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس کی آیتوں کی تعداد ۱۷۶ ہے الفاظ تین ہزار پینتیس اور حروف ۱۶۰۰۳ ہیں اور ۲۴ رکوع ہیں (ضیاء القرآن)

چونکہ اس سورہ میں زیادہ تر طبقہء خواتین کے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں اس لئے اس کا نام سورۃ النساء معین ہوا ہے اور یہ بات اس طبقہ کی اہمیت کا ثبوت ہے کیونکہ یہ صنف اور اس کے حقوق زیادہ تر غفلت کا شکار رہے ہیں اور اسلام نے انہیں ان کا صحیح مقام دلوایا ہے۔

۱۔ اس سورہ میں زیادہ تر توجہ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور زن و شوہر کے تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے پر دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ گھر ہی پہلی دانش گاہ ہے جس سے ملک و قوم کے مستقبل کے معمار پرورش حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ جنگ احد ۳ھ میں لڑی گئی تھی جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے جن کی وجہ سے پہلی بار یتیم بچوں کی پرورش اور شہداء کی میراث کے تقسیم کے مسائل پیدا ہوئے۔ جنکے بارے میں اس سورہ میں جامع ہدایات دی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ۳ھ سے ۵ھ کے اوائل میں نازل ہوئی

۳۔ اس میں نماز خوف کا طریقہ بھی مذکور ہے جس کا ذکر غزوہ ذات الرقاع میں ملتا ہے جو ۴ھ میں ہوا

۴۔ اس میں پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے بدل تیمم کرنے کا تذکرہ بھی ہے اور یہ اجازت غزوہ بنی المصطلق میں دی گئی جو ۵ھ میں ہوا۔

۵۔ اس سورہ میں مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری کی خاطر جان تک کی بازی لگانے کا حکم دیا گیا ہے اور منافقوں کے تین مختلف گروہوں کے ساتھ ان کی حالت کے مطابق روش و رفتار اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۶۔اس سورہ میں اسلام کے نظام میراث کے تذکرہ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عورت کو بھی ماں، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔

۷۔اس میں پیغمبر اسلامؐ کی غیر مشروط اطاعت مطلقہ کا بڑے زوردار اور پرشکوہ الفاظ کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔

۸۔تعدداز واج کا قانون۔

۹۔زنا کار مرد وعورت کی سزا کا بیان

۱۰۔حرام عورتوں کا بیان

۱۱۔اسلام میں متعہ کا حکم

۱۲۔عورت اور مرد کی فضیلت اور اس کی ذمہ داری

۱۴۔غسل اور وضو کا حکم

۱۵۔اولی الامر کی اطاعت مطلقہ کا تذکرہ اوران کی تشخیص

۱۶۔سلام کے جواب کا قانون

۱۷۔ہجرت کرنے کا حکم

۱۸۔نماز قصر کا تذکرہ

۱۹۔جناب عیسیٰؑ کا قصہ

۲۰۔انسانی معاملات اور خدائی دستور عمل کا تعین وغیرہ وغیرہ امور بیان کئے گئے ہیں۔

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ①

ترجمۃ الآیات

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (اے انسانو!) اپنے اس پرودگار سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک تنفس سے پیدا کیا اور اس کا جوڑا بھی اسی سے (اس کی جنس سے) پیدا کیا اور پھر انہی دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ...الآیۃ ۱

اس سورہ مبارکہ کی اس آیت میں بنی نوع انسان کو تقویٰ الٰہی اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس کی عظمت اور مفہوم کی کئی بار اور ابھی سورہ آل عمران کے خاتمہ پر بھی بقدر ضرورت وضاحت کی جا چکی ہے۔

فلا نطیل الکلام بالتکرار۔

اس طرح سابقہ سورہ کا اختتام اور اس سورہ کا آغاز تقویٰ الٰہی اختیار کرنے سے ہوا ہے

خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا... الآیۃ

خالق اکبر نے تمام انسانی نوع کو نفس واحدہ سے پیدا کیا ہے۔ بالاتفاق اس نفس سے ابو البشر جناب آدمؑ مراد ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں البتہ جو کچھ اختلاف ہے یا جو امر محل بحث ہے وہ یہ ہے کہ ان کی زوجہ جناب حوا کس طرح پیدا ہوئیں؟ برادران اسلامی میں اسی ''منہا'' کی وجہ سے مشہور یہ ہے کہ وہ جناب آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ تو کیا پھر باپ بیٹی سے شادی ہوئی؟ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت۔ ۴۳)

ابو مسلم اصفہانی نے ''منہا'' سے ''من جنسها'' مراد لی ہے کہ آدمؑ کی جنس سے حوا کو پیدا کیا (تفسیر کبیر)

اس کی تائید اس ارشاد قدرت سے بھی ہوتی ہے ''جعل لکم من انفسکم ازواجا'' (سورہ نحل آیت۔ ۷۲)

احادیث اہل بیت کے مطابق ''منہا'' میں جو ''من'' ہے یہ اجلیہ ہے یعنی خدا نے جناب آدمؑ کی

خاطر زوجہ پیدا کی (حیات القلوب ج ۱)

بنابریں یہ من تبعیضیہ نہیں ہے اور اگر اسے تبعیضیہ قرار دیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جناب حوا کو بھی اسی چیز سے پیدا کیا گیا جس سے جناب آدمؑ کو پیدا کیا گیا تھا اور وہ ''مٹی'' ہے'' **خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون**''

نتیجہ یہ نکلا کہ **کُلُّکُمْ من آدم وآدم من تراب**۔ بنابریں جناب حواؑ، جناب آدمؑ کی پسلی سے نہیں پیدا ہوئیں بلکہ ان کی پسلی سے بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئیں جیسا کہ بعض اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے (مجمع البیان، صافی، وغیرہ)

ارشاد قدرت ہے ''**وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ**'' (روم آیت۔۲۰)

نسل آدم کس طرح چلی اور بڑھی؟

وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا .... الایة

پھر ان دونوں سے بہت سے مرد وزن پیدا فرمائے اور پھیلائے۔ اس تخلیق اور پھیلانے کی جو کیفیت برادران اسلامی میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ جناب آدمؑ وحوا کے ہاں صبح وشام جوڑا جوڑا اولاد پیدا ہوتی تھی پھر صبح والے جوڑے کی شام والے جوڑے سے شادی کردی جاتی تھی اس طرح بہن بھائی کے عقد وازدواج سے نسل آدم آگے بڑھی (العیاذ باللہ) مگر جب حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے بڑی شد ومد کے ساتھ اس خیال کا ابطال فرمایا اور فرمایا کہ اس طرح تو مجوسیوں کے لئے محارم سے عقد وازدواج کرنے کا جواز پیدا ہوجائے گا؟ نیز فرمایا جس نسل آدم سے انبیاء ومرسلین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام پیدا ہونے تھے کیا خدا اس نسل کو بطریق حلال بڑھانے پر قادر نہ تھا؟

عرض کیا گیا کہ یقیناً خدا اس پر قادر تھا اور ہے مگر اس نے کیا طریقہ کار اختیار فرمایا؟

فرمایا: ایک بھائی کے لئے جنت سے حوریہ منگوائی جس کا نام ''نازله'' تھا اور دوسرے کے لئے قوم جن سے ایک ''جنیه'' طلب فرمائی جس کا نام ''منزله'' تھا ان سے ان کا عقد وازدواج فرمایا اور جب ان سے چچازاد بہن بھائی پیدا ہوئے تو پھر اس سلسلہ کو آگے بڑھایا (احتجاج طبرسی، بحار الانوار، نور الثقلین)

وہ قادر مطلق جس طرح شکل وصورت بدلنے پر قادر ہے اسی طرح ان کے آثار وخواص تبدیل کرنے

پر بھی قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ کما لا یخفی۔

بہر حال چونکہ اس سورہ مبارکہ میں انسانوں کے باہمی حقوق کا تذکرہ کیا جانے والا ہے اور خاندانی نظام کی بہتری کے لئے بعض بنیادی قوانین بھی بیان کئے جانے والے ہیں اس لئے بطور تمہید یہ بیان کیا جارہا ہے کہ سب مخلوق کا خالق بھی ایک ہے اور سب انسانوں کا باپ بھی ایک، اور ماں بھی ایک (انا خلقنکم من ذکر و انثی)

لہٰذا جب خالق و مالک ایک ہے تو اس کی حکم عدولی سے اجتناب کرنا چاہیے اور جب ماں باپ ایک ہیں تو سب کو بھائیوں کی طرح پیار و محبت کے ساتھ رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ کرنا لازم ہے اور ان مصنوعی امتیازات سے دامن کو بچانا چاہیے جن سے انسانی وحدت، مساوات اور ایثار و مواسات مجروح ہوتی ہے۔

آیات القرآن

اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ‌ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ۞ وَاٰ تُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ‌ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ‌ ۖ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ۞ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ‌ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ ذٰ لِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ ۞ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً‌ ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَـكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــــًٔا ۞

ترجمۃ الآیات

اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ قرابت کے بارے میں بھی ڈرو۔ بے شک اللہ تم پر حاضر و ناظر ہے (۱) اور یتیموں کے مال ان کے سپرد کرو۔ اور پاک مال کے بدلے ناپاک مال حاصل نہ کرو۔ اور ان کے مالوں کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے (۲) اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار سے اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (ان کے ساتھ) عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (بیوی) کرو۔ یا جو تمہاری ملکیت میں ہوں (ان پر اکتفا کرو) یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ بے انصافی نہ کرو۔ (ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ) (۳) اور عورتوں کے حق مہر خوشدلی سے ادا کرو اور اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے تمہیں بخش دیں تو تم اسے شوق سے کھا سکتے ہو۔ (۴)

تفسیر الآیات

وَالۡاَرۡحَامَ...الآیۃ

صلہ رحمی کا تاکیدی حکم اور قطع رحمی کی ممانعت

اس ''ارحام'' کا عطف لفظ ''اللہ'' پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں سے ڈرو۔ ایک اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ دوسرا رشتوں سے ڈرو۔ قطع رحمی سے ڈرو۔ یعنی ان دونوں کا پاس و لحاظ کرو۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا ''واتقو الارحام ان تقطعوھا'' یعنی قطع رحمی کرنے سے بچو (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ صلہ رحمی کی جلالت قدر کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی کہ خدا نے اس کا تذکرہ اپنے نام اور تقویٰ کے ساتھ ملا کر کیا ہے (تفسیر صافی)

اسلام نے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے کی جس قدر تاکید کی ہے اور قطع رحمی کرنے سے جس قدر

شدت کے ساتھ منع کیا ہے دوسرے ادیان عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امت مسلمہ کا صلہ رحمی کے وجوب اور قطع رحمی کی حرمت پر اتفاق ہے مخفی نہ رہے کہ رحم کا اطلاق بہت وسیع ہے اس میں دور ونزدیک کے سب اعزا و اقرباء داخل ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔ **الرحم معلقة بالعرش تقول الا من وصلني وصله الله ومن قطعني قطعه الله** ''یعنی رحم عرش خداوندی سے معلق ہے اور دعا کرتا ہے جو مجھے جوڑے اسے خدا جوڑے اور جو مجھے کاٹے اسے خدا کاٹے۔ (المحجۃ البیضاء)

صلہ رحمی کرنے سے عمر بڑھتی، رزق میں برکت ہوتی ہے جانکنی میں آسانی ہوتی ہے اور شدائد برزخ وقیامت سے نجات ملتی ہے اور قطع رحمی کرنے سے اس کے برعکس اثر ہوتا ہے (الاثنا عشریہ وفی المواعظ العددیہ)

حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا کہ خدا نے تین چیزوں کو تین چیزوں کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے

۱۔ اپنے تقویٰ کو صلہ رحمی کے ساتھ

۲۔ اپنی عبادت کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ

۳۔ نماز کو زکوۃ کے ساتھ

لہٰذا جو شخص تقویٰ الٰہی تو اختیار کرے مگر صلہ رحمی نہ کرے، خدا کی عبادت تو کرے مگر والدین سے بھلائی نہ کرے، اور نماز تو پڑھے مگر زکوۃ ادا نہ کرے تو اس فرمان الٰہی کے مطابق یہ اعمال قبول نہیں ہوتے (عیون الاخبار) اسی بنا پر بعض احادیث نبویؐ میں وارد ہے کہ ''**لا یدخل الجنة قاطع رحم**'' قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (جامع السعادات)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى...الآية

یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت: یتامی یتیم کی جمع ہے۔ یتیم اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جو سایہ پدری سے محروم ہو جائے اور یہ سلسلہ بلوغت تک برقرار رہتا ہے ''**لا یتم بعد احتلام**'' بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ یہاں اگر بالغوں کو یتیم کہا گیا ہے تو یہ ان کی سابقہ حالت کی بنا پر ہے اور مجازاً ہے۔ کیونکہ یتیموں کا مال واپس لوٹانے کا حکم نکاح کی عمر کو پہنچنے اور ان میں اہلیت و سمجھداری محسوس کرنے کے بعد ہے جیسا کہ اس سورۃ کی آیت نمبر ۶ میں صراحت موجود ہے نزول قرآن سے پہلے لوگ یتیموں پر مختلف قسم کے ظلم وجور کرتے تھے مثلاً۔

۱۔ بڑے رشتہ دار یتیموں کے مال پر قبضہ کر لیتے اور ہڑپ کر جاتے تھے۔

۲۔ان کا اعلیٰ قسم کا مال لے لیتے اور گنتی پوری کرنے کیلئے اپنا ردی مال ان کو دے دیتے تھے۔
۳۔ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کر کے اور حفاظت کا بہانہ بنا کر ہضم کر جاتے تھے۔خداوند رؤف ورحیم نے ان تمام صورتوں سے سختی کے ساتھ یتیموں کے سرپرست اہل اسلام کو منع کیا ہے اور اس کارروائی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے فرمایا ان کا مال واپس کرو۔عمدہ مال کو ردی مال سے تبدیل نہ کرو۔اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ ''اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا''

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا ...الآیۃ

ایک مشہور ایراد کا جواب:

اکثر وبیشتر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قرآنی ارشاد اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو۔دو دو۔تین تین۔چار چار۔بھلا یتیموں سے انصاف نہ کرسکنے کے خوف کو تعدد ازواج سے کیا تعلق ہے؟ اور ان کے درمیان کیا ربط ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان ربط و تعلق کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں ان ''یتامیٰ'' سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں اور پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نزول قرآن کے وقت یتیم بچیوں کے ساتھ ان کے سرپرستوں کا سلوک کیا تھا؟ تاریخ ہماری یہ راہنمائی کرتی ہے کہ باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد یتیم بچیوں کے سرپرست ان کے حسن و جمال یا ان کے مال منال کی وجہ سے خود ان سے نکاح کر لیتے تھے، یا اپنے بچوں سے ان کا نکاح کر دیتے تھے۔اور چونکہ یتیم ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق کا کوئی نگران نہیں ہوتا تھا، اس لئے نکاح کے وقت نہ ان کے شایان شان حق مہر مقرر کیا جاتا تھا اور نہ ہی، عقد وازدواج کے بعد کما حقہ ان کے حقوق ادا کرنے کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا۔بلکہ ان کے ساتھ زیادتی روا رکھی جاتی تھی اس لئے خدائے رحیم وکریم نے حکم دیا کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ ان یتیم بچیوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے چار تک نکاح کر سکتے ہو۔

اس طرح قرآن نے واضح کر دیا کہ یتیم بچے بچی کے مال پر ہر حیلہ و بہانہ سے قبضہ کرنا اور ان کے حقوق پائمال کرنا ناجائز اور حرام ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے اولیاء پر ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا لازم ہے۔

تعدد ازواج کا جواز مشروط ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے مخصوص حکم ومصالح اور مختلف علل واسباب کے تحت (جن کا ایک شمہ ذیل میں بیان کیا جائیگا) بیک وقت ایک سے زائد بیویوں سے چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے مگر اس کو عدل وانصاف کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے وضاحت کردی ہے کہ ''ان لم تعدلوا فواحدۃ'' کہ اگر عدل وانصاف نہ کرسکو تو پھر ایک بیوی پر اکتفا کرو۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض نیم مذہبی اور کم تعلیم یافتہ طبقوں نے بالخصوص بعض سرمایا داروں اور ہوس پرست امیروں نے اس شرط کو نظرانداز کرکے تعدد ازواج کو محبوب مشغلہ بنالیا ہے اور اگر حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہوتا یہ ہے کہ ایک آدھ کو حریم دل میں جگہ دے کر ''دنیا ومافیہا'' کی خوشیاں اور نعمتیں اس کی گود میں ڈال دی جاتی ہیں اور دوسری بیویوں کے حقوق پائمال کرکے ان کو صرف اپنی بدقسمتی پر رونے دھونے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے نہ ان کو طلاق دے کر فارغ کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے اور انکی اولاد کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں اور ایسی اولادیں شفقت پدری سے محروم ہوجاتی ہیں کاش کہ مسلمان اپنی اس روش ورفتار سے اسلام کو بدنام نہ کریں یہی وجہ ہے کہ بلاوجہ اور بلاعدل تعدد ازواج نے عام عورتوں کو اسلام سے اس قدر بدگمان کردیا ہے کہ اگر کہیں نفاذ اسلام کی آواز بلند ہو تو وہ اس سے بدکتی ہیں حالانکہ اس میں جو کچھ قصور ہے وہ مسلمان کہلانے والے مردوں کا ہے اسلام کا کوئی قصور نہیں ہے

تعدد ازواج کا جواز قرآن وسنت اور عقل سلیم وفطرت صحیحہ کی روشنی میں

مخالفین اسلام ہمیشہ تعدد ازواج کے مسئلہ کی وجہ سے بڑی لے دے کرتے رہتے ہیں اور بعض مسلمان راہنما جو ذہنی طور پر مغرب سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہیں معذرت خواہانہ لب ولہجہ میں اس کی تاویلیں کیا کرتے ہیں حالانکہ اگر بے لاگ نگاہ سے آئین فطرت اور قانون قدرت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حکم (جواز) بڑا حکیمانہ نظر آتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے درج ذیل حقائق کا مدنظر رکھنا ضروری ہے

۱۔ یہ کوئی لازمی حکم نہیں، جس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہو بلکہ یہ صرف ایک رخصت ہے

۲۔ یہ رخصت بھی بے قید وبند نہیں ہے بلکہ سخت شرائط کے ساتھ مشروط ہے

۳۔ طب قدیم وجدید اس امر پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے مختلف ہے

۴۔ مرد میں جنسی رغبت عورت سے زیادہ ہے جس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو

مختلف نازک مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔استقرارحمل،وضع حمل،رضاعت اور بچے کی پرورش وہ ان مراحل میں یوں مشغول رہتی ہے کہ اس میں کوئی جنسی خواہش رونما ہی نہیں ہوتی بخلاف اس کے مردان تمام ذمہ داریوں سے یکسر آزاد ہوتا ہے

۵۔اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مرد سے زیادہ ہے اور پھر جنگوں میں ہزاروں لاکھوں مرد جنگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتے ہیں اس لئے عورتوں کی تعدا میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے،جس کا علاج تعدد ازواج کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے

۶۔جس ملک وملت میں تعدد ازواج قانونا ممنوع ہے وہاں زنا کی کثرت ہے اور اس کی اجازت بھی ہے اور پھر اس کی وجہ سے جو خرابیاں جنم لیتی ہیں وہ ان گنت ہیں۔تو ان بے شمار خرابیوں سے بچنے کے لئے تعدد ازواج کیوں جائز نہیں ہے؟

۷۔کیا بیوی اور اس کی اولاد کے لئے شوہر کی دوسری بیوی قابل برداشت ہے،یا اس کی داشتہ؟ روحانی وجسمانی تمام پہلوؤں کا جائزہ لیکر بتایا جائے؟

۸۔کیا کسی شریف اور غیرت مند عورت کے لے کسی شریف کی بیوی اور گھر کی مالکہ بن کر رہنا زیادہ مناسب ہے جہاں اسے اور اس کی اولاد کو تحفظ حاصل ہو،شوہر اس کے ہر دکھ سکھ اور اس کی عزت وناموس کا ذمہ دار ہو یا کسی شخص کی ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بن کر رہنا کہ جہاں نہ کوئی اس کی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی اور ذمہ داری لینے کے لئے آمادہ کار ہو؟

۹۔کیا یورپ وغیرہ میں حرامی بچوں کی کثرت اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے اور تعدد ازواج کی حکمت سمجھانے کے لئے کافی نہیں ہے؟

۱۰۔اسلام سے پہلے متعدد بیویاں رکھنا تقریبا تمام ادیان میں جائز تھا۔اور اس کی کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی۔اسلام نے تو اپنے دوسرے مسائل کی طرح یہاں بھی حد اعتدال کی راہ اختیار کی ہے اور ضرورت کے وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بیویوں میں ظاہری عدل قائم کیا جائے (اگر چہ قلبی رجحان ومیلان میں توازن قائم رکھنا ممکن نہیں ہے) (ضیاء القرآن وغیرہ)

''ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا '' یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور بالکل اک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ۔الایۃ

حق مہر کی ادائیگی واجب ہے

اس آیت اور دوسری آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ مرد پر حق مہر کی ادائیگی واجب ہے ہاں البتہ عورت اپنی خوشی سے اور برضا ورغبت خویش سارا یا اس میں سے کچھ معاف کر دے تو پھر مرد کے لئے شوق سے اس کا کھانا جائز ہے ورنہ بہر حال واجب الاداء ہے گا۔

آیات القرآن

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

ترجمۃ الآیات

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کا سامان اور اسے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے ناسمجھ لوگوں کے حوالے نہ کرو۔ ہاں! البتہ ان کو (کھانا وطعام) کھلاؤ اور (کپڑا) پہناؤ اور ان سے اچھی گفتگو کرو (۵) اور یتیموں کی جانچ پڑتال کرتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان میں اہلیت وسمجھداری بھی پاؤ تو پھر ان کے مال ان کے

حوالے کر دو۔ اور فضول خرچی سے کام لے کر اور اس جلد بازی میں کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں ان کا مال مت کھاؤ۔ اور جو سرپرست مال دار ہو تو اسے بہر حال ان کے مال سے پرہیز کرنا چاہیے اور جو نادار ہو اسے معروف (مناسب) طریقہ سے کھانا چاہیے۔ پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرو۔ تو ان لوگوں کو گواہ بنا لو اور یوں تو حساب کے لئے اللہ ہی کافی ہے (۶) مردوں کے لئے اس ترکہ سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس ترکہ سے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (خدا کی طرف سے) لازمی مقرر ہے (۷)

تفسیر الآیات

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ...الآیۃ

اپنا مال ناسمجھ لوگوں کے حوالے کرنے کی ممانعت

سفہا سفیہ کی جمع ہے جس سے وہ خفیف العقل آدمی مراد ہے جسے اپنے نفع ونقصان کا کوئی احساس نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنا مال دینا یا ان کا وہ مال جو تمہاری تولیت اور تصرف میں ہے ان کو دینا حرام ہے البتہ ان کو کھلاؤ پلاؤ اور کپڑے پہناؤ۔ اور ان سے اچھے طریقہ سے برتاؤ کرو اور ان سے اچھی گفتگو کرو اور ان کی آزمائش کرتے رہو اور جب دیکھو کہ وہ نکاح کی عمر (بلوغ) کو پہنچ گئے ہیں اور رشید بھی ہیں یعنی باشعور اور سمجھ دار ہیں تو پھر بے شک ان کے مال ان کے حوالے کر دو پھر اس دوران اگر سرپرست مالدار ہے تو اسے یتیموں کے مال کو استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے اور حق الخدمت نہیں لینا چاہیے اور اگر غریب ونادار ہے تو اسے معروف طریقہ پر اکتفا کرنا چاہیے اور مناسب مقدار سے زائد نہیں لینا چاہیے۔

بنابریں اموالکم سے اولیاء کے اپنے مال بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اس صورت میں سفہاء سے ان کی بے وقوف اولادیں اور بیویاں مراد ہونگی، جن کو مال سپرد کرنے سے نقصان کا خطرہ ہے۔ یعنی ایسا نہ کرو کہ اپنا مال ان کے حوالے کر دو اور خود ان کے محتاج بن جاؤ۔ بلکہ تم خود منتظم بن کر ان کے نان ونفقہ اور روٹی کپڑے کا انتظام کرو جیسا کہ ابن عباس سے یہ تفسیر مروی ہے۔ اور اموالکم سے مجازاً یتیم بچوں کے مال بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو تمہارے زیر تصرف ہیں کہ اگر وہ سفیہ وکم عقل ہوں تو ان کے مال ان کے حوالے نہ کرو تا کہ وہ اسے ضائع وبرباد

نہ کردیں بلکہ ان کے مال اپنے پاس رکھواوران کواس سے صرف روٹی کپڑا دیتے رہو۔

ہاں! البتہ جب بالغ اور رشید یعنی بالغ وعاقل ہوجائیں، اور تم ان میں اہلیت اور ہوشیاری وسمجھداری محسوس کرو۔ تو پھر بے شک ان کے مال ان کے سپرکردو۔ اوراس وقت کچھ ثقہ آدمیوں کو گواہ بھی مقرر کرلو۔ تاکہ آئندہ کسی بھی قسم کی نزاع کا سدباب ہوجائے۔ اور تنازع کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ (مجمع البیان)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ...الآية

وراثت مرد اور عورت دونوں کا حصہ ہے

پہلے عرب ہوں یا عجم سب قوموں میں صنف نازک کو حق وراثت سے محروم سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ نابالغ بچوں کو بھی محروم الارث تصور کیا جاتا تھا۔ اور وراثت صرف بالغ لڑکے حاصل کرتے تھے۔ عربوں کا یہ اصول تھا کہ وراثت وہی وصول کرے گا جو نیزہ وشمشیر سے دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ صنف نازک اور چھوٹے بچے اس معیار پر پورے نہیں اترتے تھے اس لئے ان کو محروم سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے اسے رد کرتے ہوئے عورتوں اور بچوں کا وراثت میں باقاعدہ حصہ مقرر کیا ہے اوراعلان کیا ہے کہ جو کچھ والدین اور دوسرے عزیز ترکہ چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کہ اس کے باوجود آج بھی کئی مسلمان اپنی لڑکیوں کو ان کا حصہ نہیں دیتے بلکہ ہندوؤں کی طرح ان کو اس حق سے محروم رکھتے ہیں۔ ع

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

عورت بہرحال وارث ہے خواہ بیٹی ہو یا بیوی ہو یا ماں۔ جس کی تفصیل بعدازیں آرہی ہے۔

آیات القرآن

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ

بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب تقسیم کے موقع پر رشتہ دار، یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس (مال) میں سے کچھ دے دو اور ان سے درست اور مناسب طریقہ سے بات کرو (۸) اور ترکہ تقسیم کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس و کمزور بچے چھوڑ جاتے تو انہیں ان کی کس قدر فکر ہوتی۔ لہٰذا وہ دوسروں کے یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور بالکل درست اور سیدھی بات کریں (۹) بے شک جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے (واصل جہنم ہوں گے) (۱۰) اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ برابر ہے دو لڑکیوں کے اب اگر لڑکیاں ہی وارث ہوں اور ہوں بھی وہ دو سے اوپر تو ان کو دو تہائی ترکہ دیا جائے گا اور ایک لڑکی (وارث) ہو تو اسے آدھا ترکہ دیا جائے گا۔ اور اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہوگا (اور باقی اولاد کا) اور اگر بے اولاد ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا (باقی ۳/۲ باپ کو ملے گا) اور اگر اس (مرنے والے) کے بھائی (بہن) ہوں تو

پھر اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (باقی ۵/۶ بھائی بہن کو ملے گا) مگر یہ تقسیم اس وقت ہوگی جب میت کی وصیت پوری کردی جائے اور جو وہ کر گیا ہو اور اس کا قرضہ ادا کردیا جائے گا جو اس پر ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ یا تمہاری اولاد میں سے نفع رسانی کے لحاظ سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں یقیناً اللہ بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔ (۱۱)

تفسیر الآیات

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ...الآیۃ

سابقہ آیات میں وراثت کے ان حصوں کا تذکرہ تھا جو بطور فرض مقرر ہیں اب وارثوں کو ایک استحابی حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر وراثت کی تقسیم کے وقت وہ رشتہ دار آ موجود ہوں جن کو میراث نہیں ملتی یا جو رشتہ دار تو نہیں مگر محتاج ہیں جیسے یتیم اور مسکین تو انہیں کچھ دے دو۔ مگر اس طرح دو کہ تمہارے کسی قول یا فعل سے ان کی دل آزاری نہ ہو بلکہ مناسب طریقہ سے ان سے بات کرو۔ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم اوائل میں وجوب کے طور پر تھا۔ جو وراثت کے مفصل احکام کے آجانے کے بعد منسوخ ہو گیا۔ مفسر قرآن ملا محسن فیض کاشانی فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس کا جواز واستحباب بھی ختم ہو گیا بلکہ وہ اب بھی باقی ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے (صافی) وھو فی محلہ

پوتے اور نواسے کی وراثت کا مسئلہ:

جن کے باپ یا ماں کا انتقال دادا یا نانا سے پہلے ہو جائے تو چونکہ وہ دادا یا نانا کے ترکہ سے محروم ہو جاتے ہیں تو جب اسلام دوسروں کے یتیم بچوں کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اگر وراثت کی تقسیم کے وقت آ موجود ہوں تو انہیں کچھ دے دو۔ تو کیا ان یتیم پوتے، پوتیوں، اور نواسے نواسیوں کے ساتھ ان کے چچاؤں، پھوپیوں اور ماموؤں اور خالاؤں کو حسن سلوک اور مروت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے؟ ضرور کرنا چاہیے اور انہیں یہ کہہ کر چونکہ تمہارے ماں باپ پہلے انتقال کر گئے ہیں لہٰذا تمہارا اپنے دادا یا نانا کے ترکہ سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ ان یتیموں کی ہرگز دل آزاری نہیں کرنی چاہیے اور ان کو رنجیدہ اور افسردہ کر کے خدا کے قہر کو دعوت نہیں دینی چاہیے بلکہ ان کو کچھ حصہ دے کر ان کی دلجوئی اور دلداری کرنی چاہیے۔ نیز دادا اور نانا کو بھی چاہیے کہ وہ اس

صورت میں اپنے حین حیات میں اپنے یتیم پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی گذر بسر کے لئے کچھ انتظام کرجائیں اور اپنی جائداد کا کچھ حصہ ان کے نام منتقل کرا جائیں اور ان کو ان کے چچاؤں، پھوپیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ جائیں کیونکہ بعض الاقارب کالعقارب ایک مسلمہ حقیقت ہے

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ... الآية

آیات کے سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی میت کا ترکہ تقسیم کرنے والوں کے انسانی ضمیر کو جھنجوڑ کر جگانے کی خاطر کہا جارہا ہے کہ وہ لوگوں کے یتیم بچوں کا خیال رکھیں اور انہیں بتایا جارہا ہے کہ یہ صورت حال تمہیں بھی پیش آسکتی ہے۔ کہ تم اپنے پیچھے کمزور وناتواں بچے چھوڑ جاؤ۔ جن کی کفالت اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہو، تو تمہیں کس قدر اندیشہ ہو؟ لہٰذا انہیں دوسروں کے یتیموں کے بارے میں بھی خدا سے ڈرنا چاہیے ان کا خیال رکھنا چاہیے اور کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے ان کی دل آزاری ہو۔ علاوہ بریں اس آیت کی دو تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں۔

ا۔ ایک یہ کہ اوائل اسلام میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان مرنے لگتا تو کچھ لوگ آکر اسے گھیر لیتے کہ اپنی آخرت سنوارنے کے لئے اپنا سارا مال راہ خدا میں دے جا اور مسلمانوں کے لئے وصیت کر چنانچہ مرنے والے ایسا ہی کرتے اور اس طرح ان کے شرعی وارث جن میں یتیم بچے بھی ہوتے تھے بالکل محروم ہوجاتے تھے اسلام نے اس طرز عمل کی مخالفت کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مرنے والوں کو اپنی اولاد کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

۲۔ دوسری یہ کہ ان لوگوں کے لئے زبردست انتباہ ہے جن کے زیر تصرف یتیموں کے مال ہیں کہ وہ انہیں خورد برد نہ کریں اور اس بات سے ڈریں کہ کہیں خود ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش نہ آجائے اور ان کے یتیموں کا بھی یہی انجام نہ ہو۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے (مجمع البیان)

اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا! ''**من ظلم يتيما سلط الله عليه من يظلمه وعلى عقبه اوعقب اعقبه اوعلى عقبه عقبه**'' جو کسی یتیم پر ظلم کرے گا خدا اس پر ایسا شخص مسلط کریگا، جو اس پر یا اس کی اولاد یا اولاد کی اولاد پر ظلم کرے گا اس کے بعد والی آیت سے اس مضمون کی تائید مزید ہوتی ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں اور وہ بہت جلد اس بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھیں گے۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا:

''یتیم کا مال کھانے والا اس حالت میں محشور ہوگا، کہ آگ اس کے شکم میں شعلہ زن ہوگی۔ یہاں

تک کہ اس کے منہ سے نکل پڑے گی جس سے تمام اہل محشر کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔(تفسیر صافی)

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ... الآیۃ

اسلامی قانون وراثت:

ان آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسلامی قانون وراثت اور اس کے طبقات ۳ گانہ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے جس کے بعد ان آیات کا مفہوم سمجھنے میں بڑی آسانی ہو جائیگی انشاءاللہ تعالیٰ اگرچہ وراثت کے تفصیلی احکام بیان کرنے کا اصلی محل و مقام تو فقہی کتابیں ہیں، چنانچہ ہم نے بھی اپنی کتاب ''قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ'' میں اس موضوع کی جملہ تفصیلات اور اسلامی قانون وراثت اور دوسرے وراثتی مکتبہ ہائے فکر کا موازنہ بھی پیش کر دیا ہے مگر یہاں اس کا اجمالی تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ بہر حال اسلامی قانون وراثت میں ذکور و اناث، صغار و کبار میں سے کسی بھی وارث کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا گیا۔ اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اور بڑوں کے ساتھ بچوں کو بھی شریک وراثت قرار دیا ہے۔

ہاں! البتہ اسلام نے دو باتوں کو ملحوظ رکھا ہے ایک یہ کہ قریب کی موجودگی میں بعید کو اور اقرب کی موجودگی میں ابعد کو محروم قرار دیا گیا ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے اور فطرت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ جو سب سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں جیسے والدین، اولاد اور ان کے بعد بہن بھائی وغیرہ چونکہ مرنے والے کی زندگی میں بوقت ضرورت یہی سب سے زیادہ اس کی مدد و حمایت کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑھ کر اس سے محبت و پیار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حصہ کے کم یا زیادہ ہونے میں رشتہ کی دوری یا نزدیکی کو بڑا دخل ہے۔

مقدمہ اُولیٰ

وراثت کے اسباب وموجبات کا بیان

مخفی نہ رہے کہ شریعت مقدسہ میں وراثت کے اسباب وموجبات تین ہیں

۱۔نسب ۲۔سبب ۳۔ولا

(۱) نسب سے میت کے وہ قرابتدار مراد ہیں جونسبی قرابتداری کیوجہ سے وراثت حاصل کرتے ہیں اوران کے تین طبقے ہیں۔

طبقہ اولی: جس میں ماں، باپ اوراولاد پھراولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف) شامل ہیں۔

طبقہ ثانیہ: میں دادی، دادا، نانی، نانا، پردادا، پردادی، پرنانا، پرنانی (تا آخراوپر کی جانب) اور بھائی بہن اوران کی اولاد پھران کی اولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف داخل ہیں)

طبقہ ثالثہ: جس میں چچا، پھوپھی، خالو، خالہ، خواہ میت کے ہوں یااس کے ماں باپ کے اور پھران کی اولاداوران کی اولاد کی اولاد (تا آخرنیچے کی جانب)۔

یہ اس قدر وارث اسلئے ہیں کہ تاکہ اسلام کے مزاج کے مطابق دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوجائے بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں تقسیم ہو۔

وراثت کا قاعدہ

اسلامی قانون وراثت یہ ہے کہ ان تین طبقات (میں سے جب تک پہلے طبقہ کا ایک فرد بھی موجود ہو تب تک) دوسرے طبقہ تک نوبت نہیں پہنچتی۔اور جب تک دوسرے طبقہ کا ایک فرد بھی موجود ہوتب تک تیسرے طبقہ تک نوبت نہیں پہنچتی پھر یہ بھی ضابطہ ہے کہ ان تین طبقوں میں سے ہر ایک طبقہ میں کئی کئی طبقے اور درجے موجود ہیں جوطبقہ زیادہ قریبی ہوتا ہے وہ دوسرے طبقہ کے لئے مانع ہوجاتا ہے۔"الا قرب یمنع الابعد"

مثلاً پہلے طبقہ میں اولاد بھی موجود ہےاوراولاد کی اولاد بھی، مگر ظاہر ہے کہ اولاد کی موجودگی میں اولاد کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔اسی طرح دوسرے طبقہ میں دادااورنانا ہیں اور پردادا بھی اور پرنانا بھی مگر واضح ہے کہ دادا اور نانا کی موجودگی میں پردادااور پرنانا کو میراث نہیں ملتی۔اسی طرح جو رشتہ دار ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوگااس کی موجودگی میں صرف ایک طرف کے رشتہ دار کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۲)۔سبب سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف سببی رشتہ داری کی بنا پر وراثت حاصل کرتے ہیں اور وہ صرف زن وشوہر ہیں

(۳)۔ولاء۔ سے مراد وہ تعلق ہے جو آقا کو اپنے آزاد کردہ غلام سے، ضامن جریرہ کو اپنے مضمون سے اور امام کو اپنے ماموم سے ہوتا ہے۔اور اس سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں:

۱۔وہ آقا جس نے غلام آزاد کیا ہو۔

۲۔وہ شخص جو کسی شخص کے جرائم کے تاوان ادا کرنے کا ضامن ہو۔

۳۔امام وقت۔

خلاصہ یہ کہ جب مرنے والے کے پہلے تینوں طبقات میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر اس آخری درجہ کے وارثوں کی نوبت آئے گی جن کے پھر ترتیب وار تین طبقے ہیں۔ کما تقدم

مقدمہ ثانیہ

میراث میں فرض اس مخصوص حصہ کو کہا جاتا ہے جو کسی وارث کے لئے قرآن مجید میں صراحۃ مقرر ہو۔ اور یہ فرائض کل چھ ہیں۔نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس۔جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)۔نصف (آدھا) تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے

۱۔ایک (لڑکی) جبکہ لڑکا موجود نہ ہو

۲۔ماں باپ کی طرف سے ایک سگی بہن یا صرف باپ کی طرف سے سگی بہن (جبکہ بھائی موجود نہ ہو)

۳۔شوہر (جبکہ بیوی کی اولاد نہ ہو)

(۲)۔ربع (چوتھا حصہ) دو قسم کے لوگوں کا ہے

۱۔زوجہ جبکہ شوہر کی اولاد نہ ہو

۲۔شوہر جبکہ بیوی کی اولاد ہو

۳۔ثمن (آٹھواں حصہ) یہ صرف ایک قسم کا حصہ ہے اور وہ ہے زوجہ جبکہ شوہر کی اولاد یا اولاد کی اولا موجود ہو

(۴)۔ثلثان (دو تہائی) یہ دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے

ا۔دو یا دو سے زائد بیٹیاں جبکہ کوئی بیٹا موجود نہ ہو

۲۔دو یا دو سے زائد پدری مادری یا صرف پدری سگی بہنیں موجود ہوں جبکہ بھائی موجود نہ ہو

(۵)۔ثلث (ایک تہائی) یہ دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے

ا۔ماں جبکہ مرنے والے کی کوئی اولاد اور کوئی بھائی بہن نہ ہو

۲۔صرف ماں کی طرف سے سگے بہن بھائی ہوں اور وہ بھی متعدد

(۶)۔سدس (چھٹا حصہ) یہ تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے

ا۔باپ کا جبکہ میت کی اولاد ذکور یا اناث موجود ہو

۲۔ماں کا جبکہ میت کے باپ کے علاوہ اس کی اولاد یا اس کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو یا چار پدری مادری یا صرف پدری سگی بہنیں موجود ہوں۔

۳۔صرف ماں کی طرف سے ایک سگا بھائی یا ایک بہن موجود ہو

مقدمہ ثالثہ

وراثت حاصل کرنے کے اعتبار سے وارثوں کی پانچ قسمیں ہیں

(ا)۔پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو صرف فرض کی وجہ سے وراثت حاصل کرتے ہیں (جس کی تفصیل ابھی دوسرے مقدمہ میں بیان کی گئی ہے) اور وہ زوجہ جو شوہر کی اولاد کی موجودگی میں آٹھواں اور نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی حصہ پاتی ہے۔

(۲)۔دوسری قسم جو ہمیشہ فرض کی وجہ سے وراثت پاتی ہے مگر کبھی اس کے علاوہ ردّ (اور قرابت) کی وجہ سے بھی وراثت پاتی ہے یعنی فرض حاصل کرنے کے بعد جب ترکہ باقی بچ جائے اور فرض والے رشتہ دار سے بڑھ کر میت کا اور کوئی زیادہ قریبی قرابتدار نہ ہو تو اس صورت میں باقی ترکہ اسی فرض حاصل کرنے والے کو دے دیا جاتا ہے اور اسے رد (اور بالقرابہ) کہا جاتا ہے جیسے ماں جو میت کی اولاد کی موجودگی میں چھٹا حصہ اور اولاد کی عدم موجودگی میں تیسرا حصہ بالفرض حاصل کرتی ہے اور کبھی اس کے علاوہ بالقرابہ حاصل کرتی ہے۔

(۳)۔تیسری قسم وہ ہے جو کبھی بالفرض اور کبھی بالقرابت حاصل کرتی ہے جیسے باپ جو کہ میت کی اولاد

کی موجودگی میں بالفرض چھٹا حصہ اور عدم موجودگی میں تمام ترکہ بالقرابت حاصل کرتا ہے۔ یا جیسے بیٹی یا بیٹیاں جو بیٹے کی موجودگی میں بالقرابت (للذکر مثل حظ الانثیین) اور عدم موجودگی میں نصف بالفرض اور باقی بالقرابت پاتی ہیں۔ یا ایک یا ایک سے زائد پدری یا مادری یا صرف پدری سگی بہنیں جو بھائی کی موجودگی میں بالقرابہ (چھٹا حصہ) اور بھائی کی عدم موجودگی میں بالفرض (دوثلث) پاتی ہیں۔

(۴)۔ چوتھی قسم وہ ہے جو صرف قرابت کی وجہ سے وراثت حاصل کرتی ہے۔ جیسے بیٹا اور پدری و مادری یا صرف پدری سگے بھائی، دادا، نانا اور چچا، ماموں

(۵)۔ پانچویں قسم وہ ہے جو نہ بالفرض وراثت حاصل کرتی ہے اور نہ بالقرابہ بلکہ صرف ''ولاء'' کی وجہ سے حاصل کرتی ہے جیسے غلام کا آزاد کرنے والا اور ضامن جریرہ اور امامؑ۔

مقدمہ رابعہ

اسلامی قانون وراثت میں عول اور تعصیت نہیں اور ورثہ کے اجتماع کی صورت میں اسے مقدم سمجھا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقدم قرار دیا ہے۔ اور اسے مؤخر سمجھا جائے گا جسے خدا نے مؤخر قرار دیا ہے اور وراثت کے مسلمہ اصولوں ''وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ'' (سورہ انفال آیت۔۷۵) اور ''بموجب الاقرب یمنع الابعد'' زیادہ نزدیکی قرابتداروں کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار (وارثان بازگشت) کو کچھ نہیں ملے گا۔ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ''قوانین الشریعہ'' کی طرف رجوع کریں۔

ان حقائق کے معلوم ہو جانے کے بعد ہم آیات قرآنی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور چونکہ پہلے طبقہ میں ماں، باپ اور اولاد داخل ہیں اور یہاں پہلی آیت (۱۱ میں) انہی کے حصوں کا بیان ہے جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ اگر میت نے اولاد چھوڑی ہے جو مختلف الصنف مثلاً ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی تو لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا کیونکہ شریعت نے خاندانی زندگی میں مرد پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ ڈالا ہے جبکہ عورت کو ان ذمہ داریوں سے سبکدوش رکھا ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ مرد کا حصہ عورت کی نسبت زیادہ رکھا جاتا۔ اس طرح مال کے تین حصے کیے جائیں گے دو لڑکے کو دیئے جائیں گے اور ایک لڑکی کو اور اگر لڑکے لڑکیاں متعدد ہوں تو بھی اصول یہی رہے گا۔ کہ ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

۲۔ اگر میت نے صرف لڑکیاں چھوڑی ہیں اور لڑکا کوئی نہیں ہے تو قرآنی الفاظ یہ ہیں کہ اگر وہ فوق اثنین ہیں یعنی دو سے زیادہ یعنی تین یا چار یا اس سے زیادہ ہیں تو ان کے لئے ترکہ کے دو تہائی حصے ہیں۔ یہاں بظاہر دو لڑکیوں کا حکم مذکور نہیں ہے مگر امت کا اجماع ہے جو احادیث سے بھی ثابت ہے کہ دو لڑکیوں کا حکم بھی یہی ہے کہ ان کو دو تہائی ملے گا۔

۳۔ اگر میت نے صرف ایک لڑکی چھوڑی تو اسے نصف ترکہ ملے گا۔

۴۔ اگر کوئی میت ماں باپ اور اولاد چھوڑ کر مرے تو ماں باپ کو سدسین یعنی ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۵۔ اگر ماں باپ موجود ہوں مگر اولاد نہ ہو اور نہ ہی میت کے بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک ثلث (تہائی) ملے گا اور باپ کو کیا ملے گا؟ بظاہر قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے مگر یہ مذکور ہے کہ ’’وورثہ ابواہ‘‘ کہ اس کے وارث ماں باپ ہیں اب ایک ثلث تو ماں کو مل گیا بعد ازاں عقل یہ کہتی ہے کہ باقی ماندہ ترکہ سب باپ کو ملنا چاہیے جو بالا جماع ثابت ہے۔

۶۔ اگر میت کی اولاد نہیں ہے مگر ماں باپ ہیں اور میت کے بھائی بھی۔ تو اگرچہ طبقہ اولی کے ماں باپ کی موجودگی میں بھائیوں کو وراثت تو نہیں ملے گی مگر وہ ماں کو ثلث ملنے سے سدراہ ہو جائیں گے اب اسے ایک سدس ملے گا۔ اب اگرچہ قرآن مجید میں ’’اخوۃ‘‘ کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے اور دو سے زیادہ پر دلالت کرتا ہے مگر چونکہ عربی میں ایک سے زائد پر بھی جمع کا اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں یہی حکم ہے کہ اگر دو بھائی بھی ہوں تو بھی ثلث نہیں بلکہ سدس ملے گا۔

اب تک یہاں جو حصے بنص قرآن ثابت ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ ثلثین۔ یعنی دو تہائی یہ متعدد لڑکیوں کا ہے جبکہ ان کے ساتھ لڑکا نہ ہو۔

۲۔ سدس۔ چھٹا حصہ یہ اولاد کے ساتھ ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ہے نیز تنہا ماں کا بھی یہی ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو مگر بھائی موجود ہوں۔

۳۔ ثلث۔ یعنی ایک تہائی۔ یہ صرف ماں کا حصہ ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو اور نہ بھائی ان حصوں کو جو نص قرآنی سے ثابت ہیں ان کو فروض کہا جاتا ہے اور جن کے یہ حصے مقرر ہیں ان کو اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔ (جیسا کہ اوپر دوسرے مقدمہ میں وضاحت کی جا چکی ہے) اور جن وارثوں کے حصے صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں تو ان کو جو وراثت ملتی ہے اس کو ’’بالرد والقرابہ‘‘ کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاں قرآن خاموش ہو وہاں سنت کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور وہ حسب ذیل صورتیں ہیں:

۱۔میت کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں بنص قرآن ترکہ کے دو تہائی حصے تو ان کو مل گئے اب باقی ایک تہائی کا کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں قرآن خاموش ہے مگر سنت سے ثابت ہے کہ یہ ایک تہائی بھی انہی لڑکیوں کو ملے گی۔مگر قرابت قریبہ کی وجہ سے اور وارثان بازگشت کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ ان کی نسبت دور کے رشتہ دار ہیں۔

۲۔صرف ایک لڑکی ہے تو اس صورت میں آدھا ترکہ تو از روئے فرض ونص قرآن اسے ملے گا اور باقی آدھا از روئے قرابت قریبہ اسے ہی ملے گا اور دور کے رشتہ دار محروم الارث متصور ہوں گے۔

۳۔جب اولاد نہ ہو۔اور نہ ہی بھائی ہوں بلکہ ماں باپ ہوں تو ماں کو ایک ثلث بطور فرض مل گیا اب باپ کو کیا ملے گا؟ قرآن خاموش ہے۔مگر چونکہ وہ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور ماں کے ساتھ برابر کا وارث ہے اور دوسرے تمام رشتہ داروں سے میت کا زیادہ قرابتدار ہے لہٰذا قرابت کی بنا پر وہ باقی دو تہائی ترکہ کا بلا شرکت غیرے وارث قرار پائے گا۔

۴۔جب میت کی اولاد نہیں ہے مگر ماں باپ ہیں اور بھائی بھی ہیں تو اس صورت میں ماں کو بالفرض سدس ملے گا۔اور باقی ماندہ تمام ترکہ ۵/۶ بر بنائے قرابت باپ کو مل جائے گا۔

۵۔ماں باپ موجود ہیں اور ان کے ساتھ اولاد ذکور واناث بھی ہے تو اس صورت میں ماں باپ کے لئے تو سدسین (دو سدس) بالغرض مقرر ہیں لہٰذا باقی ترکہ قرابت کی بنا پر میت کی اولاد کو اس طرح ملے گا کہ لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا حصہ دیا جائے گا۔اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب ماں کے ساتھ ایک لڑکا یا ایک سے زائد لڑکے ہوں وہاں بھی ماں کے حصہ (ایک سدس) کے بعد باقی ترکہ لڑکے یا لڑکوں کو بالقرابہ مل جائے گا۔

۶۔ماں باپ کے ساتھ دو لڑکیاں ہوں تو یہاں بالفرض ماں، باپ کو سدسین مل جائیں گے جو کل ترکہ کا ایک ثلث بنتا ہے اور دو ثلث لڑکیوں کو مل جائیں گے۔بس ترکہ پورا تقسیم ہو گیا لیکن اگر ماں باپ کے ساتھ ایک لڑکی ہو تو اس صورت میں چھ حصوں میں سے دو سدس یعنی ایک حصہ تو ماں باپ اور نصف یعنی تین حصے لڑکی کو مل گئے۔اس طرح ایک حصہ بچ گیا۔اب اس کا کیا کیا جائے؟

اسے انہی وارثوں پر ان کے حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔یعنی اس کے پانچ حصے کر کے قرابت کی بنا پر ایک ایک حصہ والدین کو اور تین حصے لڑکی کو دے دیئے جائیں گے وہ فروض جو از روئے قرآن ثابت ہیں ان میں شیعہ وسنی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے مگر جن صورتوں میں فرض کے بعد ترکہ کی کچھ مقدار بچ جاتی ہے وہ کسے دی جائے گی؟

اس میں فقہ جعفریہ اور دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان اختلاف ہے کہ فقہ جعفریہ میں وہ باقی ماندہ

ترکہ پر بنائے قرابت قریبہ انہی اصحاب الفروض کو دیا جاتا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر چھ صورتوں میں مذکور ہے) اور دوسرے مسالک وارثان بازگشت کو دلواتے ہیں۔ اس اختلاف کا حل اور احقاق ما ھوالحق فقہ کی استدلالی کتابوں سے متعلق ہے یہاں اس بحث کو درج کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس اختلاف کا منظر اور پھر اس میں فقہ جعفریہ کی برتری معلوم کرنے کے خواہشمند ہماری کتاب ''قوانین الشریعۃ'' کی طرف رجوع کریں۔

الغرض یہاں بموجب ''واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ'' جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتا ہے وہی وراثت حاصل کرتا ہے اور وہ دور کے رشتہ داروں کے لئے سدراہ بھی بنتا ہے اور یہی بات ''فقہ جعفریہ'' کی برتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ والحمدللہ

اٰبَآؤُكُمۡ ...الآیۃ

تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ یا تمہاری اولاد میں سے نفع رسانی کے لحاظ سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے؟

اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

آیا یہ صرف والدین اور اولاد کے وارث ہونے کے متعلق ہے یا تمام وارثوں سے متعلق؟

علامہ طبرسی نے قدیم مفسرین کے پانچ قول نقل کئے ہیں مگر چونکہ کوئی بھی کسی معصوم سے منقول نہیں ہے تاکہ اسے ترجیح دی جا سکے۔

مولانا سید عمار علی صاحب مرحوم نے اسے تمام ورثہ سے متعلق قرار دیتے ہوئے اس کی یوں تشریح کی ہے:

''تم نہیں جانتے کہ وارثوں میں سے وہ کون ہیں جس کا نفع دنیا و آخرت میں تم کو زیادہ پہنچتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں اس واسطے ہم نے حصوں میں تفریق کی ہے کہ کسی کو زیادہ پہنچایا اور کسی کو کم پہنچایا ہے'' (عمدۃ البیان)

ظاہر ہے کہ اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ ''فعل الحکیم لا یخلو ا عن الحکمۃ''

آیات القرآن

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو ترکہ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں سے آدھا تمہارے لئے ہوگا اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کے اولاد ہو تو پھر تمہیں ان کے ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔ یہ تقسیم اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو انہوں نے کی ہو اور اس قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہو۔ اور وہ (بیویاں) تمہارے ترکہ میں سے چوتھے حصہ کی حقدار ہوں گی اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کا آٹھواں حصہ ہوگا اور (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو تم نے کی ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے بعد جو تم نے چھوڑا ہو۔ اور اگر میت (جس کی وراثت تقسیم کی جانے والی ہے) کلالہ ہو یعنی مرد ہو یا عورت مگر بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ نہ ہوں۔ مگر بھائی بہن ہوں تو اگر اس کا صرف ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن ایک سے زائد ہوں تو پھر وہ کل ترکہ کی ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے اور قرضہ کے ادا کرنے کے بعد ہوگی جو کی گئی (جب وصیت کرنے والا وارثوں کو) ضرر پہنچانے کے درپے نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے اور اللہ بڑے علم و حلم والا ہے (۱۲)

تفسیر الآیات

وَلَكُمْ نِصْفُ... الآیۃ

سابقہ فرائض کے علاوہ اس آیت میں دو فرائض کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک کا تعلق سببی رشتہ سے ہے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرے کا نسبی رشتہ سے ہے جو خون کا رشتہ ہے

پہلی قسم یعنی سببی کے ذیل میں چار مسئلے آتے ہیں

۱۔ زوجہ کا انتقال ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد ذکور وا ناث نہ ہو نہ اس شوہر سے اور نہ کسی اور شوہر سے تو شوہر کو آدھا ترکہ ملے گا

۲۔ زوجہ وفات پا جائے مگر اس کی کوئی اولاد ہو لڑکا یا لڑکی یا ہر دو اس شوہر سے یا کسی پہلے شوہر سے تو اس صورت میں شوہر کو اس کے ترکہ کا چوتھائی ملے گا۔

۳۔ شوہر فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد اناث وذکور نہ ہو نہ اس بیوی سے اور نہ کسی اور بیوی سے تو اس کی بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا

۴۔ شوہر کا انتقال ہو اور اس کی اولاد ہو اس بیوی سے یا کسی اور بیوی سے تو اس صورت میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

وراثت بیوگان کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

یہاں اس بات کی تھوڑی سے وضاحت کر دینا ضروری ہے جو کہ ''فقہ جعفریہ'' کے متفردات میں سے ہے کہ دوسرے تمام ورثہ میت کی تمام متروکہ جائیداد (منقولہ وغیر منقولہ) میں سے حصہ پاتے ہیں مگر زوجہ کو غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا خواہ وہ صاحب اولاد ہو یا غیر صاحب اولاد باقی منقولہ ترکہ میں سے ہر چیز کا چوتھا یا آٹھواں حصہ پاتی ہے۔

یہ تفصیل اگرچہ قرآن سے ثابت نہیں ہوتی مگر احادیث سے ثابت ہے برادران اسلامی کی جانب سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیثیں خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے مستند نہیں ہیں اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ ہمارا بھی ایمان ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو تو وہ حجت نہیں ہوتی مگر مخالفت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے کہ کسی حدیث کے مخالف قرآن ہونے کا مطلب کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حکم قطعی طور پر قرآن مجید میں مذکور ہو اور کوئی حدیث اس حکم کے خلاف بتلائے تو ظاہر ہے کہ وہ روایت مخالف قرآن ہونے کی بنا پر رد کر دی جائیگی لیکن اگر کوئی چیز قرآن میں بظاہر مذکور ہی نہ ہو یا اگر ہو تو مجمل ہو اور کوئی حدیث اس کا حکم بتائے یا قرآن میں اجمال ہے اور حدیث اس کے قیود و شرائط کی تفصیل بتائے تو اس کا نام مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن کی تفسیر و تشریح ہے اور اس کا بیان ہے اور اسی معنی میں حدیث ماخذ احکام ہے اور حجت ہے جیسا کہ سابقہ آیت کے ذیل میں چھ مسائل بیان کئے گئے ہیں کہ جہاں قرآن نے اصحاب الفروض کے فرائض بیان کئے ہیں باقی ترکہ کے بارے میں خاموش نظر آتا ہے وہاں حدیثوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

ہمارے زیر مسئلہ کی یہی حیثیت ہے۔ کہ قرآن مجید میں یہ اجمالاً مذکور ہے کہ زوجہ کو شوہر کے ترکہ سے حصہ ملے گا مگر یہ تفصیل مذکور نہیں ہے کہ منقولہ سے ملے گا یا غیر منقولہ سے یا ہر دو سے؟ تو اگر حدیث اس کی تفصیل بیان کر دے کہ عورت کا رشتہ چونکہ مرد سے عارضی ہے لہٰذا اس کی وراثت بھی عارضی مال سے ہو گی۔ جو کہ منقولہ ہے اور مستقل مال یعنی غیر منقولہ جائیداد کے وارث وہ لوگ ہوں گے جن کا میت سے مستقل یعنی خونی رشتہ ہے تو اس کو قرآن کے اجمال کی تفصیل سمجھا جائے گا اسے قرآن کے مخالف قرار دینا درست نہیں ہوگا (اس موضوع کی باقی تفصیلات اور اس مسئلہ کے تفصیلی دلائل قوانین الشریعہ میں درج ہیں اس کی طرف رجوع کیا جائے)

کلالہ کا مسئلہ

جس کا تعلق نسبی رشتہ داری سے ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ " کلالہ کے معنی میں اختلاف ہے حضرت عمرؓ آخر وقت تک اس میں متردد رہے" (تفہیم القرآن ج ا ص ۳۳۱)

کلالہ کا لفظ قرآن مجید میں دو جگہ استعمال ہوا ہے ایک یہاں اور دوسرا اس سورہ کی آخری آیت میں یہاں اس آیت میں وارد شدہ لفظ کلالہ کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت مر جائے اور وہ بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن یا اس سے زیادہ بھائی بہن موجود ہوں مگر ہوں بالاتفاق "اخیافی" یعنی میت سے صرف ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوں۔ اور ان کا باپ دوسرا ہو تو اس صورت میں اس "کلالۃ الام " کا حکم یہ ہے کہ:

پہلی صورت میں (جبکہ ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو) تو ہر ایک کو ایک سدس (چھٹا حصہ) ملے گا۔

اور دوسری صورت میں (جبکہ بھائی بہن ایک سے زائد ہوں) تو ان کو ایک ثلث (ایک تہائی) ملے گا

جوسب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

اب اگر وہ بھائی بہن میت کے سگے بھائی بہن ہوں یا صرف باپ کی طرف سے سگے ہوں یعنی ''کلالۃ الابوین'' ہوں یا صرف کلالۃ الاب تو اس صورت کا حکم اس سورۃ کی آخری آیت میں مذکور ہے کہ اگر کوئی لاولد شخص مر جائے (اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں) اور اس کی صرف ایک بہن ہو(سگی یا صرف باپ کی طرف سے) تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائیگی اور اگر کوئی بہن بے اولاد مر جائے (اور ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں) تو اس کا بھائی (پورے مال کا) وارث ہوگا اور اگر مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو وہ اس کے دوتہائی ترکہ کی وارث ہونگی۔ اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں (مگر ہوں علاتی) تو عورتوں کو اکہرا اور مردوں کو دہرا حصہ ملے گا۔

انصاف شرط ہے کہ اگر صحیح وارثان قرآن یہ تشریح نہ کرتے تو کیسے معلوم ہوتا کہ پہلا حکم اخیافی بہن بھائیوں کا ہے اور دوسرا حکم ''کلالۃ الابوین اور کلالۃ الاب'' یعنی علاتی بہن بھائیوں کا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ اگر یہ ذوات مقدسہ وضاحت نہ کرتے تو بظاہر قرآن میں اختلاف نظر آتا۔ کیونکہ قرآن مجید دونوں جگہ لفظ کلالہ موجود ہے مگر ہر جگہ حکم الگ الگ ہے۔

یہ تفصیل متفق علیہ ہے مگر قرآن میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ ترجمان قرآن کے کلام وبیان کے بغیر قرآن کا حقیقی مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ''وَ مَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ''

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ...الایۃ

سابقہ آیات میں بھی اور یہاں بھی خدائے حکیم نے وراثت کے جو حصے مقرر کئے ہیں ان سب کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ یہ حصے میت کی وصیت پوری کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد مستحقین کو ملیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے۔ جس کی مخالفت جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو خدا علیم وحلیم اور بردبار ہے لہٰذا اگر وہ برداشت کرے اور سزا نہ دے تو یہ اس کا حلم اور بردباری ہے ورنہ آدمی مخالفت کر کے غضب الٰہی کا مستوجب قرار پاچکا ہے۔

تنبیہ

یہاں وصیت کا لفظ مجمل ہے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ کتنی مقدار میں کی جائے؟ تو نافذ ہوتی ہے۔ مگر احادیث اہل بیت علیہم السلام میں یہ تفصیل مذکور ہے کہ اگر مرنے والا اپنے مال کے ایک ثلث تک

وصیت کر جائے تو وہ نافذ العمل ہوتی ہے اور ورثہ کو اس کے رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو پھر اس کا نفاذ ورثہ کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ راضی ہو جائیں تو سب میں نافذ ہو گی ورنہ صرف ثلث میں نافذ ہو گی اس سے زائد مقدار میں نافذ نہیں ہو گی (وسائل الشیعہ) نیز یہاں وصیت کے ساتھ غیر مضار کی قید لگائی گئی ہے کہ وہ وصیت ضرر پہنچانے والی نہ ہو۔ اس سے ایک ثلث سے زیادہ والی وصیت مراد ہو سکتی ہے اور کوئی دوسری وصیت بھی جس سے ورثہ کو ضرر و زیاں پہنچنے کا اندیشہ ہو جیسے کسی کے لئے بلاوجہ وصیت کر دی جائے جس سے حقیقی وارثوں کا نقصان ہو (تفسیر صافی)

آیات القرآن

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝۱۵ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶

ترجمۃ الآیات

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (۱۳) اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے گا تو اللہ اسے آتش دوزخ میں داخل کرے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے

گا اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے(۱۴) اور جو تمہاری عورتوں میں سے بدکاری کریں تو ان کی بدکاری پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔ اور اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر کرے(۱۵) اور تم میں سے جو دو شخص (مرد و عورت) بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔(۱۶)

تفسیر الآیات

تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ... الآیۃ ۱۳

اس آیت مبارکہ میں اطاعت گذاروں، اور اس نظام وراثت کی تابعداری کرنے والوں سے ان بہشتوں کا وعدہ کیا جا رہا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ ... الآیۃ ۱۴

اس آیت میں بڑی ہولناک سزا سنائی جا رہی ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا اور رسولؐ کی مخالفت کر کے اس کی مقرر کردہ حدوں کو توڑتے ہیں یا قانون وراثت میں ردوبدل کرتے ہیں۔ حالانکہ ''مخلد فی النار'' ہونے یعنی ہمیشگی کا عذاب صرف کافروں، مشرکوں اور منافقوں کے لئے ہے مگر اس آیت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سزا خدا اور رسولؐ کے ہر فرمان کے لئے ہے جو اس کے حدود سے تجاوز کرے بنابریں تو یہ مطلق گناہ پر صادق آتی ہے جس کی سزا خلود فی النار نہیں ہے لہٰذا اس کی کوئی مناسب تاویل کرنا پڑے گی۔

۱۔ جیسے یہ کہ ان حدود سے تجاوز کرے جن کی سزا ہمیشگی عذاب ہے

۲۔ یا حدود الٰہی سے تجاوز کو جائز سمجھ کر تجاوز کرے تو اسطرح ما انزل اللہ کے انکار کی وجہ سے کفر لازم آئے گا۔

۳۔ **حدودہ**۔ میں لفظ ''**حدود**'' جمع ہے اور پھر اضافت کی وجہ سے اس میں عموم واستغراق کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی جو اللہ کی تمام حدوں سے تجاوز کرے ظاہر ہے کہ ایسا شخص کوئی کافر ہی ہو سکتا ہے۔ وہ گنہگار اہل ایمان نہیں ہو سکتا۔ (مجمع البیان، فصل الخطاب)

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے حدود و قیود کے علاوہ قانون وراثت میں بھی من پسند تبدیلیاں کی ہیں کہیں لڑکیوں کو وراثت سے بالکل محروم کر دیا گیا ہے کہیں صرف بڑے بیٹے کو وراثت کا حقدار قرار دیا گیا ہے اور کہیں یہ کہہ کر کہ ''یوصیکم اللہ'' لفظ نرم ہے یہ صرف وصیت ہے کوئی لازمی حکم نہیں ہے مردوں اور عورتوں کے حصہ کو برابر کر دیا گیا ہے اگر یہ حکم خدا سے کھلی ہوئی بغاوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل اسلام کو ایسی عصیان کاری اور تباہ کاری سے بچائے اور اپنی اور اپنے رسول اعظم کی اطاعت گذاری کی سعادت سے نوازے۔ بحق النبی والہ الطاھرین علیھم السلام۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ ... الآیۃ ۱۵

زنا کاری کی منسوخ شدہ سزا کا بیان

زنا جس قدر جرم شنیع ہے وہ اسی قدر دور جاہلیت میں عربوں میں عام تھا اور معدودے چند شرفاء کو چھوڑ کر اس کے ارتکاب کو چنداں عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ پیشہ ور عورتیں اپنے مکانوں پر خاص قسم کے پرچم لہرایا کرتی تھیں۔ جنہیں ''ذوات الاعلام'' کہا جاتا تھا۔ اسلام دین فطرت نے اس سنگین جرم کے سد باب کے لئے صرف زبانی کلامی وعظ و نصیحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے مرتکبین کے لئے تدریجاً سخت سزاؤں کا اہتمام کیا ہے۔ ہاں البتہ اس جرم شنیع کے اثبات کے لئے بڑا سخت انتظام کیا ہے اور اس کے دو طریقے مقرر کئے ہیں

۱۔ مجرم بقائمی ہوش و حواس چار بار اس کا اقرار کرے

۲۔ چار مسلمان عاقل و عادل گواہ اس کے ارتکاب کی گواہی دیں اور اوائل اسلام میں یہ سزا تھی کہ ایسی عورتوں کو گھروں میں نظر بند کر دیا جائے یہاں تک کہ ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے اور ایسے مردوں کو روحانی وجسمانی اذیت دی جائے جب تک ان کے لئے خدا کوئی اور راستہ متعین نہ فرمائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمر قید اور اس کے بعد والی سزا جزاوقتی تھی مستقل سزا وہ ہے جو سورہ نور میں مذکور ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد و زن اس جرم کا ارتکاب کریں تو انہیں سو سو کوڑے مارے جائیں جو کہ نص قرآن سے ثابت ہے اور اگر شادی شدہ مرد و زن ارتکاب کریں تو انہیں رجم (سنگسار) کیا جائے جو سنت صحیحہ سے ثابت ہے

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِھَا ... الآیۃ

قوم لوط کے عمل بد کی فضیحت

شیخ محمد جواد مغنیہ مرحوم اپنی تفسیر کاشف میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفسرین میں اختلاف ہے کہ اس

''جو دو شخص جو ایسا کریں'' سے مراد کون ہیں؟

اکثر نے اس سے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے جو کہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ ''الذان''۔ الذی کا تثنیہ ہے جو کہ موصول وصلہ مذکر کے الفاظ ہیں نیز زانی اور زانیہ کا حکم ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے لہٰذا بلا فاصلہ تکرار کا کیا مطلب ہے؛؟ لہٰذا اس سے قوم لوط کے عمل کے مرتکب فاعل ومفعول مراد ہیں جیسا کہ ''الذان'' اور منکم کے قرینے سے ظاہر ہے برادران اسلامی کے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے (فراجع)۔

بہر حال اوئل اسلام میں اس خلاف وضع فطرت فضیع وشنیع جرم بد کی سزا یہ تھی کہ

انہیں روحانی وجسمانی اذیت پہنچائی جائے،

زجر وتوبیخ اور لعنت وملامت کی جائے،

خورد ونوش میں تنگی کی جائے،

تا کہ انہیں اپنے جرم کی سنگینی کا احساس ہو۔

بعد ازاں ان کی یہ سزا منسوخ ہوگئی اور اس کی جگہ

تلوار سے موت کے گھاٹ اتارنا

یا آگ سے جلانا

یا ہاتھ پاؤں باندھ کر بلندی سے نیچے گرانا

یا پھر ان پر دیوار کا گرانا، سزا مقرر ہوئی۔

کیونکہ یہ جرم زنا سے بھی بدتر ہے، اور ایسا شنیع جرم ہے کہ انسان سے اس کا جوہر انسانیت سلب کر لیتا ہے۔

ہاں! البتہ سابقہ صورت میں جب توبة النصوح کر لیں تو پھر ان کی یہ ایذا رسانی بند کر دی جائے گی۔

آیات القرآن

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

توبہ قبول کرنے کا حق اللہ کے ذمہ صرف انہی لوگوں کا ہے جو جہالت (نادانی) کی وجہ سے کوئی برائی کرتے ہیں پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جن کی توبہ خدا قبول کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (۱۷) ان لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو (زندگی بھر) برائیاں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اس وقت میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کے لئے توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۸) اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان پر سختی کرو اور روکے رکھو تا کہ جو کچھ تم نے جہیز وغیرہ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ لے اڑو مگر یہ کہ وہ صریح بدکاری کا ارتکاب کریں (کہ اس صورت میں سختی جائز ہے) اور عورتوں کے ساتھ عمدہ طریقہ سے زندگی گزارو۔ اور اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ (۱۹)

تفسیر الآیات

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ ...الآیۃ ١٧

کس قسم کی توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ لازم ہے؟

اس آیت مبارکہ میں قبولیت توبہ کے شرائط بیان کئے جا رہے ہیں جو یہ ہیں کہ

١۔ اللہ کے ذمہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو جہالت ولاعلمی کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں

٢۔ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں

٣۔ خدا ان لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کرتا جو گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں اور جب موت سامنے نظر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں

٤۔ اور نہ ہی خدا ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو حالت کفر میں مرجاتے ہیں۔ یہ آیت بڑی حوصلہ شکن ہیں اور بڑے سخت شرائط توبہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مذکورہ بالا باتوں کی وضاحت کیجاتی ہے۔

١۔ توبہ قبول کرنے کا حق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کا فضل وکرم ہے ورنہ کون ہے جو اس پر وجوب عائد کر سکے؟

٢۔ خدا ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں اس کا مفہوم تو یہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ''علماً وعمداً'' گناہ کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہونی چاہیے مگر حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس کی تفسیر مروی ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ''گنہ گار خواہ جاہل ہو یا عالم جب وہ اپنے خالق ومالک کی معصیت ونافرمانی کرتا ہے تو وہ اس وقت جاہل ہوتا ہے'' فرمایا:

''کل ذنب عملہ العبد وان کان عالما فھو جاھل حین خاطر بنفسہ فی معصیۃ ربہ''

پھر امام نے ثبوت میں جناب یوسفؑ کے اس قول کو پیش کیا ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

''ھَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَ اَخِیْہِ اِذْ اَنْتُمْ جٰھِلُوْنَ''(سورہ یوسف آیت۔٨٩)

کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا جبکہ تم جاہل تھے؟ (مجمع

البیان، وصافی وغیرہ)

بنابریں گویا جہالت کا لفظ حماقت و بے قوفی کے معنی میں ہے۔

۳۔ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں اس جلدی سے کیا مراد ہے؟ اس قریب کے ''متبادا الی الذھن'' معنی تو وہی ہیں جو عرف عام میں سمجھے جاتے ہیں کہ وہ گناہ کر کے زیادہ دیر و درنگ نہیں کرتے بلکہ جلد ہی نادم و پشیمان ہو کر اپنے رحیم و کریم پروردگار کا در توبہ کھٹکھٹاتے ہیں اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اسے کھلا پاتے ہیں، اس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اس سے کہ برائی نفس پر چھا جائے اور نیکیاں کھا جائے (صافی)

مگر اکثر مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آثار موت نمودار ہونے سے پہلے توبہ کرتے ہیں ''لان ما بین الانسان وبین الموت قریب'' کیوں انسان اور موت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ قریب ہے بعض ائمہ اہل بیت صحابہ اور تابعین سے یہی معنی منقول ہیں۔ (مجمع البیان وغیرہ)

ظاہر ہے کہ اسے خدائے رحیم و کریم کی انتہائی شفقت و رافت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ بعض احادیث میں آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا ''ان الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر'' اللہ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک موت کا غرغرہ شروع نہ ہو (ایضاً)

بعد ازاں کتاب زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور امتحان کی مہلت پوری ہو جاتی ہے تو اب توبہ کا کیا موقع؟ ہاں البتہ اگر اس وقت بھی قبول کر لے تو یہ اس کا تفضّل تو ہو سکتا ہے مگر یہ وہ توبہ نہیں ہے جس کا قبول کرنا خدا کے ذمہ لازم ہے

۴۔ جو گناہ پر گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب آثار موت نمودار ہوتے ہیں تو اب کہتے ہیں اب ہم توبہ کرتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول نہیں کرتا کیونکہ درحقیقت یہ توبہ ہی نہیں بلکہ خدا سے مذاق ہے جب تک گناہ کرنے کی سکت تھی تو عمر بھر گناہ پر گناہ کرتے رہے اور اب جب کہ گناہ کرنے کی سکت ہی نہ رہی تو پھر توبہ کرنے کا کیا مطلب؟؟

''وقت پیری گرگ زادہ می شود پرہیز گار''

یعنی

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مؤمن
آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوگے؟

ہاں! البتہ تفضّل چیزے دیگر است۔ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ

۵۔ نیز اللہ ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا جو کہ حالت کفر میں مرتے ہیں کیونکہ وہ کافر ومشرک اور منافق ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے؟ کیونکہ توبہ کی قبولیت کی لازمی شرط یہ ہے کہ وہ کفر ترک کرکے اسلام لائیں اور جب وہ مرہی کفر پر رہے ہیں تو کفر سے توبہ کب کی ہے؟ کہ جسے اللہ تعالیٰ قبول کرے؟ اور اگر کسی اور گناہ وعصیاں سے توبہ کرتے ہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ کفر پر مر رہے ہیں؟

توبہ کی قبولیت کے دیگر بعض شرائط کا بیان

ارشاد رب العزت ہے:

''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی''(سورہ طٰہٰ آیت۔۸۲)

میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں:

۱۔ جو توبہ کریں یعنی اس گناہ سے رجوع کریں (اسے چھوڑ دیں) جس سے توبہ کر رہے ہیں اور اس پر نادم ہوں اور آئندہ اس کے نہ کرنے کا عزم بالجزم بھی کریں۔

۲۔ ایمان لائیں (اگر پہلے بے ایمانی کرتے رہے ہوں)۔

۳۔ نیک عمل کریں جبکہ پہلے بدعملی کرتے رہے ہوں اور اس نیک عمل میں تلافی مافات بھی داخل ہے کہ اگر خدا کا حق ادا نہیں کیا جیسے نماز نہیں پڑھی، روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضا کریں اور اگر مخلوق کی حق تلفی کی ہے تو اسے ادا کریں۔ یا صاحبان حق سے معاف کرائیں۔

۴۔ راہ راست پر آجائیں (اگر پہلے بے راہ روی کرتے رہے ہیں) اس کا نام ''توبۃ النصوح'' ہے جس کا قبول کرنا خدا کے ذمہ از راہ لطف وکرم لازم ہے اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت توبہ کرکے اسے توڑ بیٹھیں تو مایوس نہ ہوں بلکہ فوراً اپنے آقا ومولا کی بارگاہ میں پلٹ آئیں اور زنجیر در توبہ کو ہلائیں۔ تو دروازہ توبہ کھل جائے گا کیونکہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔

این درگئه مادرگئه نومیدی نسبت

صدابارااگرتوبه شکستی بازآ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الآية

زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کا (کسی دوسری بیوی سے بیٹا) یا کوئی اور ولی وارث اس کی دوسری جائیداد کی طرح اس کی بیوہ کے سر پر کپڑا ڈال دیتا تھا اور اسطرح وہ اس کی

بیوی بن جاتی تھی اور وہ اسے بیوی کی طرح اپنے گھر میں بند رکھتا تھا اور اس کا کوئی حق مہر بھی مقرر نہیں کرتا تھا بلکہ اسی مہر پر اکتفا کرتا تھا جو اس کے مورث نے ادا کیا تھا اور اگر چاہتا تو حق مہر لیکر اس کا دوسری جگہ عقد کر دیتا تھا اور اسطرح یہ زبردستی اس عورت کا وارث قرار پاتا تھا۔ اس کارروائی سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے (مجمع البیان وصافی وغیرہ)

چنانچہ اوائل اسلام میں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ ابوقیس بن اسلت صحابی کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے محصن بن ابی قیس نے اس کی بیوہ کبیشه بنت معن پر چادر ڈال دی۔ اس طرح اسے اپنے نکاح میں تو لے لیا مگر بعد ازاں نہ اس کے قریب گیا اور نہ اس کا نان ونفقہ ادا کیا چنانچہ کبیشہ نے اس صورت حال کی بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ نہ تو میں نے اپنے شوہر کی وارثت قرار پائی اور نہ ہی مجھے آزاد چھوڑا گیا تا کہ میں عقد ثانی کرسکتی اس کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آئندہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا (ایضاً)

وَلَا تَعْضُلُوا...الآیۃ

اس جملہ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں

۱۔ مالدار بیوہ کو اس کے وارث کہیں عقد ثانی نہیں کرنے دیتے تھے نہ مال ودولت ہمراہ لے جانے دیتے تھے بلکہ یہیں رہ کر مرے تا کہ یہ اس کے مال کے وارث قرار پائیں یا وہ اپنا مال ان کے حوالہ کر کے ان سے جان چھڑائے

۲۔ یہ شوہروں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اپنی بیویوں پر اس قدر سختی نہ کرو۔ کہ وہ تمہارا ادا کردہ حق مہر تمہارے حوالے کر کے تم سے طلاق خلع حاصل کرنے پر مجبور ہو جائیں

۳۔ شوہر کے پاس بیوی موجود ہے جس کی اسے ضرورت نہیں ہے اور وہ اسے ناپسند بھی کرتا ہے مگر اسے صرف اسلئے روکے ہوئے ہے اور اسے فارغ نہیں کرتا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ اس کے مال کا وارث قرار پائے (مجمع البیان، عن الامام الباقرؑ)

الغرض اب یا تو شوہر کی ناشزہ ونافرمان بن جائیں یا کھلی ہوئی معصیت کاری کریں جو بہر حال ممنوع ہے البتہ اگر وہ کھلی ہوئی غلط کاری (یعنی زنا کاری کریں) تو پھر ان سے حق مہر واپس لینے کی خاطر سختی کی جاسکتی ہے اور طلاق خلع بھی دی جاسکتی ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتیں تو پھر شوہروں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کریں اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کریں اور ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور ان کا نان

ونفقہ ادا کریں اگر وہ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور ان سے دل نہیں ملتا۔ تو تقاضائے عقل وشرافت یہ ہے کہ انہیں برداشت کریں اور یہ سمجھیں کہ شاید اللہ نے اس میں ان کے لئے کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو جو اولاد صالح بھی ہو سکتی ہے اور تمہاری خدمت گذاری اور آرام رسانی بھی

آیات القرآن

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْــٴًـا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾ وَ كَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم ایک بیوی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری لانا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو (جسے فارغ کرنا چاہتے ہو) بہت سا مال دے چکے ہو۔ تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو کیا تم جھوٹا الزام لگا کر اور صریح گناہ کر کے (واپس) لینا چاہتے ہو (۲۰) اور بھلا تم وہ (مال) کیسے واپس لے سکتے ہو۔ جبکہ تم (مقاربت کر کے) ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو؟ اور وہ تم سے پختہ عہد و پیمان لے چکی ہیں (۲۱) جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں۔ ان سے شادی (نکاح) نہ کرو۔ سوا اس کے جو پہلے ہو چکا بے شک یہ کھلی بے حیائی اور (خدائی) ناراضی کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ (۲۲)

تفسیر الآیات

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ ... الآیۃ ۲۰

اگر تم ایک بیوی کو بدل کر دوسری بیوی لانا چاہتے ہو تو اگر پہلی کو ایک قنطار بھی حق مہر میں دے چکے ہو تو اسے طلاق دینے کے بعد تم وہ زر مہر اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ قنطار کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ ایک مال کثیر اور دوسری بیل کی کھال بھر سونا (مجمع البیان)

کیا اس پر کوئی جھوٹا الزام لگا کر اور بہتان باندھ کر اور کھلا گناہ کر کے واپس لو گے؟ حالانکہ تم مباشرت کر کے ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ عقد و نکاح کے ذریعہ تم سے پختہ عہد و پیمان لے چکی ہیں۔ کہ تم ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرو گے بلکہ اخلاق و مروت سے پیش آؤ گے۔ اب جبکہ معاہدہ پورا ہو چکا۔ عقد ہو چکا اور مباشرت بھی ہو چکی ہے ہاں اگر مباشرت کرنے سے پہلے طلاق واقع ہو جاتی تو پھر آدھا حق مہر معاف ہو جاتا۔ تو اب اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی کیا گنجائش ہے؟ جاہلی دور کی طرح جب کوئی خوبصورت عورت پسند آجاتی تو پہلی بیوی پر کوئی جھوٹا الزام لگا کر اسے اس طرح تنگ کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا حق مہر چھوڑ دے اور یہ اسے چھوڑ دے اور دوسری شادی رچائے؟ اسلام ایسی گھٹیا حرکت کی اجازت دینے کا روادار نہیں ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا ...الآیۃ

اس حکم کے ذریعہ سے دور جاہلیت کی اس رسم بد کا استیصال کرنا مقصود ہے کہ لوگ اپنے باپ کی بیوی یعنی اپنی سوتیلی ماں سے عقد نکاح کیا کرتے تھے چنانچہ صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کی بیوہ فاختہ بنت الاسود بن مطلب سے حصین بن ابی قیس نے اپنے باپ کی بیوہ کبیشہ بنت معن سے اور منظور بن ریان بن المطلب نے اپنے باپ کی بیوہ ملکیہ بنت خارجہ سے نکاح کیا تھا مگر جو اس سے پہلے ہو چکا ہے اب اس کی سزا نہیں ہوگی لیکن اب ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ الاسلام یجب ماقبلہ

اسلام پہلے کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نکاح کے دو معنی ہیں:

۱۔ عقد نکاح۔ لہٰذا بنابریں باپ دادا کی منکوحہ اولاد اور اولاد کی اولاد پر حرام ہے خواہ باپ نے دخول کیا ہو یا نہ اس پر سب فقہا کا اجماع ہے

۲۔ جماع۔ لہٰذا اگر باپ یا دادا کسی عورت سے زنا کرے تو وہ اس کی اولاد پر حرام ہوگی یا نہ؟ اس میں قدرے اختلاف ہے آیت کا عموم حرمت کا تقاضا کرتا ہے (مجمع البیان)

آیات القرآن

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَرَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘-فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘-وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْۙ-وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَؕ-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

تم پر حرام کردی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (خوشدامنیں) اور تمہاری ان بیویوں کی جن سے تم نے مباشرت کی ہے وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پا رہی ہیں اور اگر صرف نکاح ہوا ہے مگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو پھر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (بہوئیں) اور یہ بھی حرام قرار دیا گیا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں اکھٹا کرو۔ مگر جو پہلے ہو چکا ہے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے (۲۳)

تفسیر الآیات

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ... الآیۃ ۲۳

ان دو آیتوں میں خدائے علیم وحکیم نے چند قسم (بارہ قسم) کی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو مردوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور اس حرمت کے اسباب تین ہیں

۱۔نسب ۲۔رضاعت ۳۔مصاہرت

چنانچہ پہلے ان عورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی تعداد سات ہے

اور وہ یہ ہیں

۱۔ مائیں اس میں دادی، نانی اور اس سے اوپر سب داخل ہیں

۲۔ بیٹیاں۔ اس میں پوتیاں، نواسیاں نیچے تک سب داخل ہیں

۳۔ بہنیں (اس میں سگی اور سوتیلی بہنیں) سب داخل ہیں

۴۔ پھوپھیاں

۵۔ خالائیں

۶۔ بھتیجیاں

۷۔ بھانجیاں

اسکے بعد ان محرمات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو شرعی رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں اور وہ وہی سات رشتے ہیں جیسے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد گرامی ہے ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب'' کہ شرعی رضاعت کی وجہ سے وہ سب کچھ حرام ہوتا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے اس کے بعد ان عورتوں کا تذکرہ ہے جو مصاہرت (علاقہ نکاح) کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔

۱۔ جیسے بیویوں کی مائیں (ساسیں)۔

۲۔ ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے صحبت کی جا چکی ہو اور اگر کسی عورت سے صرف نکاح ہوا ہو اور صحبت سے پہلے اسے طلاق دے دی جائے تو پھر اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے۔

۳۔ ان بیٹوں کی بیویاں (بہوئیں) جو تمہاری پشت سے ہوں اس سے متبنی کی بیوی کی حرمت کو ختم کرنا مقصود ہے۔

اور یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے۔

۴۔ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے مگر یہ حرمت دائمی نہیں ہے بلکہ اس وقت تک ہے کہ جب تک بیوی زندہ ہے یا نکاح میں ہے لیکن اگر وہ مر جائے یا اسے طلاق دے دی جائے تو عدت کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی اور حقیقی ہوں یا رضاعی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سالی محرم نہیں ہے کیونکہ محرم وہ ہوتی ہے جس سے کبھی شادی نہ ہو سکے۔ مگر جو ہو چکا اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر سوتیلی ماؤں سے نکاح کی ممانعت کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے یعنی جو اسلام سے پہلے ہو چکا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو ہو چکا اب بھی برقرار رکھا جائے گا۔

حاشا وکلا (مجمع البیان)

آیات القرآن

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو شوہر دار ہوں مگر وہ ایسی عورتیں جو (شرعی جہاد میں) تمہاری ملکیت میں آئیں۔ یہ آئین ہے اللہ کا جو تم پر لازم ہے۔ اور ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہاری لئے حلال ہیں کہ اپنے مال (حق مہر) کے عوض ان سے شادی کرلو۔ بدکاری سے بچنے اور پاکدامنی کو قائم رکھنے کے لئے اور ان عورتوں میں سے جن سے تم متعہ کرو تو ان

کی مقررہ اجرتیں ادا کردو۔ اور اگر زرِ مہر مقرر کرنے کے بعد تم آپس میں (کم وبیش پر) راضی ہوجاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے(۲۴) اور تم میں سے جو شخص مالی حیثیت سے اس کی قدرت نہ رکھتا ہو کہ وہ (خاندانی) مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرسکے تو وہ ان مسلمان لونڈیوں سے (نکاح کرلے) جو تمہاری ملکیت میں ہوں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم (اسلام کی حیثیت سے) سب ایک دوسرے سے ہو۔ پس ان (لونڈیوں) کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور بھلائی کے ساتھ ان کے حق مہر ادا کرو تاکہ وہ (قیدِ نکاح میں آکر) پاکدامن رہیں اور شہوت رانی نہ کرتی پھریں۔ اور نہ ہی چوری چھپے آشنا بناتی پھریں۔ سو جب وہ قیدِ نکاح میں محفوظ ہوجائیں تو اگر اب بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے آزاد عورتوں کی نصف سزا ہوگی۔ یہ رعایت (کہ خاندانی مسلمان آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو کنیز سے نکاح کرنے کا جواز) اس شخص کے لئے ہے جسے (نکاح نہ کرنے سے) بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر ضبط سے کام لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔(۲۵)

تفسیر الآیات

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ...الآیۃ

شوہر دار عورتیں بھی حرام ہیں، ماسوا ان کے جو تمہاری ملکیت میں آجائیں (اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ جائیں) جس سے ان کا سابقہ نکاح ختم ہوجاتا ہے اور جس سپاہی کے حصہ میں آجائیں استبراء کے بعد اس کے لئے حلال ہوجاتی ہیں۔ یہ احکام اللہ نے تم پر فرض کردیئے ہیں اور ان (عورتوں) کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تم پر حلال ہیں بشرطیکہ تم انہیں اپنے مال سے اپنے حبالۂ عقد میں لے آؤ پاکدامن بننے کے لئے نہ کہ شہوت رانی اور زنا کار بننے کے لئے اس آیت کے الفاظ ''وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ '' نے ان بہت سے خودساختہ حرام نکاحوں کا حلال ہونا واضح کردیا جن کو بعض لوگ اسلام ناشناسی کی وجہ سے حرام جانتے ہیں جیسے پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کا ایک عقد میں جمع کرنا یا جیسے بعض خاندانوں کا دوسرے بعض خاندانوں میں رشتہ کرنے کو حرام سمجھنا وغیرہ وغیرہ

ایک ضروری وضاحت

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ شوہر دار عورت جب تک پہلے شوہر کے حبالۂ عقد میں ہے (ماسوا کنیز کے جو مسلمان کی ملکیت میں آجائے) دوسرے شخص پر حرام ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر نہیں رکھ سکتی۔ تو جو بعض ملحدین یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر شوہر ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے تو ایک عورت ایک سے زیادہ شوہر کیوں نہیں رکھ سکتی؟ ان کا یہ احمقانہ مطالبہ علاوہ اس کے کہ نص قرآنی کے خلاف ہے عقل سلیم کے بھی خلاف ہے کیونکہ مرد کے لئے جہاں تعدد ازواج ایک نعمت ہے وہاں عورت کے لئے کثرت ازواج ایک مصیبت ہے اور جہاں شوہروں کے لئے بھی یہ فعل یقینا باعث ننگ و عار ہے۔ وہاں اس سے سب سے بڑی معاشرتی خرابی یہ پیدا ہوگی کہ اس عقد وازدواج کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ کس کا بیٹا ہے؟ کیونکہ اس کی ماں سے تمتع حاصل کرنے والے جو ایک سے زیادہ اشخاص ہیں اور جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو باہمی حقوق کا تعین کس طرح ہوگا؟ بہر حال یہ احمقانہ مطالبہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا دین و دیانت کی طرح انسانیت اور غیرت کا بھی جنازہ نکل چکا ہو۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ ... الآیۃ ۲۴

عقد متعہ کا جواز قرآن وسنت اور اہل اسلام کے اجماع کی روشنی میں

ہمارے مفسرین نے اس سے عقد متعہ مراد لیا ہے جس کے اوائل اسلام میں حلال ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے چنانچہ فاضل رازی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ''ان الامة مجتمعة على ان نكاح المتعة كان جائزا فى الاسلام ولا خلاف فى الامة فيه'' تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اوائل اسلام میں عقد متعہ جائز تھا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (تفسیر کبیر)

ابی بن کعب اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے ''فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى'' یعنی جن عورتوں سے تم ایک مقررہ وقت تک تمتع حاصل کرو یعنی متعہ کرو

بعد ازاں حرام ہوا ہے یا نہ؟

ہمارا موقف یہ ہے کہ حلال تھا، حلال ہے اور قیامت تک حلال رہے گا کیونکہ ''حلال محمد حلال الى يوم القيامة وحرامه حرام الى يوم القيامة'' (اصول کافی)

جس کی تائید مزید بخاری و مسلم کی روایات اور صحابہ کرام کے اقوال سے بھی ہوتی ہے مگر برادران

اسلامی اسے کئی بار حلال اور کئی بار حرام ٹھہراتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر غزوہ خیبر میں حرام کر دیا گیا اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا اور پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا (معارف القرآن بحوالہ تفسیر روح المعانی)

مگر نہ اس کی ناسخ آیت بتاتے ہیں اور نہ ہی اس طرح کسی چیز کے بارے میں حلال وحرام ہونے کی کوئی نظیر پیش فرماتے ہیں مگر مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ نے یہ کہہ کر اس کا بھانڈا پھوڑا ہے میں چھوڑ دیا کہ وہ متعہ جسے خدا اور رسولؐ نے حلال کیا تھا (اور کئی صحابہ وصحابیات نے جس پر مدتوں تک عمل درآمد بھی کیا تھا) اسے انہوں نے اپنی ذاتی رائے سے حرام قرار دیا ہے اور آئندہ کرنے والوں کو سخت سزا کی دھمکی بھی دی ہے۔

''متعتان کانتا علی عهد رسول الله وانا احرمهما واعاقب علی من عاد متعة النساء ومتعة الحج'' (شرح تجرید قوشجی وتفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ وغیرہ)

اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے تصریح نقل کی ہے کہ یہاں تمتع سے نکاح متعہ مراد ہے چنانچہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہیں یعنی نکاح المتعة (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۱۴)

اور علامہ وحید الزمان اپنے ترجمہ قرآن کی ذیلی تفسیر موسوم بہ تفسیر وحیدی کے حاشیہ نمبر ۱۴۲ پر لکھتے ہیں اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے باب میں اتری ہے متعہ شروع اسلام میں جائز تھا'' عمران بن حصین بیان کرتے ہیں:

''نزلت ایت المتعة فی کتاب الله ففعلنا ها مع رسول الله ولم نیزل قرآن یحرمه وهاینهه عنها حتی مات ثم قال رجل برایه ماشاء قال محمد یقال عمر''

یعنی کتاب اللہ میں متعہ (کے جواز) والی آیت نازل ہوئی اور ہم نے عہد رسالت میں متعہ کیا پھر نہ تو اس کی حرمت کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور نہ ہی حضرتؐ نے اپنی وفات تک اس کی ممانعت فرمائی یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا سو کہہ دیا۔

محمد کہتے ہیں کہ وہ شخص عمر ہیں (بخاری، ج ۳ ص ۷۱ طبع مصر)

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ:

''کنا نستمتع بالقبضة من التمر والدقیق علی عهد رسول الله وعهد ابی بکر وعمر حتی نهی عنها عمر فی شان ابن حریث'' کہ ہم حضرت رسول خداؐ اور عہد ابی بکر اور عمر (کی خلافت کے اوائل میں) مٹھی بھر آٹا یا کھجور پر متعہ کرتے تھے، یہاں تک کہ عمر نے ابن حریث کے واقعہ

میں اس کی ممانعت کر دی (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۱ طبع مصر)

ان حقائق کی روشنی میں قرآن وسنت سے متعہ کا جواز روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو گیا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ متعہ حرام کب ہوا اور کیوں ہوا؟

ہمارا موقف ہے کہ اسے خدا ورسولؐ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ جناب عمرؓ نے کسی خاص مصلحت کے تحت کیا۔ چنانچہ فاضل سیوطی نے تاریخ الخلفاء باب اولیات عمر کے ضمن میں وضاحت کی ہے کہ ''اول من حرم المتعۃ'' یعنی جناب عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶ / ۱۳۷ طبع مصر)

اب مسلمانوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ جب خدا نے اسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کا حق اپنے رسول مکرم کو بھی نہیں دیا تو جناب عمر کو یہ حق کس نے دیا؟ ع۔صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے۔اسی بنا پر حضرت امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''لولا ان عمر نهى عن المتعة ما زنى الا شقى ''اگر عمر متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو شاذ ونادر کسی شقی کے سوا کوئی شخص زنا نہ کرتا تفسیر کبیر (ج ۳ ص ۲۸۹ ودر منشور ج ۲ ص ۱۴۰)

عقد متعہ کے ارکان اربعہ کا بیان

جب نکاح متعہ بھی ایک قسم کا نکاح ہی ہے ہاں! البتہ اس میں اور نکاح دائمی میں بنیادی فرق دو ہیں:

۱۔ یہ کہ وہ دائمی ہے اور یہ موقت۔

۲۔ جب نکاح دائمی واقع ہو جائے تو موت یا طلاق کے بغیر جدائی نہیں ہو سکتی مگر نکاح متعہ میں موت کے علاوہ مدت کے ختم ہو جانے یا اس کے بخش دینے سے بھی جدائی ہو جاتی ہے۔ یہاں طلاق نہیں ہے۔ بہر حال جب یہ عقد نکاح ہے تو اس کے بھی ارکان اربعہ ہیں

۱۔صیغہ ءعقد یعنی ایجاب وقبول

۲۔حق مہر کا تعین اور اس کی ادائیگی

۳۔مدت کا تعین

۴۔اور اولیاء عقد ومحل متعہ یعنی وہ عورت جس سے متعہ کرنا مطلوب ہے نصوص وفتاویٰ کا اتفاق ہے کہ ہر وہ عورت جس سے نکاح دائمی ہو سکتا ہے اس سے نکاح متعہ بھی ہو سکتا ہے اور جو اولیاء نکاح دائمی میں ہیں وہی نکاح متعہ میں ہیں اور جو شرائط وہاں ہیں وہی یہاں ہیں ''حذو النعل بالنعل''

خلاصہ یہ کہ اس عقد منقطع کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوگی اس کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو عقد دائمی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو حاصل ہوتے ہیں۔اور نکاح دائمی کی طرح بدکار عورت سے عقد متعہ کرنا بھی مکروہ ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ عفیفہ، مومنہ اور مامونہ سے کیا جائے۔متعہ دور یہ وغیرہ بے بنیاد چیزوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ عقد دائمی کی طرح یہاں بھی عدت گذارنا لازم ہے اور یہاں عدت کے وہی احکام ہیں جو وہاں ہیں البتہ وہ عدت دو حیض یا پنتیالیس (۴۵) دن ہے مگر یہ کہ عورت یائسہ ہو۔

ایک غلطی کا ازالہ

خدا بیڑا غرق کرے غلط پراپیگنڈے اور کورکورانہ تقلید کا کہ مفتی اعظم کہلانے والا شخص بھی اس کا شکار ہو کر لکھتا ہے کہ متعہ کی صورت میں سفاح ہی سفاح ہوتا ہے کہ ایک عورت قلیل مدت میں متعدد اشخاص کے استعمال میں آتی ہے۔اور بچہ کسی کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا (معارف القرآن ص ۳۷۲)

حالانکہ اگر شیعی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا جائے تو نکاح کی طرح متعہ میں بھی قلیل مدت کے اندر عورت کے چند اشخاص کے استعمال میں آنے اور اس طرح بچہ کے کسی کی طرف منسوب نہ کئے جاسکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس عقد کے دیگر تفصیلات فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔جن میں سے ایک ہماری فقہی اور استدلالی کتاب قوانین الشریعہ بھی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ...الآية

مسلمان کنیزوں سے نکاح کرنے کے شرائط

چونکہ آزاد عورتوں کا حق مہر اور نان ونفقہ کنیزوں کی نسبت بہت زیادہ ہوا کرتا تھا جس کے برداشت کرنیکی ہر شخص استطاعت نہیں رکھتا تھا دوسری طرف کنیزوں سے نکاح کرنا عربوں میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔تو اسلام نے یہ کہہ کر "بعضکم من بعض" تم ایک دوسرے کا جزء ہو (یعنی تم سب اولاد آدمؑ ہو اور سب کی حقیقت نوعیہ ایک ہے) اس خیال کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص آزاد اور مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کرسکتا ہے اور اس میں اس کی کوئی کسر شان نہیں کیونکہ فضیلت کا دارومدار تقویٰ پر ہے نہ کہ آزاد وغلام ہونے پر اور اگر صبر کرے تو زیادہ بہتر ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں۔

۱۔آزاد اور مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو۔

۲۔اور نکاح کے بغیر بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔تو اس صورت میں مسلمان کنیزوں سے نکاح کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہاں! البتہ جو کچھ اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب ان دو شرطوں میں سے ایک شرط موجود ہو اور دوسری مفقود تو آیا اس صورت میں کنیز سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ؟ اس میں تین قول ہیں:

۱۔حرمت مطلقہ

۲۔جواز مع الکراھۃ

۳۔جس کے پاس آزاد عورت موجود ہو اس کے لئے کنیز سے شادی حرام ہے۔

اصح الاقوال پہلا قول ہے جس کی تائید ظاہر قرآن کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے کہ ''اذا اضطر الیہا فلا بأس'' (کہ جب مضطر ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے) جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کے حبالہ عقد میں آزاد عورت موجود ہے اور تسکین شہوت کے لئے کافی ہے تو اس شخص کے لئے کنیز سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ روایت میں صراحت موجود ہے کہ "من تزوج امة علی حرة فنکاحه باطل'' جو شخص آزاد عورت کی موجودگی میں کنیز سے نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے (فروع کافی)

ہاں! البتہ اگر پہلے کنیز گھر میں موجود ہو تو پھر آزاد عورت سے نکاح کرنا بالاتفاق جائز ہے

توضیح:

بہر حال جب کوئی شخص کسی مسلمان کنیز سے نکاح کرنا چاہے تو اسے چند چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے

۱۔ان کے مالکوں اور سرپرستوں کی اجازت سے کرے۔

۲۔حق مہر ادا کرے یعنی ان کے مالکوں کو دے تا کہ وہ پاکدامن بن جائیں اور نہ اعلانیہ زنا کاری کریں اور نہ پوشیدہ طور پر یار بنائیں جیسا کہ دور جاہلیت میں رائج تھا۔

مخفی نہ رہے کہ کنیز کے ساتھ ''المومنات'' کی قید لگانا اس بات کا ثبوت ہے کہ غیر مسلم عورتوں کے ساتھ عقد نکاح جائز نہیں ہے خواہ وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں سے ہوں یا کسی اور گروہ سے۔لہٰذا جو بعض فقہاء کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا عقد نکاح جائز جانتے ہیں۔اس سے ان کی رد ہو جاتی ہے کیونکہ کتابیہ عورت مومنہ نہیں ہوتی اس مسئلہ کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے

فَاِذَآ اُحۡصِنَ...الآیۃ

ایک اشکال اوراس کا جواب

یہاں ان لوگوں کی طرف سے جوزنا کی سزارجم کے منکر ہیں یہ اشکال کیاجاتا ہے کہ اگراسلام میں آزاد اورشادی شدہ عورت کی سزارجم ہے(جنہیں ''محصنت'' کہاجاتا ہے) تواس کی نصف سزا کیا ہوسکتی ہے؟

پس اس سے معلوم ہوا کہ اس کی سزا سوکوڑے ہیں جس کا نصف پچاس کوڑے ہیں۔اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ **محصن، محصنه، اور محصنات** وغیرہ الفاظ کا ماخذ احصان ہے جس کے لغوی معنی حفاظت کرنے اورروکنے کے ہیں اسی لئے قلعہ کوحصن اورزرہ کودرع حصینہ کہاجاتا ہے کہ وہ آدمی کودشمن کے حملہ اوراس کے وار سے محفوظ رکھتے ہیں۔

بنابریں جومرداورعورت زناکاری سے اپنی حفاظت کریں ان کو **محصن** اور **محصنه** کہاجاتا ہے اب رہی اس بات کی تحقیق انیق کہ اس حفاظت کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ تتبع واستقراء سے درج ذیل اسباب معلوم ہوئے ہیں

۱۔اسلام

۲۔آزادی اورخاندانی ہونا

۳۔فطری عفت وپاکدامنی

۴۔بکارت

۵۔ازدواج

ان اسباب میں سے ہرایک سبب ایسا ہے جوآدمی کوبدکاری سے روکتا ہے اورپاکدامنی اختیارکرنے پر آمادہ کرتا ہے۔لہٰذا ہرجگہ موقع ومحل اورقرینہ کی مناسبت سے اس لفظ کے معنی متعین کئے جائیں گے۔چنانچہ اس آیت میں محصنت سے مرادوہ آزادباکرہ لڑکیاں ہیں(جن کی سزازنا کرنے کی صورت میں سودرے ہے جس کی نصف سزایعنی پچاس درے کنیزکودی جائیگی) اوریہ تعین سنت نبوی کے پیش نظرکیا گیا ہے جیسا کہ سابقہ آیت میں''**والمحصنت من النساء**''میں اس سے مرادشوہردارعورتیں ہیں اورچونکہ جسطرح اسلام آزادی،طبعی عفت،بکارت اورزواج بدکاری سے روکنے والے اورپاک دامنی پرآمادہ کرنے والے اسباب ہیں اس لئے اگر ان اسباب کی موجودگی میں کوئی مردیازن بدکاری کرے تواس کی سزاکڑی ہے بالخصوص جبکہ زانی اورزانیہ شادی شدہ ہوں کہ اس کی سزارجم ہے۔جس کی تنصیف نہیں ہوسکتی اسی طرح غلام اورکنیزہوناوہ اسباب ہیں جہاں گناہ کرنے کے مواقع زیادہ اوران سے بچنے کے امکانات کم ہیں لہٰذا شریعت اسلامیہ میں غلام اورکنیز کی سزا

بہر حال خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کنوارے، آزاد آدمی کی سزا کا نصف قرار دی گئی ہے۔

فقہ جعفریہ کا بھی یہی ضابطہ ہے اور برادران اسلامی کے ائمہ اربعہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ کنیزوں کا حکم تو ''بعبارۃ النص'' مذکور ہے اور بطور ''دلالۃ النص'' غلام کا حکم بھی اسی سے معلوم ہوجاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس مرد یا عورت کو آزادی اور خاندانی حفاظت کے ساتھ ساتھ عقد وازدواج والی حفاظت بھی حاصل ہو یعنی شادی شدہ ہو جنہیں فقہی اصطلاح میں محصن ومحصنہ کہا جاتا ہے پھر بھی زنا کاری وبدکاری کریں تو ان کی سزا رجم (سنگسار کرنا) ہے اور جن کو آزادی اور خاندانی ہونے کی حفاظت تو حاصل ہو مگر نکاح کی حفاظت حاصل نہ ہو تو فقہ میں جنہیں غیر محصن اور غیر محصنہ کہا جاتا ہے اور پھر بدکاری کریں تو ان کی سزا سو درے ہے اور غلام اور کنیز بدکاری کریں تو ان کی سزا بہر حال مذکورہ بالا سزا کی نصف ہے۔ یعنی پچاس درے ہے۔ اور اس کی وجہ اوپر واضح کر دی گئے ہے۔ **والحمد اللہ علی وضوح الحق والحقیقۃ**

غلامی کے نظام میں اسلام کی بعض اصلاحات کا تذکرہ

ایضاح: مخفی نہ رہے کہ غلام وکنیز کی سزا کا آزاد مرد وعورت کی سزا سے نصف ہونا بھی منجملہ ان اصلاحات کے ہے جو اسلام نے غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں کی ہیں ظاہر ہے کہ اسلام کی آمد اور نزول قرآن سے پہلے غلامی کی رسم ساری دنیا میں اس طرح رائج تھی کہ طاقتور قومیں کمزور قوموں کے افراد کو اپنا غلام بنا لیتی تھیں۔ اور پھر ان کے ساتھ غیر انسانی اور وحشیانہ سلوک روا رکھتی تھیں۔ گو اسلام میں بھی اسے یکدم ختم تو نہیں کیا مگر اس میں ایسی مناسب اصلاحات کی ہیں کہ جس کے بعد غلام اور کنیزیں انسانی بلکہ اسلامی سوسائٹی کا ایک جزو بن گئے ہیں۔ مثلاً اسلام نے پہلی اصلاح تو یہ کی ہے غلامی کو صرف اسیران جنگ تک محدود کر دیا ہے اور پھر بھی غلامی کے امکان کو کم کرتے ہوئے فرمایا:

''فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً'' (سورہ محمد آیت۔ ۴) کہ اسیروں کو فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔

اور دوسری اصلاح یہ کی ہے کہ غلاموں اور کنیزوں کے حقوق پر اس قدر زور دیا ہے کہ ان کے لئے وہ خصوصی قوانین مقرر کیے ہیں کہ اب غلامی اور کنیزی نہیں رہی اور اسی لئے اسلام نے کنیزوں سے نکاح کرنے کی رغبت دی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ انسان ہونے کے ناطے سے سب انسان برابر ہیں۔ ہاں! البتہ فضیلت اور تکریم کا معیار ایمان ونیک عمل اور تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے کہ:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

آیات القرآن

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ چاہتا ہے کہ (تم سے اپنے احکام) کھول کر بیان کردے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں پر چلائے جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور تمہاری توبہ قبول کرے اللہ بڑا جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (۲۶) اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے مگر وہ لوگ جو خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (راہ راست سے بھٹک کر) بہت دور نکل جاؤ (۲۷) اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے (کیونکہ) انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (۲۸) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے تجارتی معاملہ ہو۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے (۲۹) اور جو شخص ظلم و تعدی سے ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اسے آتش (دوزخ) میں ڈالیں گے اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (۳۰)

تفسیر الآیات

یُرِیْدُ اللّٰہُ...الآیۃ۲۶

مطلب یہ کہ اس سورہ اور پہلی سورہ میں تمدن و معاشرت کی مختلف جو ہدایات دی گئی ہیں اور عورتوں کی حلت و حرمت کے بارے میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں اس سب کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ یہ ہدایات و احکام کوئی نئے نہیں ہیں اور شریعت اسلامیہ سے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ سابق انبیاء کی شریعتوں میں بھی آچکے ہیں اور اللہ کے صالح اور نیکوکار بندے ان پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔

ہاں! البتہ دور جاہلیت میں انہیں طاق نسیان کی زینت بنا دیا گیا تھا اور قرآن میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے ان کی ازسرنو تجدید اور توثیق کردی گئی ہے۔ اور یہ سب احکام شریعت اسلامیہ کا حصہ بن گئے ہیں جس کی پیروی ہم سب پر واجب ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ پہلے والوں کے طریقہ پر لگانا۔ صرف حلال وحرام کے امتیاز کے عام پہلو کے لحاظ سے ہو جس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ حلال وحرام کی پابندی بالکل وہی ہو جو شرائع سابقہ میں تھی (فصل الخطاب بحوالہ تفسیر تبیان)

خلاصۂ وکلام یہ ہے کہ زندگی گذارنے کے جو طریقے قرآن میں بیان کئے گئے ہیں وہ کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ خدائے حکیم ہر دور میں اپنے نبیوں کے ذریعے سے ان کا اعلان کراتا رہا ہے اور ہر دور کے دیندار لوگ ان پر عمل کرتے رہے ہیں۔ البتہ قدیم آسمانی کتابوں کے تغیر و تبدل سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے یہ ہدایات و احکام بھی محفوظ نہ رہے تھے تو اب خدائے علیم و حکیم نے اپنے آخری پیغمبر رحمۃ للعالمین پر ان کو نازل کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انہیں محفوظ کردیا۔ تو گویا آج جو شخص یا جو گروہ ان طریقوں کے سانچہ میں اپنی زندگی ڈھالتا ہے تو گویا وہ اس صالحین کی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے جس کو اللہ کی بے پایاں ورحمتوں میں سے وافر حصہ ملا تھا اور وہ ہر دور میں اللہ کے اسی راستہ پر چلی جو اس نے اپنے اطاعت گذار اور وفادار بندوں کے لئے مقرر کیا تھا۔

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ...الآیۃ۲۷

خدا تَوَّابٌ وَّرَحِیْمٌ ہے

اللہ تو یقیناً چاہتا ہے کہ لوگ اپنی سابقہ غلط روش و رفتار پر نادم ہوں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ وانابہ کریں اور اسلامی تعلیمات وہدایات اور قرآنی اوامر واحکام پر عمل کریں تاکہ خدائے تواب ان کی توبہ قبول

فرمائے۔

خواہشات کے بندے تمہیں راہ راست سے بھٹکانا چاہتے ہیں

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ خواہشات کے بندے کون ہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ یہ کافر ہیں بعض کا خیال ہے یہ یہود ونصاریٰ ہیں؟

بعض کا خیال ہے کہ یہ زنا کار گنہگار اور فاسق وفاجر ہیں ارجح یہ ہے کہ اسے عموم پر محمول کیا جائے اور اس سے تمام ادیان باطلہ اور مذاہب فاسدہ سے تعلق رکھنے والے وہ بدکار وگنہگار اور جری وجسور لوگ مراد لئے جائیں جنکی نظر میں گناہ وثواب اور حلال وحرام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان میں سے کچھ نکاح کی قیدوں کو ختم کر کے عورت کو متاع مشترک ہونے کی قرار دادیں پاس کر رہے ہیں اور ہر قسم کی دینی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہتے ہیں اور ان میں کچھ وہ ڈھلمل یقین لوگ بھی شامل ہیں جو چاہتے ہیں کہ دین میں اس قسم کی رخصتیں تلاش کریں تا کہ وہ رند کے رند بھی رہیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی راہ راست سے بھٹکا کر اپنی کجروی کی طرف متوجہ ومائل کریں کیونکہ آدمی کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ جیسا خود ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد کے ماحول اور اپنے دوست واحباب کو بھی ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہے ارشاد قدرت ہے:

''وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً''۔ یہ کافر لوگ پسند کرتے ہیں ان کی طرح تم بھی کفر اختیار کرو تا کہ پھر سب برابر ہو جاو (سورہ نساء آیت۔ ۸۹)

وَدُّ وۡالَو کَفَر نَاۤ فَاسۡتَوِیۡنا
وَصَارَ النَّاس کَالشِیٔ المشُوۡبِ

تو خدائے رحیم کریم از راہ لطف وکرم اپنے بندوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے اور ان کے دام ہم رنگ زمین سے بچنے کی تلقین فرما رہا ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین وایمان پر غیر شعوری طور پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ...الآیۃ

چونکہ خالق فطرت جانتا ہے کہ انسان جسم وجان کے لحاظ سے بھی کمزور ہے اور عزم وارادہ کے اعتبار سے بھی کمزور واقع ہوا ہے اور پھر اس میں قوت غضبیہ وشھویہ بھی موجود ہے اس لئے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام میں انسانی سہولت کا خاص خیال رکھا ہے اور ان میں کوئی ایسی سختی روا نہیں رکھی جو انسان کی طاقت

برداشت سے باہر ہو بالخصوص عقدوازدواج کے بارے میں بڑے سہل احکام وضع فرمائے ہیں۔آزادعورتوں سے نکاح کرو۔ اس کی طاقت نہ ہوتو کنیزوں سے کرلو اور اگر ایک سے حاجت برآری نہ ہوتو پھر دو۔دو۔ تین۔تین اور چار چار کرلو۔ بشرطیکہ عدل اسلامی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ پھر مہر میں یہ چھوٹ دی کہ اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کی بلکہ طرفین کی رضامندی سے جو طے ہوجائے وہی کافی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ باتیں اسلام میں جبر اور تکلیف مالا یطاق کے بطلان کا بہترین برہان ہیں۔''يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ''(سورہ بقرہ آیت۔۱۸۵)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہاری آسائش چاہتا ہے تمہاری تنگی وتکلیف نہیں چاہتا اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان احکام پر عمل نہیں کرتا تو یہ اس کی حرماں نصیبی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ...الآية

اس آیت مبارکہ کا پہلا حصہ(لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ)قبل ازیں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۸ میں گذر چکا ہے اور وہیں اس کی تفسیر لکھی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلامی تجارت کا تذکرہ

ہاں!البتہ یہاں اس میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ''اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ''مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارتی معاملہ ہو۔ یہ استثناء منقطع ہے یعنی اکل مال بالباطل تو کسی صورت میں جائز نہیں ہے ہاں!البتہ جو اکل المال بالباطل نہ ہو جیسے باہمی رضامندی والا تجارتی معاملہ ہو تو وہ جائز ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کسب حلال،اکل حلال اور صدق مقال پر بڑا زور دیتا ہے اور اکل المال بالباطل یعنی ناحق طریقہ سے کسی کا مال کھانے سے پوری شدت کے ساتھ منع کرتا ہے اور یہ لفظ ''بالباطل'' ان تمام صورتوں کو شامل ہے جو شرعاً ممنوع ہیں جیسے دھوکہ دہی،فریب کاری، چوری چکاری، راہزنی وڈاکہ زنی،غصب ونہب ،خیانت وبددیانتی،سود ورشوت اور قمار بازی وغیرہ فاسد وباطل معاملات ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہ وحدیث میں مذکور ہیں تجارت کے علاوہ بعض اور بھی جائز طریقے ہیں جیسے ھبہ،صدقہ اور میراث وخیرات اور اجارہ وغیرہ مگر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرنے کا معروف ومشہور اور متداول اور کسب معاش کا افضل طریقہ تجارت ہی ہے اس لئے اس کی تصریح کی گئی ہے۔ ویسے بعض مفسرین کی تحقیق کے

مطابق اجارہ یعنی مزدوری اور کرایہ کا معاملہ بھی تجارت میں داخل ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ تجارت میں مال کے بدلے مال ہوتا ہے اور یہاں خدمت اور محنت کے بدلے مال ہوتا ہے۔

تجارت کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

اور اس کے حدود و قیود کیا ہیں۔ ان امور کی تفصیل کا محل تفسیر نہیں ہے بلکہ فقہ ہے وہاں یہ تفصیلات ملیں گی کہ

(الف) دونوں طرف مال تو موجود ہے مگر فریقین راضی نہ ہوں تو یہ معاملہ باطل ہے۔

(ب) ایک طرف مال موجود ہے مگر دوسری طرف موجود نہ ہو بلکہ مشکوک ہو تو تب بھی یہ معاملہ باطل ہے

(ج) ایک جانب رضامندی ہو مگر دوسری جانب سے رضامندی نہ ہو تو یہ معاملہ فاسد ہے

(د) رضامندی ہو مگر بامر مجبوری ہو جیسے **احتکار** کی صورت میں گراں فروشی میں ہوتا ہے تو یہ معاملہ بھی فاسد ہے

(ح) یا جنس قبضے میں لینے سے پہلے آگے نفع پر فروخت کر دینا کہ یہ معاملہ بھی ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ الغرض اسلام ایسی صاف ستھری تجارت اور کاروبار کی اجازت دیتا ہے جس کی ادیان عالم میں کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔ خلاصہ یہ کہ اسلام ناجائز طریقہ پر کسی کا مال کھانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ ہاں! اگر ملی جلی تجارت ہو تو پھر باہمی رضامندی سے ہر شخص اپنا حصہ لے سکتا ہے اور بخوشی کھا سکتا ہے۔

وَلَاتَقْتُلُوْٓا...الآیۃ

اس ممانعت میں جہاں دوسرے مسلمانوں کو ناحق قتل کرنا داخل ہے وہاں خودکشی بھی اس میں داخل ہے اور بعض اخبار و آثار کے مطابق قتل کی اس میں ایک اور قسم بھی داخل ہے کہ بعض غزوات میں بعض مسلمان جوش جہاد میں حضرت رسول خداؐ سے اجازت لئے بغیر مشرکین سے بھڑ جاتے تھے یا پھر قتل کرتے تھے یا قتل ہو جاتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ایسا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے (تفسیر قمی)

حضرت امیر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسولؐ سے پوچھا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو اس پر پٹی بندھی ہوئی ہو وہ وضو کس طرح کرے اور جب جنب ہو جائے تو غسل جنابت کس طرح کرے؟

فرمایا: اس صورت میں پٹی پر گیلا ہاتھ پھیرنا کافی ہے۔
پھر عرض کیا کہ اگر ایسی سردی ہو کہ اگر جسم پر پانی ڈالا گیا تو جان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔
تو اس پر آنحضرتؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ''وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا' مطلب یہ کہ ایسی صورت میں غسل کے بدل تیمم کیا جائے غسل نہ کیا جاے (تفسیر عیاشی۔الوسائل)

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ جان خالق کون ومکان کی وہ مقدس امانت ہے کہ اس کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی طرح بھی اس کا اتلاف وضیاع جائز نہیں ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ''وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ'' (سورہ بقرہ آیت۔١٩٥) اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔مخفی نہ رہے کہ اس آیت مبارکہ میں ایک مسلمان کے نفس کو اپنا نفس کہا گیا ہے کیونکہ وہ ایک ہی ملت کے افراد ہیں اور پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ ''المومنون کنفس واحدة' کہ تمام مسلمان بمنزلہ ایک نفس کے ہیں (تفسیر ابوالفتوح رازی)
بنابریں اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرے گا تو اس سے اس کا اپنا نقصان ہوگا۔اس سے اگر کوئی بچہ یتیم ہوگا تو اسی کی ملت کا، اگر کوئی عورت بیوہ ہوگی تو وہ اسی کی مسلمان بہن ہوگی اور اگر اس سے ایک گھر تباہ و برباد ہوگا تو اسی کی مسلم برادری کا لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ع

چراکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

وَمَنْ يَّفْعَلْ...الآية

جو شخص ظلم وتعدی سے ایسا کرے گا یعنی کسی کا مال ناحق دبا جائے گا یا کسی مسلمان کا ناحق خون بہائے گا یا اپنی جان کا ضیاع کرے گا تو ہم اس کو آتش دوزخ کا مزہ چکھائیں گے اور یہ بات قادر مطلق خدا کے لئے بالکل آسان ہے، مخفی نہ رہے کہ اس ظلم وعدوان کی قید سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خطاء وسہو یا سہو ونسیان کی وجہ سے کوئی ایسا کام واقدام کرے گا تو وہ اس وعید وتہدید سے بچ جائے گا اور اس وزر و وبال سے محفوظ رہے گا۔

آیات القرآن

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ

عَلٰى بَعۡضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ ؕ وَسۡـئَلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِى الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

اگرتم ان بڑے (گناہوں) سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کردیں گے (معاف کردیں گے) اور تمہیں ایک معزز (جنت) میں داخل کریں گے (۳۱) اور اللہ نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض پر جو زیادتی (بڑائی) عطا کی ہے تم اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کا حصہ ہے (مال واعمال وغیرہ سے) جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کا حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کے فضل وکرم کا سوال کرو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (۳۲) اور مال کے لئے ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں جو کچھ ماں، باپ اور قریب ترین رشتہ دار اور جن سے تم نے عہد و پیمان کررکھا ہے چھوڑ جائیں انہیں (وارثوں کو) ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ (مطلع) ہے (۳۴) مرد عورتوں کے محافظ و منتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے بعض (مردوں) کو بعض عورتوں پر فضیلت دی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں سو نیک عورتیں تو اطاعت گذار ہوتی ہے اور جس طرح اللہ نے (شوہروں کے ذریعے) ان کی حفاظت کی ہے

اسی طرح پیٹھ پیچھے (شوہروں کے مال اور اپنی ناموس کی) حفاظت کرنیوالی ہوتی ہیں اور وہ عورتیں جن کی سرکشی کا تمہیں اندیشہ ہو انہیں (نرمی سے) سمجھاؤ (بعد ازاں) انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دو اور (آخر کار) انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان کے خلاف کوئی اور اقدام کرنے کے راستے تلاش نہ کرو۔ یقینا اللہ (اپنی کبریائی میں) سب سے بالا اور بڑا ہے۔ (۳۴)

تفسیر الآیات

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا ...الآیۃ

گناہان کبیرہ وصغیرہ کا بیان

ارباب شریعت کی اصطلاح میں گناہان کبیرہ اور گناہاں صغیرہ کی دو لفظیں عام استعمال ہوتی ہیں یعنی گناہ دو قسم کے ہیں بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ یہاں خدائے رحیم وکریم نے وعدہ کیا ہے کہ اگر تم گناہان کبیرہ سے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے گناہان صغیرہ معاف کر دیں گے۔ اور چھوٹی لغزشیں اور کمزوریاں محو کر دی جائینگی اور یہ اصطلاح قرآن کی متعدد آیات اور احادیث کی متعدد تصریحات میں وارد ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

''لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا'' اس نامہ اعمال نے کوئی صغیرہ یا کبیرہ نہیں چھوڑا سب کا احصا کر دیا ہے (کہف آیت۔۴۹)

ایک اور جگہ فرماتا ہے: ''اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ'' جو لوگ ماسوائے معمولی صغیرہ گناہوں کے بڑے گناہوں اور فحش کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ (سورہ نجم آیت۔۳۲)

یہاں ''لمم'' سے بالاتفاق گناہاں صغیرہ مراد ہیں ایک جگہ فرماتا ہے:

''وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ'' اللہ نے تمہارے لئے کفر، فسوق، اور عصیان کو ناپسند کیا ہے۔ (سورہ حجرات آیت۔۷)

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ منہیات کی تین قسمیں ہیں

۱۔ کفر۔ ۲۔ فسوق جس کا مطلب گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرنا ہے۔

۳۔ عصیان جس کا مفہوم گناہان صغیرہ کا ارتکاب کرنا ہے (تفسیر کاشف)

اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ''لا کبیرة مع الاستغفار ولا صغیرة مع الاصرار ''یعنی توبہ واستغفار کرنے سے گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا (معاف ہوجاتا ہے) اور اصرار و تکرار سے گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ (کبیرہ ہوجاتا ہے) اسی بنا پر فقہی کتابوں میں عدالت کی تعریف میں لکھا ہے کہ عادل وہ ہے جو گناہاں کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرے یہاں قابل غور بات صرف یہ ہے کہ کبیرہ وصغیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور پھر گناہان کبیرہ کس قدر ہیں؟

کبیرہ وصغیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور پھر گناہان کبیرہ کس قدر ہیں؟

ظاہر ہے کہ قرآن نے تو اس کی کوئی حد بندی نہیں فرمائی اور نہ ہی کچھ گناہاں کبیرہ کے نام گنوائے ہیں مگر وارثان قرآن یعنی آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث میں اس کا معیار یہ قرار دیا گیا ہے کہ ہر وہ گناہ جس کے ارتکاب پر خدا نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے یا جس کی شریعت نے حد مقرر کی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو ایسا نہیں ہے وہ گناہ صغیرہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ گناہان کبیرہ کیا ہیں؟ تو فرمایا'' کل شئ وعد الله علیه النار '' ہر وہ گناہ جس پر خدا نے آتش دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔ (عیاشی، برہان، صافی، البحار)

اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ''ان تجتنبوا کبائر '' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''من اجتنب ما وعدالله علیه النار اذا کان مومنا کفر الله عنه سیئاته'' جب کوئی بندہ مومن ان گناہوں سے اجتناب کرتا ہے جن پر خدا نے دوزخ کی تہدید کی ہے تو خدا اس کے چھوٹے گناہ معاف فرمادے گا۔ (ایضاً)

حضرات معصومین علیہم السلام کے ان فرامین سے اس اختلاف کا خاتمہ ہوجانا چاہیے جو علماء کرام میں پایا جاتا ہے کہ کوئی کہتا ہے کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے بلکہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ یہ تقسیم اضافی ہے یعنی کہ ہر گناہ اپنے بڑے گناہ کی نسبت سے صغیرہ ہے اور اپنے سے چھوٹے کی نسبت سے کبیرہ ہے جیسے نامحرم عورت پر نگاہ بد ڈالنا گناہ کبیرہ ہے مگر بوس وکنار کی نسبت سے صغیرہ ہے پھر بوس وکنار گناہ کبیرہ ہے مگر زنا کی نسبت سے صغیرہ ہے۔ پھر عام زنا گناہ کبیرہ ہے مگر محارم سے زنا کی نسبت صغیرہ ہے'' وعلی هذا القیاس''

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ گناہان کبیرہ کی تعداد کس قدر ہے؟ تو بعض حدیثوں میں نام لے کر بعض گناہوں کی فہرست بتائی گئی ہے مگر ان حدیثوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بظاہر یہ اختلاف کبائر اور اکبر الکبائر کے اختلاف پر محمول ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں ہم ایک مبسوط ومفصل حدیث پیش کرنے پر اکتفا

کرتے ہیں جس میں سب سے زیادہ یکجا گناہان کبیرہ بیان کئے گئے ہیں ''شاہزاد عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی حضرت امام محمد تقیؑ سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت امام علی بن موسی الرضاؑ سے اور وہ اپنے والد ماجد امام موسی کاظمؑ سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک بار ''عمرو بن عبید بصری'' (برادران اہلسنت میں سے معتزلہ کا مقتدر عالم) حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور پھر اس آیت کی تلاوت کی ''الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش'' اور خاموش ہو گیا۔ امامؑ نے فرمایا! خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ کتاب اللہ کی روشنی میں پتہ چلے کہ گناہان کبیرہ کیا ہیں؟ امامؑ نے فرمایا ہاں! اے عمرو!

۱۔ اکبر الکبائر شرک ہے چنانچہ اس کے بارے میں خدا فرماتا ہے ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ'' نیز فرماتا ہے ''ومن یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ''

۲۔ اللہ کی رحمت سے ناامیدی۔ چنانچہ فرماتا ہے ''ولا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون''

۳۔ اللہ کے مکر و عذاب سے مامون ہونا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے ''ولا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون''

۴۔ والدین کی نافرمانی چنانچہ خدا نے ماں باپ کے عاق کو جبار و شقی قرار دیا ہے فرماتا ہے ''وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا''

۵۔ قتل مومن چنانچہ فرماتا ہے ''ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا''

۶۔ مومنہ عورتوں پر تہمت زنا لگانا چنانچہ فرماتا ہے ''ان الذین یرمون المحصنت الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم''

۷۔ یتیم کا مال کھانا چنانچہ فرماتا ہے ''ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا''

۸۔ میدان جہاد سے فرار کرنا چنانچہ فرماتا ہے ''ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر''

۹۔ سود خواری چنانچہ فرماتا ہے ''الذین یاکلون الرباء لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس'' نیز فرماتا ھے '' فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ

ورسوله"

۱۰۔جادوکرنا چنانچہ فرماتا ہے"ولقد علموا لمن اشتراه ماله فی الاخرة من خلاق"

۱۱۔زنا کاری۔ چنانچہ فرماتا ہے"ومن یفعل ذلك یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا"

۱۲۔جھوٹی قسم کھانا۔ چنانچہ فرماتا ہے"ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمناً قلیلا اولئك لا خلاق لهم فی الاخرة"

۱۳۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا چنانچہ خدا فرماتا ہے"ومن یغلل یات بما غل یوم القیامة"

۱۴۔زکوۃ ادانہ کرنا چنانچہ فرماتا ہے"یوم یحمی علیها فی نار جهنم فتکوی بها جباههم وجنوبهم وظهورهم"

۱۶۔شراب خواری۔ چنانچہ خدا اسے بت پرستی کے ساتھ ملا کر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے"انما الخمر والمیسر والازلام والانصاب رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون"

۱۷۔نماز فریضہ یا اللہ کے دیگر فرائض کا ترک کرنا چنانچہ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں" من ترك الصلوة متعمدا فقد برئی من ذمة الله وذمة رسوله"

۱۸۔عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرنا چنانچہ خدا فرماتا ہے"الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل" نیز فرماتا ہے "یا ایها الذین امنوا اوفو ا بالعقود"

۱۹۔قطع رحمی کرنا چنانچہ فرماتا ہے"اولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار"راوی کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام کا یہ کلام حق ترجمان سن کر عمرو بن عبید اس طرح بارگاہ امام سے باہر نکلا کہ بآواز بلند گریہ و بکا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ"هلك من قال بر ائه وناز عکم فی الفضل والعلم یا اهل بیت" اے اہل بیت نبوت وہ شخص ہلاک ہوگیا جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کوئی بات کی اور فضل وکمال میں آپ سے جھگڑا کیا (تفسیر مجمع البیان وکاشف وغیرہ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز فریضہ کے علاوہ دوسرا مسلمہ اسلامی فرائض کا ترک کرنا بھی

گناہان کبیرہ میں داخل ہے فتدبر

وَلَا تَتَمَنَّوۡا...الآیۃ

دنیا کی ہر دو چیزوں میں فرق مراتب ہے

تیسرے پارہ کے آغاز میں اس بات پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے کہ خالق حکیم نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے کائنات کی ہر ہر جنس، ہر ہر نوع اور ہر ہر صنف اور پھر ہر ہر فرد میں مدارج و مراتب کا فرق رکھا ہے اور دنیا جہاں کی کوئی بھی دو چیزیں ہر لحاظ سے برابر نہیں ہیں اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے

نعمات وکمالات کی دو قسمیں ہیں اختیاری اور غیر اختیاری

مگر یہ فرق مراتب اور کمالات میں اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جس کا انسان کے کسب واکتساب اور اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے شکل وصورت، ذہانت وفطانت، اور حسب ونسب وغیرہ کا اختلاف۔ کہ کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت، کوئی ذہین وفطین ہے اور کوئی کند ذہن اور کوئی کسی اعلی خاندان کا چشم و چراغ ہے اور کوئی ادنی خاندان کا فرد کوئی زیادہ جسمانی اور ذہنی قوتوں کا مالک ہے اور کوئی کم کا ظاہر ہے کہ ان کمالات میں انسان کا کوئی دخل ودل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی دین ہے ''ذلك فضل الله یوتیه من یشاء'' اسی لئے ان چیزوں کو انسانی مجد وشرف کا معیار قرار نہیں دیا گیا یہ سب دنیوی اہمیت کی حامل چیزیں ہیں جو دنیا میں ملی ہیں اور دنیا میں ہی رہ جائیں گی اخروی فوز وفلاح کا تعلق تو ایمان وعمل کے ساتھ ہے جو آدمی اپنے عزم وارادہ کے ساتھ اختیار کرتا ہے ''ان اکرمکم عندا الله اتقاکم'' لہٰذا جس شخص کو خالق حکیم نے اپنی کسی تکوینی حکمت ومصلحت کے تحت ان انعامات سے محروم رکھا ہے اگر وہ یہ تمنا کرے کہ وہ بھی اس جیسا بن جائے جسے ان احسانات سے نوازا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک خیال محال ہے کیونکہ وہ کسی طرح بھی کسی انسانی حیلہ وتدبیر سے ان چیزوں کو حاصل نہیں کرسکتا اسلئے خدا نے ایسی تمنا وآرزو کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ وہ ایسی تمنا کرکے اپنی خوشگوار زندگی کو تلخ نہ بنائے بلکہ اپنی قسمت پر راضی رہے اور یقین رکھے کہ اسی میں اس کی بہتری ہے کیونکہ جہاں اس چیز کا حصول ناممکن ہے وہاں یہ تمنا کرنا دراصل خدا کی عادلانہ تقسیم پر ناراضگی بھی ہے اور اگر ایسا شخص یہ چاہے کہ اگر یہ چیزیں مجھے حاصل نہیں ہوسکتیں تو پھر وہ اس شخص سے بھی چھن جائیں جسے حاصل ہیں تاکہ یہ اور وہ برابر ہو جائیں تو اس چیز کا نام حسد ہے جس کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

''لا تحاسدوا فان الحسد یاکل الایمان کما تاکل النار الحطب'' (آپس میں حسد نہ

کرو۔ کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ...الآية

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول میں وارد ہے کہ عورتوں کا ایک نمائندہ وفد حضرت رسول خداؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا خدا مردوں کا خدا ہے اور عورتوں کا خدا نہیں ہے؟ فرمایا سب کا خدا ہے پھر عرض کیا کیا آپ مردوں اور عورتوں کے رسولؐ نہیں ہیں؟ فرمایا کہ ہاں میں سب کا رسولؐ ہوں۔ عرض کیا پھر کیا وجہ ہے کہ خدا ہر جگہ مردوں کا تذکرہ کرتا ہے ہمارا کہیں تذکرہ نہیں کرتا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ شاید ہم میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہے یا خدا کو ہماری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ للرجال نصیب مما اکتسبوا۔ الایۃ۔ (مجمع البیان) اس آیت مبارکہ نے دو چیزیں واضح کردی ہیں ایک یہ کہ مرد کی طرح عورت کو بھی مال ودولت کمانے کا شرعاً حق حاصل ہے اور وہ مرد کی طرح اپنی کمائی کی مالک بھی ہے اور اس میں تصرف کرنے کا اسے حق بھی حاصل ہے اس سے اس تفریق کا خاتمہ ہوجاتا ہے جو صدیوں سے مرد وزن کے درمیان قائم تھی۔ دوسرے یہ کہ جن فضائل وکمالات کا انسانی اکتساب واختیار سے تعلق ہے جیسے علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات جن پر انسانی مجد وشرف کا دارومدار ہے ان کے حاصل کرنے میں بھی مرد کی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے اور مرد کی طرح اسے بھی اس کی سعی وکوشش کا ثمر وحصہ ضرور ملتا ہے لہٰذا عورت کے لئے عورت ہونا کوئی باعث ننگ وعار بات نہیں ہے بلکہ تکوینی مصلحتوں کے پیش نظر مرد وزن کا وجود ناگزیر ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ع

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

سب کو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کا سوال کرنا چاہیے اور اسکے حاصل کرنے کے لئے عملی کدوکاوش بھی کرنی چاہیے بہرحال ارشاد قدرت ہے ''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعضکم من بعضٍ'' (آل عمران آیت۔ ۱۹۵)

اِنَّ اللّٰہَ...الآیۃ

اس فقرہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ جس کو جس پر فضیلت اور زیادتی عطا کرتا ہے اپنی عدالت وریاست کے مطابق کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا کون مستحق ہے اور کون مستحق نہیں۔ وہ بلاوجہ ہرگز ایسا نہیں کرتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ

توفیق با ندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ بنا تھا

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا ...الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس نے ہر مرنے والے مرد و زن کے لئے وارث بنائے ہیں جو اس کی موت کے بعد اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے وارث ہوتے ہیں ''واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ'' اور ان میں یہی (اقرب وابعد والا قانون جاری ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم الارث متصور ہوتا ہے اب اس آیت مبارکہ میں وراثت نسبی اور سببی کی دونوں قسمیوں کے مورث کے ہر سہ گانہ اقسام کا بیان کیا جارہا ہے۔ کہ مرنے والے (مورث) تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ماں باپ۔ جن میں دادا، دادی اور نانا، نانی داخل ہیں

۲۔ قریب ترین رشتہ دار جن میں اولاد بھائی بہن اور چچے و ماموں اور ان کی اولاد داخل ہیں

۳۔ جس کے اور وارث کے درمیان کوئی خاص یا عام عقد وعہد واقع ہوا ہو جیسے عقد نکاح (جس کے میاں بیوی مراد ہیں عقد ملک (جس سے مالک اور مملوک مراد ہیں) جہاں مالک غلام کو آزاد کردے کہ جب یہ آزاد کردہ غلام مرجائے اور اس کا کوئی رشتہ دار وارث نہ ہو تو یہ آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوگا۔ عقد ضمان۔ جریرہ جس سے وہ دو حلیف مراد ہیں جو ایکدوسرے کی جنایت کا تاوان ادا کرنے کے ضامن ہوتے ہیں کہ اس صورت میں جب ضامن کے سوا کوئی وارث نہ ہو تو وہ وارث متصور ہوگا)

اور عقد اسلام اور اس سے وہ عام عہد مراد ہے جو ایک مسلمان اور پیغمبر اسلامؐ کے درمیان یا ایک ماموم اور اس کے امام کے درمیان واقع ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسا مسلمان مرجائے جس کا اور کوئی وارث نہ ہو تو نبی یا ان کی قائمقام یعنی امام اس کے وارث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا! ''انا وارث من لاوارث لہ'' جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں وارث ہوں (تفسیر کاشف) اس ارشاد خداوندی سے بھی اس بات کی تائید مزید ہوتی ہے کہ ''النبی اولی بالمومنین من انفسھم'' (احزاب) یہ سب آخری وارث اس فقرہ ''والذین عقدت ایمانکم'' (جن سے تم نے عہد و پیماں کر رکھا ہے یا جنہیں تمہاری قسموں نے باہم وابستہ کر رکھا ہے) میں داخل ہیں بنا بریں ''والذین عقدت ایمانکم'' جملہ مستانفہ اور مبتداء و خبر نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر و بیشتر مترجمین ومفسرین نے اس کا ترجمہ وتفسیر کی ہے بلکہ اس کا ''الوالدان والاقربون''

پر عطف ہے اور ترک کا فاعل ہے لہٰذا والاقربون پر وقف جائز نہ ہوگا اور بنابریں ''**واتوھم نصیبھم**'' میں ''**ھم**'' کی ضمیر کا مرجع موالی ہوگا اور اس کا تعلق تمام وارثوں سے ہوگا۔ کہ ان سب کو ان کا مقررہ حصہ دے دو۔ والدین بھائی، بہنوں اور زن شوہر کی وراثت کا تذکرہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲ میں گذر چکا ہے۔ اور تفصیل فقہی کتابوں کے باب المیراث میں مذکور ہے۔ مگر اکثر مترجمیں ومفسرین کے نظریہ کے مطابق ''**والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم**'' مبتدا وخبر مستقل جملہ ہے جس کا اس کے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو تم نے اپنا حلیف بنایا ہے ان کا حصہ انہیں ادا کرو۔ بنابریں حلیفوں کو میراث میں سے حصہ دینے کا حکم تھا جو بعد میں آیت ''**واولو الارحام بعضھم اولیٰ من بعض**'' سے منسوخ ہوگیا۔ ہماری ناچیز تحقیق کے مطابق پہلا مفہوم ''اصح وارجح'' ہے جسے علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اور فاضل محمد جواد مغنیہ نے اپنی تفسیر الکاشف میں اختیار کیا ہے۔ مگر وارثان علم قرآن کی حقیقی تفسیر کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے مفہوم کو بھی بالکل غلط قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کا امکان برابر قائم رہتا ہے۔

ع۔

و للناس فیما یعشقون مذاہب

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ... الآیۃ

مرد وعورت مساوی ہیں یا مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے؟

یہ مسئلہ قدیم الایام سے بحث وتمحیص کا موضوع بنا ہوا ہے کہ آیا مرد وعورت ہر لحاظ سے مساوی حیثیت کے حامل ہیں یا مرد کو حیاتیاتی ونفسیاتی طور پر عورت پر کچھ فوقیت حاصل ہے؟ کچھ لوگ پہلے نظریہ کے حامی ہیں اور جن لوگوں نے قرآن اور تعلیمات اسلام بلکہ علم تشریح الاعضاء اور نفسیات کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا ہے یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ خالق حکیم نے مرد وعورت کی بناوٹ میں جو حیاتیاتی ونفسیاتی فرق رکھا ہے اور ان کے جسمانی اور ذہنی قویٰ میں جو تفاوت رکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صنف کے اعتبار سے مرد کو عورت پر ایک گونہ فوقیت حاصل ہے اور اسلام نے بعض مسائل میں مرد وعورت میں جو تفریق قائم کی ہے مثلاً وراثت میں مرد کا حصہ دوہرا ہے اور عورت کا اکہرا، شہادت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور پھر عورت ہر ماہ میں چند دن عبادت خدا سے بھی محروم ہوتی ہے ان حقائق سے یہ بھی واضح ہے کہ ''**للرجال علیھن درجۃ**'' (بقرہ) کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت کا ایک درجہ حاصل ہے بنابریں یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ

عورت ''ناقص الحصه'' بھی ہے، ناقص العقل بھی ہے اور ناقص العبادۃ بھی ہے ''وشر مافیہا انہ لابد منہا'' اور سب سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ع

کیونکہ وجود زن سے تصویر کائنات میں رنگ

بے شک اسلام نے عورت کو وہ تمام انسانی حقوق دیے ہیں جو مردوں کو دیے ہیں ارشاد قدرت ہے ''ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف'' یعنی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ اسی طرح واجب ہیں جس طرح مرد کے حقوق عورتوں کے ذمہ واجب ہیں۔ الغرض کارخانہ معیشت میں دونوں صنفوں کی یکساں ضرورت ہے تا کہ انسان اپنی معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مکمل زندگی گذار سکیں۔ اس طرح خدائے عادل نے دنیائے جاہلیت کی ان تمام ظالم رسموں رواجوں کا خاتمہ کر دیا ہے جو عورت کے بارے میں روا رکھی جاتی تھیں اور اسلام نے بلاشبہ عورت کو وہ مقام دیا ہے جس کی نظیر ادیان عالم میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی ہے۔ عورت ایک بیٹی ہے، ایک بیوی ہے اور ایک ماں ہے اور ہر جگہ اور ہر حیثیت میں لائق احترام ہے بالخصوص ماں کی حیثیت وہ عظیم حیثیت ہے کہ جس کے سامنے تمام حیثیتیں ہیچ ہیں۔۔ ع

کہتے ہیں ماں کہ پاؤں کے نیچے بہشت ہے

مگر ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق ہے۔ معاشرتی و تمدنی نقطہ نگاہ سے ضروری ہے کہ جہاں بھی چند افراد کا مجموعہ خواہ وہ خاندان کی شکل میں ہو یا حکومت کی شکل میں۔ وہاں کوئی سربراہ ہو۔ اور یہ واضح ہے کہ وہ سربراہ ایک ہونا چاہیے اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خدائی نظام میں گھر اور خاندان کی سربراہی کے لئے مرد ہی کو متعین کیا گیا ہے۔ اور اس میں سراسر عورت کا فائدہ ہے کہ امور خانہ داری کی انجام دہی بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھر کے اندرونی حالات کی حفاظت و نگہداشت کے کام وہ انجام دے اور گھر کی بقاء اور اہل خانہ کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسب معاش کا فریضہ مرد ادا کرے۔ اور عورت کی زرمہر اور اس کے نان و نفقہ کا اہتمام کرے قوامون قوام کی جمع ہے اور عربی زبان میں قوام، قیام، اور قیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کی ضروریات مہیا کرے۔ اسکے معاملات کی اصلاح کرے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرے اسی لئے حکومت کے سربراہ فوج کے کمانڈر اور گھر کے نگران کو قوام و قیام کہا جاتا ہے۔ مرد و عورت کے جسم و بدن کی ساخت اور بناوٹ حیاتیاتی اور نفسیاتی فرق سے بھی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس قوامیت کے بار گراں کے اٹھانے کی صلاحیت خالق حکیم نے مرد میں بدرجہ اتم و اکمل رکھی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی بہترین صلاحیت عورت کو دی گئی ہے اور مرد کی برتری

بدو وجہ ہے۔جن میں سے ایک وہبی ہے اور دوسری کسبی۔پہلی وہبی کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی جسمانی قوت وطاقت، ذہنی صلابت وصلاحیت اور علمی اور عملی قوت میں برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے اور دوسری کی وجہ یہ ہے کہ مرد حق مہر ادا کرنے اور عورتوں کا نان ونفقہ اوران کی دوسری ضروریات پورا کرنے میں اپنا مال خرچ کرتا ہے قرآن مجید میں انہی دو وجوہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

۱۔بما فضل اللہ بعضھم علی بعض

۲۔وبما انفقوا من اموالھم

اسی بنا پر ''الرجال قوامون علی النساء'' کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں مخفی نہ رہے کہ مردوں کی عورتوں پر یہ برتری صنف کے اعتبار سے ہے کہ

عموماً مرد عورتوں کی نسبت وہبی اور کسبی کمالات میں برتر ہوتے ہیں یہ مگر برتری تمام افراد کے لحاظ سے نہیں ہے کیونکہ عقلاً بھی ممکن ہے اور مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ بعض عورتیں ان صفات میں عام مردوں سے فائق ہوتی ہیں۔کما قال المتنبی فی مرثیۃ عمۃ سیف الدولہ الدیلمی

ولو کان النساء کمثل ھذی

لفضلت النساء علی الرجال

اگر کوئی شخص کوئی حکومت یا کوئی معاشرہ خدا کے اس فطری قانون کے خلاف بغاوت کرے گا اور اس کے خلاف چلے گا تو اس سے خدا کا نظام قدرت تو تبدیل نہیں ہوگا وہ اپنے کارخانہ قدرت میں اسی طرح مرد وعورت کو بناتا رہے گا جس میں قوامیت کی صلاحیتیں مرد ہی میں ہونگی۔البتہ اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو اس سے بگاڑ کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا بنابریں اچھا مرد وہ ہوگا جو اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا کرے اور اچھی عورت وہ ہوگی جو خدائی منصوبہ اور قانون قدرت کے مطابق مرد کی برتری تسلیم کرے۔اور اس کی اطاعت کرے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال واولاد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔

فَالصّٰلِحٰت...الآیۃ

یہاں خدائے بزرگ وبرتر اچھی عورتوں کی صفتیں بیان فرما رہا ہے۔۱۔کہ (اپنے شوہروں کی)اطاعت گزار ہوتی ہیں ۲۔اور خدا کی حفاظت سے اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور وہ یہ سب کچھ خدا کی حفاظت اور اس کی توفیق سے کرتی ہیں۔حضرات معصومین علیہم السلام کی مختلف حدیثوں میں نیک عورتوں کی مختلف اچھی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔مگر ان سب کی

جامع صفتیں یہ ہیں۔حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں ”خیر النساء التی اذا نظرت الیھا سرتك واذا امرتھا اطاعتك واذا غبت عنھا حفظتك فی نفسھا ومالك“ بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف نگاہ کروتو وہ تمہیں خوش کرے، جب اسے کوئی حکم دوتو وہ تمہاری اطاعت کرے، اور جب تم موجود نہ ہوتو وہ تمہاری غیر حاضری میں اپنی ناموس اور تمہارے مال کی حفاظت کرے (تفسیر کاشف وغیرہ)

ایک اچھی بیوی کا اس سے بلند تر ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو ایسی رفیقہ حیات مل جائے۔ وقلیل ما ہم۔ ورنہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اکثر بیویاں سوہان روح ہوتی ہیں جن کی شکل وعقل اور سیرت وصورت سے روح کو اذیت تو ہوتی ہے مگر تسکین نہیں ہوتی۔

جناب دریابادی لکھتے ہیں ”فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی لکھی لڑکیاں غور کریں انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے“

وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ... الآیة

خداوند عالم نیکوکار اور فرمانبردار عورتوں کا ذکر خیر کرنے کے بعد اب بدکردار اور ناہنجار عورتوں کا تذکرہ فرمار ہا ہے اور حکم دے رہا ہے کہ اگر علائم وآثار سے تمہیں ان کی سرکشی کا احساس ہو تو ان کی اصلاح احوال کے لئے بالتدریج یہ تین طریقہ ہائے کار اختیار کرو۔ نشوز کے معنی ہیں از روئے ترفع عورت کا شوہر کا نافرمانی پر کمر بستہ ہونا اور اس سے نفرت کرنا اور حقوق زوجیت ادا کرنے سے انکار کرنا نیز یہاں خوف سے وہم وگمان مراد نہیں ہے کہ اس پر بنا رکھ کر بموجب آب ندیدم موزہ کشیدم۔ اصلاح احوال کی کوشش شروع کر دی جائے بلکہ اس سے علم مراد ہے جو مشاہدہ وتجربہ سے حاصل ہوتا ہے یا ظن غالب مراد ہے جو علائم وآثار سے محسوس ہو۔ بہرحال دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداء میں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھایا جائے بلکہ اصلاح احوال کی خاطر تدریجاً تین اقدامات کئے جائیں۔

۱۔ پہلے مرحلہ میں نرمی کے ساتھ سمجھایا جائے اور وعظ ونصیحت سے کام لیا جائے

۲۔ اگر وہ اس نرم روی سے اپنی سرتابی وسرکشی سے باز نہ آئیں تو پھر دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ ان کا بستر الگ کر دیا جائے اور باہم خوابی چھوڑ دی جائے تا کہ انہیں شوہر کی ناراضی کا احساس ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی حرکت سے نادم ہو کر اپنی روش تبدیل کر لیں

۳۔ اور اگر یہ دوسرا اقدام بھی موثر ثابت نہ ہو تو پھر ان کو مارو۔ مگر اس سلسلہ میں بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ • منہ پر تو مطلقاً نہ مارا جائے۔ اور باقی بدن پر بھی اس طرح نہ مارا جائے کہ جس

سے کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا کوئی زخم لگ جائے جس طرح جاہل اور گنوار لوگ گائیں اور بھینسوں کو مارا پیٹا کرتے ہیں۔ حضرت رسول خداؐ کا ارشاد ہے۔ خیرکم خیرکم لاہلہ۔ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل وعیال سے بہتر سلوک کرتا ہے۔

بہرحال اگر اس طریقہ کار سے نافرمان بیویاں اپنی سرکشی سے باز آجائیں اور فرمانبردار بن جائیں تو پھر شوہر اس حد سے آگے قدم نہ بڑھائیں اور دست درازی کرنے اور ظلم وتعدی کرنے کے لئے بہانے تلاش نہ کریں بلکہ چشم پوشی سے کام لیں۔ اور اپنے سابقہ رویہ میں مثبت تبدیلی لائیں۔

آیات القرآن

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

ترجمۃ الآیات

اور اگر تمہیں دونوں (میاں بیوی) کی ناچاقی کا خوف دامنگیر ہوتو ایک ثالث مرد کے کنبے

سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو۔ اگر دونوں اصلاح کا ارادہ کرینگے تو خدا ان دونوں میں موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ بڑا جاننے والا بڑا باخبر ہے (۳۵) اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پہلو میں بیٹھنے والے رفیق اور مسافر، اپنے مملوکہ (غلاموں، کنیزوں) کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ بے شک اللہ مغرور و متکبر اور شیخی بگھارنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (۳۶) جو خود کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کرنیکا حکم (ترغیب) دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے (۳۷) اور جو اپنے مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور دراصل وہ خدا اور روز جزاء پر ایمان و یقین نہیں رکھتے (اللہ ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا)۔ اور وہ جس کا مصاحب شیطان ہو وہ اس کا بہت برا مصاحب ہے۔ (۳۸)

تفسیر الآیات

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ...الآية

میاں بیوی کے جھگڑے کی اصلاح کے لئے حکمین مقرر کرنے کا حکم

اور اگر صورت حال کچھ اس قدر بگڑ چکی ہو کہ یہ تمام اصلاحی تدبیریں بے کار ہو جائیں اور نظر بظاہر حالات طلاق تک نوبت آنے والی ہو تو پھر آخری اور انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اصلاح احوال کی یہ آخری کوشش کی جائے کہ ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کیا جائے، جن کی دیانت و امانت اور معاملہ فہمی پر سب کو اطمینان ہو۔ جو دونوں میاں بیوی کی شکایات سنیں، شقاق و نفاق کے علل و اسباب کا کھوج لگائیں اور پھر ان کا ازالہ کر کے باہمی تصفیہ اور ان کے درمیان صلح و صفائی کرائیں۔ قادر مطلق کا وعدہ ہے کہ ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما" کہ اگر دونوں کا ارادہ ہو کہ (صلح ہو جائے) تو خدا اپنی قدرت کاملہ سے موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ مفسرین میں شدید اختلاف ہے کہ یریدا۔ اور بینہما میں تثنیہ کی ضمیروں کا مرجع کون ہے؟ دونوں ثالث یا میاں بیوی؟ بعض نے دونوں جگہ مرجع حکمین کو قرار دیا ہے

اور بعض نے دونوں جگہ زوجین کو اور بعض نے یریدا میں حکمین اور بینہما میں زوجین کو۔ مگر نظر قاصر میں ارجح قول یہ ہے کہ دونوں جگہ ان ضمیروں کا مرجع زوجین (میاں بیوی) ہیں کیونکہ ثالث تو بہر حال صلح وصفائی کرانے کے لئے ہی مقرر کئے گئے ہیں اور ان کا ارادہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنے مقصد اصلاح میں کامیاب ہوں مگر ان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا اصل کردار تو میاں بیوی نے ادا کرنا ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ دل وجان سے اصلاح چاہیں اور ثالثوں سے تعاون کریں تو توفیق الٰہی اور تائید غیبی ان کے شامل حال ہوگی اور ضرور موافقت کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ اور اگر خدانخواستہ اصلاح احوال کی کوئی صورت پیدا نہ ہوا اور نوبت طلاق تک پہنچ جائے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ میاں بیوی کی رضامندی کے بغیر ثالث یہ آخری قدم نہ اٹھائیں مگر یہ کہ پہلے سے ہی میاں بیوی نے ان کو طلاق یا خلع وغیرہ کا یہ اختیار تفویض کر دیا ہو تو پھر وہ مکمل با اختیار ہو جائیں گے۔

تمام باہمی تنازعات میں ثالث کے ذریعہ سے مصالحت کرانے کا شرعی حکم

آپ نے دیکھا قرآنی حکیمانہ حکم کے مطابق گھر کی بات گھر سے باہر نہیں نکلی اور گلی کوچوں میں عام لوگوں کی گفتگو کا موضوع نہیں بنی اور اسطرح پورے دو خاندان تباہی سے بالکل بچ گئے اور خاموشی سے اصلاح احوال ہوگئی یا چپکے سے علیحدگی ہوگئی اگر زندگی کے دوسرے مختلف نزاعات میں بھی باہم لڑنے جھگڑنے کی بجائے اور ملکی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اور روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہانے کی بجائے کہ جہاں اگر وقتی طور پر جھگڑا ختم بھی ہو جائے تو قلبی بغض وعناد کی آتش ختم نہیں ہوگی اور وہ کسی بھی وقت شعلہ ء جوالہ بن کر فریقین کے امن وسکون کو بھسم کر سکتی ہے۔ اگر اس ثالثی کے طریقہ کار کے ذریعہ سے باہمی صلح وصفائی کا اہتمام کیا جائے تو اس کے بڑے خوشگوار نتائج نکل سکتے ہیں۔ **والصلح خیر**

حضرت امام جعفر صادقؑ نے غیر شرعی عدالتوں میں اپنا مقدمہ لے جانے کو طاغوت کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کے مترادف قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مدعی حق بجانب ہو اور عدالت فیصلہ بھی اس کے حق میں کر دے تو پھر بھی یہ حرام خور شمار ہوگا ارشاد قدرت ہے

''**یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت**'' لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی عدالت میں اپنا مقدمہ لے جائیں۔'' **وقد امروا ان یکفروا به**'' حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں تو پھر کیا کیا جائے؟ فرمایا ''**فانظروا الی رجل نظر فی حلالنا وحرامنا فاجعلوه حکما فانی قد جعلته حاکما**'' اپنے میں سے اس شخص کو دیکھو جو ہمارے حلال وحرام پر نگاہ رکھنے والا ہو اسے اپنا حکم تسلیم کرو۔ کیونکہ میں نے اسے اپنی طرف سے تمہارا حکم قرار دیا ہے (اصول کافی) تو اس سے آگے یہاں تک مذکور ہے کہ جب وہ

حکم ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ قبول نہ کیا جائے تو اس کے فیصلہ کو رد کرنے والا ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا متصور ہوگا اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا خدا کے فیصلہ کو رد کرنے کے مترادف ہے اور خدا کا فیصلہ رد کرنے والا مشرک ہے (ایضاً)

وَاعْبُدُوا اللہَ ...الآیۃ

خداوند عالم اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو اپنی عبادت کرنے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنانے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ (جس کا تعلق انسان کی قوت نظری کے ساتھ ہے) اور آٹھ قسم کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دے رہا ہے (جس کا تعلق انسان کی قوت عملی کے ساتھ ہے)

عبادت خدا کا مفہوم اور اس کی اہمیت

جہاں تک عبادت کے مفہوم اور اسلام میں اس کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس موضوع پر سورہ فاتحہ کی آیت ''ایاک نعبدوا'' اور سورہ بقرہ کی آیت ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ'' (بقرہ آیت۔۲۱) کی تفسیر میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے

وَلَاتُشْرِکُوْا ...الآیۃ

جہاں تک شرک کے نا قابل معافی جرم ہونے اور اس کے اکبرالکبائر گناہ ہونے کا تعلق ہے تو اگرچہ قبل ازیں بعض متعلقہ آیات جیسے ''یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شئیاً'' وغیرہ کے ذیل میں اس پر فی الجملہ گفتگو ہو چکی ہے تاہم یہاں قدرے شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے سو مخفی نہ رہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کے فرامین میں شرک کو نہ صرف گناہان کبیرہ میں سے بلکہ اکبرالکبائر میں سے شمار کیا گیا ہے (تفسیر قمی، اصول کافی، صافی وغیرہ)

اور قرآن نے متعدد مقامات پر اسے نا قابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ارشاد قدرت ہے ''اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' (نساء آیت۔۴۸) خدا شرک کبھی معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس قدر گناہ ہیں وہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا نیز قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ مشرک پر جنت حرام ہے ارشاد رب العزت ہے ''ومن یشرك باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ''

شرک کے اقسام:

شرک کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں

۱۔شرک جلی ۲۔شرک خفی

شرک جلی کے اقسام:

پھر شرک جلی کی بڑی بڑی چار قسمیں ہیں۔(۱) شرک ذاتی (یعنی کسی مخلوق کو خدا کی ازلی وابدی ذات میں شریک ماننا)۔(۲) شرک صفاتی (یعنی خدا کی صفات ذاتیہ میں کسی کو شریک سمجھنا)۔(۳) شرک افعالی (یعنی خدا کے مخصوص کاموں جیسے خلق ورزق اور موت وحیات وغیرہ امور تکونیہ میں کسی مخلوق کو خدا کا شریک جاننا)۔(۴) شرک عبادتی (یعنی خدا کی عبات میں کسی مخلوق کو اس کا شریک قرار دینا) اور اسے سجدہ کرنا، اس کی قبر کا طواف کرنا اس کے نام کی منت ماننا یا کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا وغیرہ الغرض ع

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان شرک کے ان اقسام چہارگانہ سے اپنے آپ کو نہ بچائے تب تک وہ صحیح معنوں میں موحد اور خدا پرست نہیں کہلا سکتا، شرک جلی کی اور بعض قسمیں بھی ہیں جیسے

۵۔شرک فی التصرف یعنی نفع ونقصان پہنچانے میں غیر اللہ کو خدا کا شریک سمجھنا اور اس سے حاجتیں طلب کرنا اور اسے حاجت روا سمجھنا۔۶۔شرک فی التوکل۔اعتماد اور بھروسہ کرنے میں کسی کو خدا کا شریک جاننا کہ شاہ جانے اور راہ جانے۔۷۔شرک فی الطاعۃ۔حکم خدا کے خلاف کسی حکم کا ماننا اور اس کی اطاعت کرنا حالانکہ ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' اور شرک خفی کے قریبا دس اقسام ہیں ان سے بھی احتراز کرنا چاہیے ان اقسام کی تفصیل ہماری کتاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ اور اصلاح الرسوم میں مذکور ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ...الآية

بعدازیں خدائے حکیم نے آٹھ قسم کے لوگوں کے ساتھ احسان وبھلائی اور حسن سلوک کا امر کیا ہے جس کا کمترین درجہ سنت موکدہ ہے۔ ۱۔والدین۔۲۔رشتہ دار۔۳۔یتیم۔۴۔مسکین۔۵۔قرابت دار ہمسایہ۔۶۔اجنبی ہمسایہ۔۷۔اور ۸۔مسافر پھر ان اقسام ہشتگانہ میں سے جہاں تک پہلی چار قسموں (والدین، رشتہ دار، یتیم اور مسکین) کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت آیت۔۸۳ ''وَ اِذْ اَخَذْ نَا مِيثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'' کی تفسیر میں بقدر ضرورت گفتگو ہو چکی ہے۔البتہ باقی ماندہ چار قسموں کے بارے میں یہاں کچھ گفتگو کی جاتی ہے۔

۵۔ہمسایہ

اسلام میں ہمسایہ کا مقام

اسلام نے ہمسایہ کے حقوق کو بڑی اہمیت دی ہے پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں"مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه"جبرئیل نے (بحکم رب جلیل) مجھے ہمسایہ کے بارے میں اس قدر تاکید کی کہ مجھے خیال پیدا ہوگیا کہ شاید اسے میرا وارث قرار دے گا (الوافی)

نیز فرمایا"ما امن بی من بات شبعانا وجاره جائع"وہ شخص جو پیٹ بھر کھانا کھالے جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا (ایضاً) نیز فرمایا"ما امن بی من لم یامن جاره بوائقه"وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس کا پڑوسی اس کے ظلم وزیادتی سے محفوظ نہ ہو (ایضاً) حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا"حسن الجوار یعمر الدیار ویزید فی الاعمار"خوش اسلوبی سے پڑوسی کا حق ادا کرنا شہروں کو آباد کرتا ہے اور عمر کو بڑھاتا ہے (صافی) نیز آپ سے مروی ہے فرمایا"حسن الجوار یزید فی الرزق"(ایضا) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے فرمایا"لیس من حسن الجوار کف الاذی ولکن حسن الجوار الصبر علی الاذی"یہ حسن جوار نہیں ہے کہ پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائی جائے بلکہ حسن جوار یہ ہے کہ پڑوسی کی ایذارسانی پر صبر کیا جائے (ایضا)

ہمسایہ کے اقسام:

ہمسایہ کی کئی قسمیں ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا ہمسایہ تین قسم کا ہوتا ہے

۱۔مسلمان اور رشتہ دار ہمسایہ۔اسکے تین حق ہیں

۱۔حق جوار، حق قرابت، اور حق اسلام

۲۔مسلمان مگر غیر رشتہ دار ہمسایہ۔اس کے دو حق ہیں حق الجوار اور حق اسلام

۳۔غیر مسلمان ہمسایہ۔اس کا ایک حق ہے اور وہ ہے حق الجوار (مجمع البیان الخصال)

ہمسایہ کی اور دو قسمیں

قرآن مجید کی اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمسایہ کی دو اور قسمیں بھی ہیں

۱۔قریبی ہمسایہ

۲۔اجنبی ہمسایہ۔اب ان سے مراد کیا ہے؟

اس میں اختلاف ہے نزدیک اور دور والا ہمسایہ کون ہیں؟

۲۔رشتہ دار اور اجنبی ہمسایہ

۳۔مسلمان اور غیر مسلمان ہمسایہ۔ارجح یہ ہے کہ اسے اپنے عموم پر رکھا جائے

ہمسائیگی کی حد بندی

ہمسایہ کی حد بندی کیا ہے؟اس سلسلہ میں دو روایتیں ملتی ہیں

ا۔معاویہ بن عمار حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوال کرتے ہیں پڑوسی کی حد کیا ہے؟ فرمایا ہر طرف سے چالیس ہاتھ (معانی الاخبار)

۲۔نیز حضرت امام جعفر صادقؑ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا آدمی کے چاروں طرف سے چالیس چالیس گھروں تک پڑوسی کہلاتے ہیں (اصول کافی،نور الثقلین)

٦۔پہلو کا ساتھی:

جس سے صرف سفر کا رفیق حضر کا ہم نشین، درس کا شریک اور کاروبار کا ساتھی وغیرہ مراد ہو سکتے ہیں۔مخفی نہ رہے کہ یہ رفاقت عام ہے کہ سالہا سال کی ہو یا چند لمحوں کی بہر حال اس کا حق ہے جسے کسی صورت میں پامال نہیں کرنا چاہیے

۷۔مسافر۔نہ صرف اسلامی نقطہ نگاہ سے بلکہ انسانی زاویۂ نگاہ سے بھی جو شخص مسافر ہے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مال منال سے دور ہے اس کا بھی آپ پر ایک حق ہے کہ اگر وہ آپ کا ہمسفر بن جائے یا بطور مہمان آپ کے ہاں آجائے تو اس حق کی وجہ سے اس کے ساتھ مروت اور شرافت کا سلوک کرنا چاہیے۔

۷۔غلام اور کنیز۔اگرچہ ''ما ملکت ایمانکم'' سے مراد غلام اور کنیزیں ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا جارہا ہے مگر وہ موجودہ دور میں چونکہ وہ موجود نہیں ہیں لہٰذا تنقیح مناط اور اشتراک سبب کی وجہ سے بعید نہیں کہ اس حکم کو عام گھریلو ملازموں اور ملازماؤں پر بھی لاگو کیا جائے اس لئے ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے اور کام وطعام اور شہریہ کی بروقت ادائیگی میں مروت کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ نہ سختی کرنی چاہیے اور نہ ہی کام کاج کا ان پر زیادہ بوجھ ڈالنا چاہیے سبحان اللہ تمدنی ومعاشرتی نقطہ نگاہ سے اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم کس قدر اجل وارفع ہے اگر مسلمان اسلام کی ان مقدس تعلیمات پر عمل کریں تو بہت سی لڑائی جھگڑوں کا

خاتمہ ہوجائے گا اور دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ...الآیۃ

یہ ان لوگوں کے لئے خدائی دھمکی ہے جو خود بینی اور خوستائی کی وجہ سے اپنے غریب ونادار رشتہ داروں اور کمزور پڑوسیوں کی طرف چشم التفات نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے کبر ونخوت کی وجہ سے ان امور کی طرف متوجہ ہونے میں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔اور یہی چیز دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

کبرونخوت کی مذمت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن وحدیث تکبر اور متکبروں کی مذمت سے چھلک رہے ہیں۔ان میں سے ایک یہی آیت ہے جس میں خدائے جبار فرماتا ہے''ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا'' خدا مغرور اور فخر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:''لن یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الکبر''جس شخص کے اندر ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا (اصول کافی)۔

اس عالم آب وگل میں سب سے پہلے اس صفت رذیلہ کا اظہار شیطان نے کیا تھا جس نے جناب آدم صفی اللہ کے بالمقابل اپنے کو بہتر قرار دیتے ہوئے انا خیر منہ کا راگ آلاپا تھا جس کے نتیجہ میں خدائے جبار نے اسے ملعون قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی بارگاہ سے نکال دیا اور اس طرح اس کی ہزاروں سال کی عبادت واطاعت پر پانی پھر گیا۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بھی تکبر کرے گا اس کا انجام شیطان سے مختلف نہیں ہوگا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزند ان لعنت گرفتار کرد

ایک متکبر شخص عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا اور بات چیت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اور کارگاہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے آپ کو سب لوگوں سے بلند تر دیکھنا چاہتا ہے۔اگرچہ یہ صفت بدقریبا ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے مگر علماء وامراء اس معاملہ میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ خداوند عالم کو نہ تکبر پسند ہے اور نہ متکبرین۔اسلئے بار بار فرماتا ہے''ان اللہ لا یحب المتکبرین''(نحل) ''ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا''(نساء) حدیث قدسی میں وارد ہے''الکبریاء ردائی فمن

نازعنی فی ردائی القیہ فی ناری ولا ابالی ''(جواہر سنیہ) کبریائی میری چادر ہے جو اسے مجھ سے چھننے کی کوشش کرے گا میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا اور کوئی پروا نہیں کروں گا۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ اچھی خوراک کھانے، اچھی پوشاک پہننے، اچھے مکان میں رہنے اور اچھی سواری پر سوار ہونے کا نام تکبر نہیں ہے۔ بلکہ حق قبول نہ کرنے، بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز نہ ہونے اور سب سے بڑھ کر مخلوق خدا کو کمتر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھنے کا نام تکبر ہے۔ واللہ العاصم

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ...الآیۃ

ان مغروروں اور اپنی زبانی اپنی مدح وثنا کرنیوالے فخوروں کی پہچان یہ ہے کہ ا۔خود بخل سے کام لیتے ہیں۔ ۲۔دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ۳۔اور خدا نے اپنے جس فضل وکرم سے نوازا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں

بخل کی مذمت قرآن وسنت کی روشنی میں

بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بداخلاقیوں کی جڑ ہے جیسے خیانت، بددیانتی، بے مروتی، بے رحمی، بدسلوکی اور دنائت نفس وغیرہ۔اسی صفت رذیلہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اسی طرح حرص، طمع ولالچ، تنگ نظری، کم ہمتی اور پست طبعی بھی اسی شجرہ خبیثہ کے برگ وبار ہیں۔بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا وسزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔اس لئے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔بخل کا انجام آتش دوزخ ہے چنانچہ سورہ مدثر میں جنتیوں اور دوزخیوں کا جو سوال وجواب بطور مکالمہ درج ہے اس میں ہے کہ جنتی لوگ جہنمیوں سے سوال کریں گے ''ما سلککم فی سقر ''تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا ''قالو ا لم نك من المصلين ولم نك نطعم المسكين'' جہنمی جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔جب تک انسان حرص وآز کو روک کر اچھے کاموں پر روپیہ صرف نہ کرے اس وقت تک کامرانی حاصل نہیں ہوتی۔چنانچہ ارشاد قدرت ہے ''وانفقوا خيرا لانفسكم ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون'' خرچ کرو۔یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص نفس کے حرص وبخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں ایک اور مقام پر خدائے کریم نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ ''ویوثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة'' وہ دوسروں کو

اپنے اوپر مقدم سمجھتے ہیں اگر چہ خود ان کو سخت ضرورت ہوتی ہے حدیث میں وارد ہے "البخیل بعید من اللہ وبعید من الجنة وبعید من الناس قریب من النار" بخیل آدمی خدا سے دور، جنت سے دور اور مخلوق سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے "السخی قریب من اللہ وقریب من الجنة وقریب من الناس وبعید من النار" سخی خدا کے قریب، جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے (اصول کافی) ولنعم ماقیل

بخیل اربود زاہد بحر وبر

بہشتی نیا بشد بحکم خبر

اس مختصر بیان سے بخل سے کام لینے اور دوسروں کو بخل کا حکم دینے کی مذمت واضح وعیاں ہوجاتی ہے مخفی نہ رہے کہ چونکہ ایسے لوگوں کے لئے اخروی عذاب کی خبر دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بخل سے مراد مالی واجبی حقوق کا ادانہ کرنا ہے۔ کیونکہ جو شخص مالی واجبات ادا کرتا ہے وہ اگر چہ کنجوس ہی ہو اور قابل مذمت بھی لیکن وہ اخروی عذاب کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ ... الآية

اللہ کے فضل کو چھپانے کے مفہوم کی وضاحت

اللہ کے فضل وکرم کو چھپانا دو طرح ہوسکتا ہے ایک یہ کہ اپنے قول سے اسے چھپایا جائے کہ اللہ نے اسے جن نعمتوں سے نوازا ہے آدمی ان کا انکار کرے دوسرے یہ کہ اپنے عمل سے چھپائے یعنی اپنی عملی زندگی اس طرح گذارے جس سے معلوم ہو کہ اللہ نے اسے کچھ نہیں دیا جیسے اللہ نے اسے مال ودولت دی ہو مگر وہ اسے نہ اپنی ذات پر خرچ کرے اور نہ اہل وعیال پر اور نہ دوسرے بندگان خدا کی ضروریات پر بلکہ اس طرح فقیرانہ انداز میں زندگی گذارے کہ ہر دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ بڑا کنگال اور مفلوک الحال ہے حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ان اللہ اذا انعم نعمة علی عبد احب ان یظہر اثرھا" اللہ جب کسی بندہ کی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ بندہ پر اس نعمت کا اثر ظاہر ہو (جامع السعادات)

بندہ کو اپنی کسی نعمت کا اظہار کس طرح کرنا چاہیے لہذا جب اللہ نعمت مال دے تو آدمی کی وضع قطع، رہن سہن، اور طرز بود وماند سے اس نعمت کا اظہار ہونا چاہیے اور اسطرح نہ کرنا کفران نعمت اور ناشکری کے زمرہ میں آتا ہے جو بڑی مذموم صفت ہے ارشاد قدرت ہے "لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان

عذابی لشدید''

وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ...الآية

یہاں آیت کے آخر میں خداوند جبار نے ان سہ گانہ برے صفات کے حامل لوگوں کو نہ صرف یہ کہ عذاب کا مستوجب قرار دیا ہے بلکہ ان کو کافرین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو کفران سے بھی ہوسکتا ہے جس کا ترجمہ ناشکری ہے جیسا کہ حضرت امام موسی کاظمؑ سے مروی ہے فرمایا''التحدث بنعم الله شكر وترك ذلك كفر ''اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا کفران ہے (تفسیر کاشف)

اور کفر سے بھی جس طرح ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے''ومن كفر فان الله غني عن العلمين' جو اس گناہ کی اہمیت اجاگر کرنے کا ایک انداز ہے اور اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسلام میں بخیل اور ریاکار کسی کافر سے کم نہیں ہیں۔ کیونکہ بخیل خدا کی رزاقیت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جبھی تو بخل کرتا ہے اور ریاکار خدا کے علاوہ کسی کو لائق عبادت یا روز جزاء کا مالک جانتا ہے جسے دکھانے اور خوش کرنے کے لئے کام کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ...الآية

ان مغروروں اور متکبروں کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ مال تو خرچ کرتے ہیں راہ خدا میں بھی خرچ کرتے ہیں مگر خدا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ لوگوں کو دکھانے کی خاطر کرتے ہیں اس طرح پہلے ان لوگوں کی مذمت کی گئی جو راہ خدا میں مال خرچ ہی نہیں کرتے اور اب ان کی مذمت کی جارہی ہے جو خرچ تو کرتے ہیں مگر ریاء وسمعہ کی خاطر کرتے ہیں خدا کے لئے نہیں کرتے۔ جبکہ ریاء وسمعہ شرک اصغر ہیں اور بروز قیامت خداوند عالم ریاکار کو مشرک کہہ کر خطاب فرمائے گا اور کہے گا آج اپنے عمل کا اجر اس سے وصول کر جسے دکھانے کی خاطر عمل کیا تھا (لنائی الاخبار) یہ دونوں قسم کے لوگ برابر ہیں ان کے اس صدقہ وخیرات کا کوئی فائدہ نہیں ہے ان کی پانچویں اور چھٹی صفت یا ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا اللہ اور قیامت پر کوئی ایمان ویقین نہیں ہوتا اس لئے وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ صرف اور صرف نام ونمود کے لیے، حکام وقت کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے اور عوام سے داد وتحسین کا خراج وصول کرنے کے لئے۔ بہر حال وہ اپنی مصلحتوں اور خواہشوں کی تسکین کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔ مگر خاموش دینی مواقع پر مال خرچ نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص محض نام ونمود کے لئے مال خرچ کرتا ہے وہ اللہ اور یوم آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتا چنانچہ خدا قدوس فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے جو بہت برا ساتھی ہے جو ہر اچھے کام سے آدمی کو روکتا ہے اور ہر برے کام کا حکم دیتا ہے ظاہر ہے کہ جب دنیا میں ان کا ساتھی شیطان ہے تو آخرت میں بھی وہی ان کا ساتھی

ہوگا۔ ''لان المرء یحشر مع من احب'' ایک نا قابل انکار حقیقت سے شیطان ان کو سامنے کچھ نفع دکھا تا ہے اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور خدا جس ابدی نفع کا شوق دلاتا ہے وہ اس میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ اسلئے خدا کے یہاں ان کے لئے سخت عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہے مخفی نہ رہے کہ اس آیت کی تفسیر قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ٢٦٤ کے ذیل میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿٣٩﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے اور اللہ ان سے خوب واقف ہے (٣٩) بے شک اللہ ذرہ برابر (کسی پر) ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ (ذرہ برابر) نیکی ہو تو اسے دوگنا (بلکہ چوگنا) کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرماتا ہے (٤٠) اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے اس دن کافر اور پیغمبرؐ کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین کے برابر کر دیئے جاتے۔ اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے (٤٢)

تفسیر الآیات

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ ۔ الاية

غنی مطلق اور بے نیاز خدا کس دلسوزی کے لب ولہجہ میں فرما رہا ہے کہ اگر وہ خدا اور روز جزاء پر ایمان لاتے اور اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ بھی کرتے تو اس میں ان کوتاہ اندیش غافلوں کا کیا نقصان تھا؟ بلکہ سراسر ان کا فائدہ تھا یہ بالکل آسان کام ہیں ان میں کوئی تکلیف نہیں ہے پھر انہیں ترک کر کے کیوں اپنی عاقبت برباد کی؟

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ ...الآية

خدا تو وہ عادل ہے کہ کسی کار خیر کا ثواب نہ دینے یا اس میں ذرہ برابر کمی کرنے کا روادار نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو خداوند کریم کے یہاں کم از کم اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور پھر مختلف حیلوں بہانوں سے اضافہ در اضافہ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ کوئی اس کا حساب وشمار نہیں کر سکتا۔ جو سراسر تفضّل ہے" قران مجید میں یہاں اور بہت سے مقامات پر جو انسان کے کسی خاص رویہ پر اس طرح کی سرزنش کی گئی ہے وہ ثبوت قطعی ہے اس امر کا کہ انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے اور خالق کی طرف سے اس کے افعال میں کوئی جبر نہیں ہے ورنہ اس طرح کی سرزنش کے کوئی معنیٰ نہیں ہوتے (فصل الخطاب بحوالہ تفسیر تبیان)

یہ کہنا کہ اللہ ظلم نہیں کرتا جیسا کہ اس آیت میں ہے اور قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی اس کا ثبوت ہے کہ کچھ کام ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ سے صادر ہوں تو وہ ظلم قرار پائیں گے جو عدلیہ کا نقطۂ نگاہ ہے۔ عدل کے جو منکر ہیں ان کا تصور یہ ہے کہ اللہ حاکم مطلق ہے وہ جو بھی کرے ٹھیک ہے۔ یہ قرآنی تصریحات کی بنا پر درست نہیں ہے اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے ظلم کی نفی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظلم پر قادر نہیں ہے کیونکہ ظلم پر قادر نہ ہوتے ہوئے کسی چیز کا ترک کرنا کوئی تعریف نہیں ہے بلکہ ظلم پر قادر ہوتے ہوئے وہ اپنے کمال ذات، علم وحکمت اور استغنا کی بنا پر ظلم سے بری ہے (ایضا)

فَكَيْفَ اِذَا ...الآية

حضرت رسول خداؐ کے گواہوں کے گواہ ہونے اور اس کی کیفیت کا بیان

پارہ نمبر ۲ کی دوسری آیت "لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" (سورہ البقرہ آیت ۔ ۱۴۳) کی تفسیر

میں لفظ ''شھید'' کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس آیت مبارکہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو کہ وارثان علم قرآن کی مختلف احادیث سے ثابت ہے کہ ہر امت کا گواہ اس کا پیغمبر ہوگا کہ جب امت انکار کرے گی کہ ''ما جاء نا من بشیر ولا نذیر'' کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر نہیں آیا تھا۔ تو وہ گواہی دے گا کہ یہ لوگ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں ہم نے بشارت ونذارت کا فریضہ ادا کیا تھا اور جب پیغمبروں سے گواہ کا مطالبہ کیا جائے گا تو آنحضرتؐ بارگاہ ایزدی میں پیغمبروں کی پیغام رسانی کی گواہی دیں گے اسی طرح آنحضرتؐ گواہوں کے گواہ قرار پاتے ہیں۔ جس سے آپؐ کی خصوصی فضیلت نمایاں ہوتی ہے کہ آپؐ کو انبیاء سے وہ نسبت ہے جو ان کو اپنی امتوں سے ہے۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ہر عہد کا امامؑ اپنے عہد کے لوگوں پر گواہ ہے اور آنحضرتؐ ان گواہوں کے بھی گواہ ہیں جس سے ان کی ذوات مقدسہ پر آنحضرتؐ کی افضلیت واضح وآشکار ہوتی ہے۔ نیز آپؐ اپنی امت کے بھی شہید ہیں اور ''ھئولاء کا'' اشارہ انہی لوگوں کی طرف ہے مفسر قرطبی نے جناب سعید بن مسیب کا یہ قول نقل کیا ہے ''لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعر فھم بسیماھم واعمالھم فلذلک یشھد علیھم'' یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر صبح وشام حضور کی امت پیش کی جاتی ہے حضورؐ اپنے ہر امتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں اسی علم کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے (ضیاء القرآن)

''فاضل علی متقی'' اپنی کتاب کنزالعمال میں حضرت رسول خداؐ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں فرمایا ''حیاتی خیرلکم فاذاانامت وفاتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم فاذریت خیرا حمدت اللہ وان ارأیت شرا استغفرت لکم'' فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی۔ کیونکہ تمہارے اعمال میری بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے اور جب میں (تمہاری) کوئی نیکی دیکھوں گا تو خدا کی حمد وثنا کروں گا اور جب (تمہاری) کوئی برائی دیکھوں گا تو تمہارے لئے خدا سے بخشش طلب کروں گا (کنزل العمال، ج ۶ ص ۱۰۲ طبع مصر)

ہماری کتب حدیث میں متعدد حدیثیں وارد ہیں جن میں سے بعض میں کراما کاتبین کا ہر روز اور بعض میں ہر شب جمعہ نبی اکرمؐ وامامؑ کی بارگاہ میں ان کا امت کے نامہائے اعمال کا پیش کرنا مذکور ہے (اصول کافی بصائر الدرجات، سابع بحار الانوار وغیرہٗ) اس قطعی علم وآگہی کی بنا پر نبیؐ وامامؑ لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ نہ اس لئے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہیں جو کہ عقلاً وشرعاً ناممکن اور محال ہے اور یہ صفت خدائے متعال سے مخصوص ہے

یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ …الآیۃ

قیامت کے دن پردہ ہٹ جانے اور حقیقت کے کھل جانے کے بعد کافر اور رسول کے نافرمان خواہش کریں گے کہ کاش وہ انسان نہ ہوتے، بلکہ خاک ہوتے جیسا کہ سورہ نباء میں ہے'' یَّوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ وَیَقُوۡلُ الۡکٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ''(آیت۔۴۰)

ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

اے کاش کہ وہ خاک ہوتا ہے اور انسان نہ ہوتا اور بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ خواہش کریں گے کہ وہ مردوں کی طرح پیوند خاک ہوجاتے اور ان پر اسطرح زمین برابر کردی جاتی کہ ان کا نام ونشان مٹ جاتا

وَلَا یَکۡتُمُوۡنَ اللہَ …الآیۃ

یہ کافر لوگ اپنا عقیدہ وعمل کچھ بھی خدا سے چھپا نہ سکیں گے۔ کیونکہ ایک تو ان کے نبی ان کے خلاف گواہی دیں گے اور دوسرے ان کے نامہائے اعمال میں سب کچھ درج ہوگا اور سب سے بڑھکر یہ کہ اگر انکار کریں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں بول کر اقرار کریں گے جس کے بعد وہ بالکل لا جواب ہوجائیں گے۔ قل فَلِلّٰہ الحجۃ البالغۃ

آیات القرآن

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا ؕ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِکُمۡ وَاَیۡدِیۡکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا ۫

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو۔نماز کے قریب مت جاؤ جب کہ نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ (نشہ اتر جائے) تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور نہ ہی جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) یہاں تک کہ غسل کرلو۔الا یہ کہ تم راستے سے گذر رہے ہو (سفر میں ہو) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پھر پاک مٹی سے تیمم کرلو۔کہ (اس سے) اپنے چہروں اور ہاتھوں کے کچھ حصہ پر مسح کرلو۔بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے، بڑا بخشنے والا ہے (۴۳) کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب (الٰہی) کا کچھ حصہ دیا گیا کہ وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بہک جاؤ (۴۴) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تمہاری کارسازی و سرپرستی کے لئے کافی ہے (۴۵) یہودیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کلموں کو ان کے موقع و محل سے پھیر دیتے ہیں اور زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سمعنا وعصینا (ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں) اور ''اسمع غیر مسمع'' (اور سنو تمہاری بات نہ سنی جائے) اور ''راعنا'' (ہمارا لحاظ کرو) اگر وہ اس کی بجائے یوں کہتے ''سمعنا واطعنا'' (ہم نے سنا اور مانا) اور اسمع (اور سنئے) وانظرنا (اور ہماری طرف دیکھیے) تو یہ ان کے لئے بہتر اور زیادہ درست ہوتا مگر اللہ نے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے (اپنی رحمت سے

دور کر دیا ہے) اس لئے وہ بہت کم ایمان لائیں گے (۴۶)

تفسیر الآیات

لَاتَقْرَبُوا...الآیۃ

حرمت شراب کا حکم تدریجاً نازل ہوا

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ ''یسئلونك عن الخمر والمیسر'' کی تفسیر میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت کے دور میں شراب نوشی اور جوابازی کا عام رواج تھا۔ اور اوائل اسلام میں بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور ہجرت کے بعد جب حکیم مطلق نے ان چیزوں کی حرمت کا اعلان کرنا چاہا تو دوسرے احکام کی طرح یہ اعلان بھی تدریجاً کیا۔ کیونکہ اگر یکبارگی اس کی حرمت کا اعلان کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو اس حکم کی تعمیل میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ جب کچھ مسلمانوں کو شراب وقمار کے بعض نقصانات کا احساس ہوا اور اس بارے میں آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا تو سب سے پہلے سورۃ بقرہ کی یہی آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے شراب نوشی ترک کر دی مگر اکثر لوگوں نے یہ شغل جاری رکھا۔ کیونکہ اس آیت میں صراحۃ اس ''ام الخبائث'' سے منع نہیں کیا گیا تھا ''ایک روز عبدالرحمن بن عوف نے بعض احباب کو بلایا اور انہیں شراب پیش کی، جب وہ پی کر مست ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا ان میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سورہ کافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے ''لا اعبد ما تعبدون' (میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کیا کرتے ہو) کی جگہ 'اعبد ما تعبدون'' (میں بھی ان کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے تو اس وقت حکم ہوا ''لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکری'' کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو'' (ضیاء القرآن جلد ا صفحہ ۳۴۹)

اس آیت کے نزول کے بعد مزید کچھ لوگوں نے شراب نوشی بند کر دی مگر کچھ لوگ پھر بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ سورہ مائدہ کی دو آیتیں نازل ہوئیں

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

ان آیتوں کے نزول کے بعد جن میں صریحی طور پر شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا گیا تھا لوگوں نے شراب کے برتن توڑ ڈالے شراب بہادی گئی اور جام وسبو توڑ دیئے گئے حتی کہ جن کے لبوں تک جام شراب پہنچ چکا تھا انہوں نے بھی وہیں اسے پھینک دیا (عام تواریخ اسلام)

بہر حال یہ آیت مبارکہ مفسرین کے اختلاف آراء کی آماجگاہ ہے اور فاضل آلوسی نے اسے اپنی تفسیر روح المعانی میں معضلات میں سے قرار دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی بیان کردہ تفسیر کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ہرگز کوئی اعضال واشکال نہیں ہیں۔

قرآن سے استنباط احکام کرنے کا طریقہ کار

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ قرآن مجید سے استنباط احکام کرتے وقت اس کے ظواہر پر اس وقت تک اعتماد کرنا جائز نہیں ہوتا جب تک سنت نبوی کی طرف رجوع نہ کرلیا جائے کہ جس مقدس ذات پر قرآن مجید اترا ہے اس نے اپنے قول وفعل سے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کی ہے؟ ظاہر ہے کہ مصادر وماخذ شریعت میں سے ایک عظیم ماخذ سنت بھی ہے ارشاد قدرت ہے "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا" ہاں البتہ جب سنت میں کسی عام میں کوئی تخصیص یا کسی مطلق میں کوئی تقیید نہ کی گئی ہو تب عام کو اپنے عموم اور مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے گا کیونکہ قرآن کے ساتھ احادیث کی تشریحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں

خلاصہ مطلب

یہ ہے کہ خداوند کریم نے اس آیت میں نشہ کرنے والوں کی طرح اور چار قسم کے لوگوں کو بھی نماز کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے۔ جب تک وضو یا غسل نہ کرلیں۔ (اور اگر پانی دستیاب نہ ہو یا پانی دستیاب ہو مگر ضرر پہنچاتا ہو) تو ان کے عوض پاک مٹی پر تیمم کرلیں۔ اور وہ چار قسم کے لوگ یہ ہیں

۱۔ مریض ۲۔ مسافر ۳۔ جو بیت الخلاء سے آیا ہو

۴۔ جس نے بیوی سے مباشرت کی ہو بقدر ضرورت اس امر کی توضیح یہ ہے

۱۔ سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب آدمی کو پانی نہ ملے تو وضو یا غسل کے بدلے تیمم کرے گا۔ جب تندرست آدمی کا حکم یہ ہے تو پھر بیمار کا بطریق اولی یہی حکم ہوگا لیکن اگر پانی دستیاب ہو مگر ضرر پہنچاتا ہو تو آیت کے منطوق میں اس شق کا کوئی ذکر نہیں ہاں البتہ مفہوم شرط سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ وضو یا غسل کرے گا مگر سنت

میں صراحت موجود ہے کہ ایسا شخص تیمم کرے گا وضو یا غسل نہیں کریگا۔''لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام''
۲۔مسافر۔سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مسافر نے وضو یا غسل کرنا ہو اور اسے پانی میسر نہ آسکے تو وہ وضو یا غسل کے بدل تیمم کرے گا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی حاضر آدمی کو پانی نہ مل سکے تو وہ کیا کریگا؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص سے نماز کا وجوب ساقط ہے کیونکہ ان کے نزدیک تیمم کا جواز صرف مسافر کے لئے ہے حاضر کے لئے نہیں ہے۔مگر دوسرے سنی اور تمام شیعہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھے گا کیونکہ مسلمان کے لئے (خواہ حاضر ہو یا مسافر) پاک مٹی احد الطہورین ہے اور اس سلسلہ میں حاضر یا مسافر میں کوئی فرق نہیں ہے ہاں البتہ چونکہ پانی کے نہ ملنے کا اتفاق سفر میں زیادہ اور حضر میں کم ہوتا ہے اسلئے مسافر کا آیت میں خصوصی ذکر کیا گیا ہے
۳۔جو بیت الخلاء سے ہو کر آئے۔یعنی بول و براز کرے یا اس کی ریح خارج ہو تو بالاتفاق نماز کے لئے اس پر واجب ہے کہ وضو کرے اور اگر پانی نہ مل سکے تو پھر اس کے بدل تیمم کرے اور نماز پڑھے۔
۴۔جس نے مباشرت کی ہو۔ظاہر ہے کہ اس لمس وملامست سے مراد مقاربت کرنا ہے نہ صرف جسم کا جسم سے مس کرنا (جیسا کہ امام شافعی سے منقول ہے)''قضائے حاجت کے لئے جاء من الغائط'' کے الفاظ اور صحبت کے لئے''لا مستم النساء'' کے کلمات کتنے لطیف ہیں کہ نازک سے نازک طبع پر بھی گراں نہیں گذرتے ہیں یہ حسن تعبیر کلام خداوندی کا اعجاز ہے''(ضیاء القرآن)
بہرحال اس شخص پر بالاتفاق نماز کے لئے غسل کرنا واجب ہے اور اگر پانی میسر نہ ہو تو اس کے بدل پاک مٹی سے تیمم کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

امت محمدیہ پر تیمم کے جواز کا خصوصی احسان

امت محمدیہ پر خداوند عالم کا یہ خصوصی انعام ہے کہ اس نے وضو اور غسل کے عوض پاک مٹی سے تیمم کرنا جائز قرار دیا گیا ہے جو ہر جگہ میسر ہوتی ہے
صعید سے مراد زمین اور طیب سے مراد پاک ہے''یعنی پاک مٹی'' پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے''**جعلت الارض مسجداً وطھورا**''زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور طہارت کا باعث بنائی گئی ہے (متفق علیہ)

منہ اور ہاتھوں کی کتنی مقدار پر مسح کیا جائے

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تیمم میں مسح صرف منہ اور ہاتھوں پر ہوتا ہے مگر اس میں اختلاف ہے

کہ ان اعضاء کے کس قدر حصہ پر کیا جائے؟ برادران اسلامی کے فقہا اربعہ کہتے ہیں کہ سارے چہرہ پر کیا جائے جس میں ڈاڑھی بھی شامل ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدے کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا مگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک چہرہ اور ہاتھوں کے صرف بعض حصہ کا (یعنی چہرہ کا بالائی حصہ) اور پہنچوں تک ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا کیونکہ آیت مبارکہ ''فامسحوا بوجوھکم'' میں جو ''ب'' وارد ہے یہ تبعیض کا ہے یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھوں کے بعض حصہ پر مسح کرو (تفسیر کاشف)

وضو میں شیعی موقف کی صداقت کا ثبوت:

وضو کی کیفیت کے بارے میں شیعہ اور سنی میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ الوضو غسلتان ومسحتان یعنی وضو دو (۲) دھونے (منہ اور ہاتھ) اور دو مسحوں (سر اور پاؤں) کا نام ہے جبکہ اہلسنت کے نزدیک ایک مسح (سر) اور تین دھونے (منہ ہاتھ اور پاؤں) کا نام ہے اور چونکہ تیمم میں مٹی پانی کا بدل ہوتی ہے کہ جن اعضاء کو پانی سے دھویا جاتا تھا اب پانی کے نہ ملنے کی صورت میں ان پر مٹی ملی جائیگی اور چونکہ تیمم میں بالاتفاق مٹی صرف منہ اور ہاتھوں پر ملی جاتی ہے تو یہ چیز اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ وضو میں صرف منہ اور ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور اگر پاؤں دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پاؤں پر بھی مٹی ملی جاتی ''واذا لیس فلیس''۔ کما لا یخفی۔ تیمم کے باقی مسائل فقہی کتابوں میں دیکھے جائیں۔

ایضاح:

خداوند عالم نے نشہ کی حالت کی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب جانے کی ممانعت فرمائی ہے اس کے ساتھ ایک استثناء ہے کہ ''الا عابری سبیل'' سوا اس کے کہ تم راستے سے گذر رہے ہو۔ اس استثناء سے کیا مراد ہے؟ اس میں خاصا اختلاف ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حالت سفر ہے کہ بیمار اور مسافر وغیرہ کا حکم ایک ہے کہ تیمم کیا جائے گا اور یہی تفسیر زیادہ درست معلوم ہوتی ہے مگر دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں صلوۃ سے محل صلوۃ یعنی مساجد مراد ہیں اور جنابت کی حالت میں وہاں ٹھرنا تو ممنوع ہے مگر ان سے گذرنا جائز ہے (تفسیر تبیان)

مگر یہ حکم عام مساجد کا ہے اور جہاں تک مسجد الحرام اور مسجد نبوی کا تعلق ہے تو ان سے تو گذرنا بھی حرام ہے اور ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت محل نماز کا جو تصور ذہن میں آسکتا تھا وہ یہی دو مسجدیں ہیں تو جب وہاں سے جنب کے لئے گذرنا ممنوع ہے تو پھر اس حکم کے بیان کرنے کا کیا فائدہ جو ان مسجدوں پر منطبق نہ

ہو(فصل الخطاب)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ...الآیۃ

تاریخ عالم شاہد ہے کہ یہودیوں سے بڑھ کر کوئی قوم حق وحقیقت اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمن نہ ہے نہ تھی نہ ہوگی اور یہ بات تاریخ یہودیت پر نگاہ رکھنے والوں کے لئے عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو خاص طور پر مسلمانوں کو راہ راست سے بھٹکانے کے لئے ہر وقت کوشاں ہیں یہ اگر مسلمانوں سے کبھی دوستی کا دم بھرتے بھی ہیں تو یہ مار آستین مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں خدائے رحیم وکریم ان کا اصلی رنگ وروپ بیان کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دام ہمرنگ زمیں میں پھنسنے سے بچانا چاہتا ہے۔جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی ان کو کتاب خداوندی کے الفاظ تو پڑھنے کو ملے مگر وہ اس پر عمل کرنے سے دور رہے جو اصل مقصود تھا نیز انہوں نے کتاب خداوندی کا ایک حصہ گم کر دیا اور باقی ماندہ حصہ کی روح سے بیگانہ ہو گئے واضح ہے کہ اللہ کی کتاب کسی گروہ کو اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اپنی سوچ اور اپنے عمل کو درست کرے مگر جب آسمانی کتاب کی حامل کوئی قوم زوال کا شکار ہوتی ہے جیسا کہ یہود ہوئے تو وہ خدا کی کتاب سے ہدایت کی بجائے گمراہی کی غذا لینے لگتی ہے خدا کے احکام اس کے لئے خشک جذبیاتی بحثوں کا موضوع بن جاتے ہیں اب اس کے یہاں اعتقادیات کے نام پر فلسفیانہ قسم کی موشگافیاں جنم لیتی ہیں۔ایسے لوگ اپنی روایتی نفسیات کی وجہ سے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ہر بات کو خدا کی بات ثابت کریں وہ اپنے عمل کا جواز ثابت کرنے کے لئے خدا کی کتاب کو بدل دیتے ہیں خدا کے کلمات کو اسکے موقع ومحل سے ہٹا کر وہ اس کی خودساختہ تشریح کرتے ہیں وہ الفاظ میں الٹ پھیر کر کے اس سے ایسا مفہوم نکالتے ہیں جس کا اصل خدائی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا(تذکیر القرآن)

مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا ...الآیۃ

اس کلمات کو ان کے موقع ومحل سے ہٹانے اور ان میں ہیر پھیر کرنے کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کتاب اللہ کے الفاظ میں ردوبدل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اپنی تاویلات سے آیات کتاب کے معنی کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں تیسرے یہ کہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کی صحبت میں آ کر ان کی باتیں سنتے ہیں اور واپس جا کر لوگوں کے سامنے غلط طریقہ سے روایت کرتے ہیں بات کچھ کہی جاتی ہے اور وہ اسے اپنی شرارت سے کچھ کا کچھ بنا کر لوگوں میں مشہور کرتے ہیں تاکہ انہیں بدنام کیا جائے اور ان کے متعلق غلط فہمیاں پھیلا کر لوگوں کو اسلامی جماعت کی طرف آنے سے روکا جائے(تفہیم القرآن)

یہ لوگ زبان کو توڑ موڑ کر کس طرح ذومعنی بات کو بھی اور مشتبہ الفاظ کہ کر کس طرح دل کا بخار نکالتے تھے اور کس طرح الفاظ میں ہیر پھیر کر کے کس طرح اپنی منافقانہ روش کا مظاہرہ کرتے تھے؟ اس کی بقدر ضرورت وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۴ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا'' کی تفسیر کے ضمن میں بیان کردی گئی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے مخفی نہ رہے کہ قول یعنی کہنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بات زبان سے ہی کہی جائے بلکہ بعض اوقات دل میں کہی ہوئی بات کو بھی قول کہہ دیا جاتا ہے بنابریں ممکن ہے کہ یہود نے یہ باتیں زبان سے نہ کہی ہوں بلکہ دل میں کہی ہوں جن کا علیم بذا الصدور نے انکشاف کر کے ان کو ذلیل ورسوا کیا ہے۔ واللہ اعلم

آیات القرآن

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ۝۴۸ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝۴۹ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝۵۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۝۵۱ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ۝۵۲ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ۝۵۳

ترجمۃ الآیات

اے اہل کتاب اس (قرآن) پر (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم کچھ چہروں کو بگاڑ دیں اورانہیں ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے (۴۷) یقیناً اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا ہر (گناہ) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھرایا اس نے بہت بڑے گناہ کے ساتھ بہتان باندھا (۴۸) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں (اور خود اپنی تعریف کرتے ہیں) حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاکیزگی عطا کرتا ہے (جس کی چاہتا ہے تعریف کرتا ہے) اور ان پر سوت برابر (ذرہ برابر) ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۴۹) دیکھو کہ یہ کس طرح خدا پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے گنہگار ہونے کے لئے یہی کھلا ہوا گناہ کافی ہے (۵۰) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (الٰہی) سے کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ جبت (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان رکھتے ہیں (انہیں مانتے ہیں) اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں (۵۱) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے تم اس کا ہرگز کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے (۵۲) کیا ان کا سلطنت میں کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیتے (۵۳)

تفسیر الآیات

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا ...الآية

اس آیت مبارکہ میں خدائے جبار و قہار نے اہل کتاب (جن میں نصاریٰ بھی داخل ہیں) کو قرآن پر ایمان لانے کی جہاں دعوت دی ہے جو ان کی کتابوں کا مصدق ہے وہاں ان کو دو دھمکیاں بھی دیں ایک ''ان نطمس وجوھا۔۔۔۔۔دوسری۔۔نلعنھم۔۔۔ طمس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو مٹانا اور منہ کا حلیہ

بگاڑنا اور اہل زبان اسے کسی کی صلاحیت کو ختم کرنے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں اس کے کون سے معنی مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کے درمیاں قدرے اختلاف ہے ظاہری مفہوم یہی ہے کہ ان کے چہروں کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں جس سے ان کا وہ حسن و جمال محسوس نہیں ہو سکے گا جو سامنے کی طرف ہونے میں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے چہروں کے خط وخال اور آنکھ ناک کا باہمی امتیاز اس طرح مٹ جائے کہ ان کے چہرے پیٹھ کی طرح سپاٹ ہو جائیں اور بعض مفسرین نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ ان لوگوں کو دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر تم اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی حقانیت روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہونے کے باوجود ایمان نہ لائے تو تم سے حق پذیری کی قوت اسطرح سلب کر لی جائے گی کہ آنکھیں حق کو دیکھنے اور کان حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جائیں گے۔ مگر اظہر پہلے معنی ہی ہیں اب رہی یہ بات کہ خدا نے ان کو جو دھمکی دی تھی اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اس کے دو جواب دیے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ دھمکی اس صورت میں موثر ہوتی ہے جب کوئی بھی اہل کتاب اس پر ایمان نہ لاتا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ کئی لوگ ایمان لائے تھے جیسے عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن شعبہ، اسد بن ربیعہ اور اسعد بن عبیدہ وغیرہ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وعدہ اور وعید میں نمایاں فرق ہے اگر اللہ کسی اچھے کام کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی قبیح ہے لیکن اگر کسی برے کام کرنے کی سزا کی وعید وتہدید کرے اور پھر معاف کر دے تو یہ بات حسن ہے اور خدا کا فضل ہے۔ ولا راد لفضلہ

اصحاب سبت سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے یوم السبت کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے مختلف حیلوں بہانوں سے اس دن مچھلیوں کا شکار کیا تھا۔ جس کی پاداش میں خدائے قہار نے ان کو بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا تھا اس کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت ۶۵ ''ولقد علمتم الذين اعتدوا منكم فى السبت'' کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی طرح زمانہ رسولؐ کے اہل کتاب کو دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاسکتا ہے جو جناب موسیٰؑ کے دور کے یہود کے ساتھ کیا گیا تھا کہ آخرت کے عذاب سے پہلے ان کو دنیا کے عذاب (مسخ) میں مبتلا کر دیا گیا تھا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ ...الآية

چند صفحے پہلے آیت نمبر ۳۶ ''اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا'' کی تفسیر میں شرک کے جرم کی سنگینی اور اس کے اکبر الکبائر ہونے اور اس کے اقسام وغیرہ متعلقہ امور کا وضاحت سے تذکرہ کیا جاچکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

شرک کے نا قابل معافی جرم ہونے کا کیا مطلب ہے

یہاں صرف ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے جو پہلے نہیں کی جاسکی اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم جو بار بار فرماتا ہے خدا شرک کبھی معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ ہر گناہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ جبکہ دوسری کئی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے خدا تمام گناہ (جن میں شرک بھی داخل ہے) بخش دیتا ہے ارشاد قدرت ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر آیت۔ ۵۳) اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کرکے) اپنے نفسوں پر ظلم وزیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک خدا سب گناہ معاف کردیتا ہے کیونکہ وہ گناہوں کو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہ آیت عام ہے اور اس کا مطلب واضح ہے کہ خدا سب گناہ حتیٰ کہ شرک بھی معاف کردیتا ہے مگر ''ان اللہ لا یغفر ان یشرك'' یہ خاص ہے اور اسکے معنی بھی واضح ہیں کہ خدا شرک معاف نہیں کرے گا لہٰذا اسے اس عام کا مخصص قرار دیا جائے گا کہ خدا تمام گناہ معاف کردے گا مگر شرک کو معاف نہیں کرے گا۔

توبہ کرنے سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں

لیکن جب یہ آیت پڑھی جائے کہ ''توبوا الی اللہ جمیعا ایھاالمومنون ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا'' اے اہل ایمان تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو بے شک خدا تمام گناہ معاف کردے گا اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے'' وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ''(طٰہٰ آیت۔ ۸۲) بے شک میں اس شخص کے تمام گناہ بخش دیتا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل کرے اور پھر راہ راست پر آجائے۔ ان دو آیتوں سے واضح ہوگیا کہ اگر گنہگار توبہ کرے تو اس کے سب گناہ حتیٰ کہ شرک بھی معاف ہوجاتا ہے۔ ان سب آیات اور متعلقہ روایات کو پیش نگاہ رکھنے سے نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ''توبۃ النصوح'' کرنے سے تو تمام گناہ حتیٰ کہ شرک بھی معاف ہوجاتا ہے البتہ توبہ کے بغیر شرک اپنی سنگینی کی وجہ سے معاف نہیں ہوتا ہاں البتہ دوسرے سب گناہ خدا جسے چاہتا ہے بلا توبہ بھی معاف کردیتا ہے کہ یہ اس کا فضل ہے اس آیت مبارکہ نے گنہگار اہل ایمان کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے مگر اس کے ساتھ مشیت کی شرط عائد کرکے (جس کے لئے چاہتا ہے) خوف کی آمیزش بھی کردی ہے تاکہ امید وبیم کے دونوں پہلو برابر ہیں اور یہی ایک مومن کی شان ہے جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اگر مومن کے دل کو شگافتہ کرکے دیکھا جائے تو اس

میں رجاء وخوف کے دونوں پلے برابر ہوں گے (اصول کافی)

کیونکہ خداوند عالم نے اپنی رحمت سے مایوس ہونے والوں کو "الضآلّون" گمراہ اور عذاب خدا سے مامون ہونے والوں کو "الا الخاسرون" خاسرون (یعنی گھاٹا پانے والے) قرار دیا ہے ارشاد قدرت ہے "ومن یقنت من رحمة ربه الا الضالون۔ ولا یامن مکر الله الا القوم الخاسرن" ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا "دخلت الکبائر فی الاستثناء قال نعم" کیا بخشے جانے والے گناہوں میں گناہان کبیرہ بھی داخل ہیں فرمایا ہاں (تفسیر قمی)

حضرت امیرؑ سے مروی ہے فرمایا "ما فی القرآن ایة احب ای من قوله عزوجل ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء" قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو مجھے اس آیت سے بڑھ کر پسند ہو "ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء" (کتاب التوحید)

نیز حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ "من خرج من الدنیا لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة" جو شخص اس حالت میں دنیا سے جائے کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا (الفقیہ)

کمترین شرک کیا ہے؟

ابو العباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا عن ادنی ما یکون به الانسان مشرکا" کمترین چیز کیا ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے؟ فرمایا "من ابتدع رئیاً فاحب علیه وابغض" جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اور پھر اسی کی بناء پر لوگوں سے محبت یا نفرت کرے (تفسیر عیاشی وصافی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ ...الآیة

اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا کسی عقلمند آدمی کو زیب نہیں دیتا ہے کیونکہ

ثنائے خودبخود کردن نزیبدمرد دانارا

چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا "اعجاب المرء بنفسه دلیل علی ضعف عقله" کہ آدمی کا اپنے اوپر اترانا اس کی کمزوری عقل کی دلیل ہے (اصول کافی)

مگر یہودی عجیب احمق ہیں جو اپنے منہ میاں مٹھو بنتے میں لذت محسوس کرتے ہیں کوئی کہتا ہے "نحن ابناء اللہ واحباوہ" ہم خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں کوئی کہتا ہے "لن یدخل الجنة الا من کان ھودا" جنت میں وہی داخل ہوگا جو یہودی ہوگا اور کوئی یہ راگ الاپ رہا ہے "لن تمسنا النار الا ایاما معدوۃ" کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ مس بھی نہیں کرے گی (وغیرہ وغیرہ) حتی کہ ان کے بعض مغرور جاہلوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء" اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں اور کوئی شیخی بگھار رہا ہے کہ ہم انبیاء کی نسل سے ہیں اس لئے ہمارا گروہ مقدس ہے وغیرہ وغیرہ۔ بھلا اس سے کیا حاصل؟ مزہ تو تب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی تعریف کرے اور مقدس وہ ہے جس کی خدا تقدیس کرے نہ وہ جو اپنے قصیدے آپ پڑھے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اپنی پاکی و پاکیزگی بیان کرنا روا نہیں ہے کیونکہ اس میں کبر ونخوت کا شائبہ پایا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ویسے تحدیث نعمت کے طور پر کوئی مضائقہ نہیں ہے خدا عادل ہے حق والوں کو ان کا حق عطا کرتا ہے اور کسی پر سوت برابر (ذرہ بھر) ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ...الآية

اس جھوٹی تہمت سے مراد وہی شیخیاں ہیں جو یہ لوگ بگھارتے تھے جن کا تذکرہ اوپر بھی کیا جا چکا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور ہر ہمارا باپ ہے یعنی ہم اس کے چہیتے ہیں وہ ہم سے محبت کرتا ہے گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں یعنی اللہ ضرور ہمیں جنت میں داخل کرے گا۔ یہ سب خدا پر تہمتیں ہیں جو یہ لوگ لگا رہے ہیں اور جب عام بندوں پر تہمت لگانا گناہ ہے تو اس تہمت کی سنگینی اور کھلا گناہ ہونے کا کیا عالم ہوگا جو خدا پر لگائی جائے

معیار شرافت

بہر حال ان آیات مبارکہ میں خدائے حکیم اپنے بندوں کو یہ حقیقت بتلانا چاہتا ہے کہ کسی گروہ یا کسی خاص نسل سے وابستگی کی بنا پر کسی شخص کو کوئی ایسی فضیلت یا کوئی شرف نہیں مل جاتا جس سے وہ کسی تعریف اور جنت کا مستحق بن جائے بلکہ اس کا تعلق خدا کے قانون عدل سے ہے لہٰذا جو شخص خدائی قانون عدل کیمطابق اپنے کو کسی شرف کا مستحق ثابت کرے یعنی اپنے ایمان و عمل سے اپنی شرافت ثابت کرے تو وہ شرف والا ہے اور جو اپنے ایمان و عمل سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت نہ کر سکے وہ محض کسی گروہ سے وابستگی کی بنا پر کسی شرف کا مالک نہیں بن جاتا بے شک ایسی نسبتیں ظاہری اکرام کا موجب تو ہوتی ہیں مگر نہ دنیا میں مدح کا باعث ہوتی ہیں

اور نہ آخرت میں مغفرت کا موجب اور اس حقیقت کے خلاف ایسی باتیں کرنا خدا پر جھوٹی تہمت لگانے کے مترادف ہے کیونکہ یہ بات تعلیمات خداوندی کے خلاف ہے تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم و جماعت علم و عمل سے محروم ہو جاتی ہے تو وہ ایسے ہی غرور و پندار میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ع

ان الفتی من یقول ھا انا اذا
لیس الفتی من یقول کان ابی

یعنی

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامیؔ
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزئے نیست

الم تر الی الذین...الآیۃ

حسب سابق اس آیت مبارکہ میں بھی یہود کی مذمت کی جارہی ہے اور ان کی غلط روش و رفتار اور غلط گفتار و کردار پر ان کی سرزنش کی جارہی ہے کہ وہ جبت و طاغوت پر ایمان لانے لگے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار و مشرکین زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

جبت و طاغوت سے کیا مراد ہے؟

ان الفاظ کے اطلاقات و تعبیرات میں خاصا اختلاف ہے۔ جس کا ذیل میں ایک شمہ بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے

۱۔ جبت اور طاغوت کفار قریش کے دو بتوں کے نام ہیں۔ ۲۔ جبت جادو اور جادوگر اور طاغوت شیطان۔ ۳۔ جبت محض بے حقیقت چیز جیسے اہل جوتش نارمل فال گیری، کے وغیرہ اور طاغوت کاہن اور گمراہی کا ہر سرغنہ

۴۔ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جائے وہ جبت و طاغوت ہے اس آیت کی شان نزول میں جو روایت کتب فریقین میں مروی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جبت و طاغوت سے کفار قریش کے دو بت مراد ہیں جن کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جنگ احد کے بعد کعب بن اشرف اور حی بن اخطب (سرداران یہود) اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ مکے گئے تا کہ کفار قریش کو عہد شکنی کر کے پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کریں چنانچہ اس سلسلہ میں کعب بن اشرف ابوسفیان کے پاس گیا۔ اس نے اس کی خوب

آؤ بھگت کی اور تعاون کرنے کا وعدہ کیا کہا تم اور محمدؐ دونوں اہل کتاب ہو جب تک تم ہمارے بتوں (جبت وطاغوت) کو سجدہ نہ کرو۔ اس وقت تک ہمیں کسی کا اعتبار نہیں ہے چنانچہ کعب نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے ان بتوں کو سجدہ کیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا تم اہل کتاب ہو مگر ہم ان پڑھ ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں کہ ہم حق پر ہیں یا حجاج اور ان کے پیروکار؟ کعب نے دریافت کیا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا ہم موسم حج میں حجاج کرام کے لئے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ لوگوں کی ضیافت کرتے ہیں اقرباء پروری کرتے ہیں۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اور عمرہ ادا کرتے ہیں مگر محمدؐ نے اس کے برعکس اپنے آباؤاجداد کے دین ومذہب کو چھوڑ دیا ہے اور اپنا ایک نیا دین لایا ہے اور برادری سے تعلقات توڑ لئے ہیں یہ سن کر کعب بن اشرف نے ابوسفیان اور دوسرے کفار مکہ کو خوش کرنے کے لئے کہا کہ تم ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہو (مجمع البیان وروح المعانی وغیرہ)

اس طرح یہود وہنود (کفار مکہ) نے مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرلیا۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار ومشرکین کے خلاف محاذ قائم کرتے۔ آخر یہود اور مسلمانوں کے درمیان کچھ اقدار تو مشترک تو موجود تھے جیسے وحدت نظام رسالت وشریعت۔ جبکہ مشرکین عرب ان چیزوں کے قائل ہی نہیں تھے۔ مگر یہود نے اس کے برخلاف عمل کرکے اپنی پرانی دنائت طبع اور خباثت نفس کا ثبوت فراہم کیا اور ان کی اس کج رفتاری کا خداوند عالم نے یہاں شکوہ کیا ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ جب کوئی جماعت اتباع حق کو چھوڑ کر گروہ پرستی اور جتھا بندی کی پجاری بن جاتی ہے تو پھر اسے حق وباطل کا امتیاز نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر اسے مخالف کو زک دینے کے لئے اپنے عقیدہ واصول کے خلاف بھی جانا پڑے تو چلی جاتی ہے یہی حال یہود مکہ کا تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ...الآية

ایسے سیاہ کاروں اور ناہنجاروں پر خدا اگر لعنت نہ کرے تو کیا رحمت برسائے؟ ع
سزائے ایم چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد؟

لمحہء فکریہ

ارباب دانش جانتے ہیں کہ ''کعب بن اشرف'' یہود کا ایک بڑا عالم تھا جو خدا کو بھی مانتا تھا اور اس کی عبادت بھی کرتا تھا مگر جب حب دنیا اور اس کے جاہ وجلال کا بھوت سر پر سوار ہو گیا تو توحید اور دین پرستوں کے خلاف توحید اور دین ودیانت کے منکروں کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ قائم کردیا۔ اور اپنے باطل مقصد کے حاصل

کرنے کی خاطر بتوں کو سجدہ بھی کرلیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح ''بلعم بن باعورا'' نے جو کہ ایک ممتاز عالم اور عابد وزاہد بزرگ تھا مگر جب توفیق الٰہی سلب ہوئی اور نفسانی خواہشات کے جال میں پھنس گیا تو جناب موسیٰؑ کے خلاف سازشیں کرنے لگا اور اپنی دنیا وآخرت کو خراب وبرباد کر بیٹھا خدا فرماتا ہے ''فمثلہ کمثل الکلب'' اب اس کی مثال کتے جیسی ہے ان واقعات وسانحات سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک علم کے مطابق عمل نہ کیا جائے تب تک علم فی حد ذاتہ مفید نہیں ہے

''لو کان للعلم شرف من غیر تقی۔ لکان اشرف الناس ابلیس''

سچ ہے

علم رابر جان زنی یارے بود
علم را برتن زنی مارے بود

ان سبق آموز واقعات سے ان اہل علم کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے جو علم دین کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں اور اس پست مقصد کے حصول کی خاطر دینی حقائق اور اسلامی معارف میں بھی ترمیم وتنسیخ کرتے ہیں احکام میں کتر وبیونت کرتے ہیں حتیٰ کہ خدا اور رسولؐ کو ناراض کرکے حکام اور عوام کو خوش کرتے ہیں اور نتیجتاً خود گمراہ ہوتے ہیں اور مخلوق خدا کو گمراہ کرتے ہیں ''وذلك هو الخسران المبين''

لعنت کا صحیح مفہوم اور یہ کہ لعنت گالی نہیں ہے

عربی زبان میں کسی مکلف کی عصیان کاری اور سیاہ کاری کی وجہ سے رحمت حق سے دوری کی بددعا کرنے کا نام لعنت ہے جیسا کہ اس کی ضد رحمت ہے جو اللہ کے کسی فرمانبردار اور نیکوکار بندے کے حق میں رحمت حق کے نزول کی دعا کرنے کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح خدائے رحیم کی رحمت دنیا وآخرت میں عزت وعظمت کا باعث ہے اسی طرح خدائے قہار کی لعنت دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی اور نکبت وپسپائی کا سبب ہے انجام کار رحمت کا مستحق عزت کے ساتھ جنت الفردوس میں داخل ہوتا ہے اور لعنت کا مستحق ذلت کیساتھ واصل جہنم ہوتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے ''ومن يلعن الله فلن تجد له نصيرا'' اور جس پر اللہ لعنت کردے اس کا تم ہرگز کوئی یار ومددگار نہیں پاؤ گے۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہو جاتا ہے کہ لعنت کوئی سب وشتم یعنی کوئی گالم گلوچ نہیں ہے (جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں) بلکہ صرف کسی بدکرداری اور عصیان کاری کی وجہ سے ایک بددعا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت نیکوکاروں کے لئے رحمت کی دعاؤں اور بدکاروں کے لئے لعنت کی بددعاؤں سے چھلک رہے ہیں ''ان الله وملائكة يصلون على النبى۔ يا ايها الذين امنوا صلو ا

علیه وسلموا تسلیما ''۔''ان رحمت الله قریب من المحسنین ''قرآن مجید میں جا بجا آپ کو یہ فقرے نظر آئیں گے کہ ''لعنت الله علی الظالمین ''(ظالموں پر خدا کی لعنت ہو) ''لعنت الله علی الکاذبین ''(جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو) وغیرہ وغیرہ اور کہیں ایسی آیات بھی باصرہ نواز ہونگی ''اولئك یلعنهما الله ویلعهم الاعنون'' کہ ایسے لوگوں پر خدا بھی لعنت کرتا رہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔لعنت کے مستحق پر لعنت کرنا کارثواب ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح رحمت کے مستحق کے لئے نزول رحمت کی دعا کرنا کارثواب ہے اسی طرح لعنت کے مستحق پر لعنت یعنی رحمت سے دوری کی بددعا کرنا بھی کارثواب ہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیثوں میں مختلف گروہوں اور مختلف افراد اور مختلف برے کام کرنے والوں پر لعنت کرنے کی تصریحات موجود ہیں۔یہاں اس سے زیادہ تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔لہٰذا یہ کہنا بالکل بے جا اور اس صرف اندھی تقلید کا نتیجہ ہے کہ ''کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔اگرچہ وہ فاسق ہی ہو۔جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے اسی اصول کی بنا پر یزید پر لعنت کرنے سے علامہ شامی نے منع کیا ہے''(تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۷) معلوم ہوتا ہے کہ ہوا خواہان بنی امیہ نے یہ اصول نظریہ ضرورت کے تحت وضع ہی اسلئے کیا ہے تا کہ یزید پلید (لعنت اللہ) جیسے فاسقوں و فاجروں کو لعنت ایزدی سے بچایا جائے مگر ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

اس لئے اہل حق بقول فاضل تفتازانی برابر یہ کہتے رہیں گے ''فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه ''(شرح عقائد نسفی ص ۱۱۷)

لطف یہ ہے کہ صاحب معارف القرآن نے اپنی تفسیر کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر اور اس سے پہلے صفحہ پر وہ حدیثیں درج کی ہیں جن سے ان کا یہ مزعومہ اصول ''هباء منثورا'' ہو جاتا ہے۔لکھتے ہیں ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رسول اللہؐ نے سود دینے والے، سود کھانے والے، اس کے لکھنے والے، اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت کی ہے اور وہ سب گناہ میں برابر ہیں (رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ) ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ''ملعون من عمل قوم لوط ''(رواہ رزین بحوالہ مشکوۃ) یعنی جو آدمی لوط (علیہ السلام) کی قوم کے جیسا عمل کرے وہ لعنتی ہے''(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۴) اگر اس اصول کی کوئی حقیقت تھی تو حضرت رسول خداؐ نے ان فاسقوں اور خدا و رسولؐ کے نافرمانوں پر ان کے حین حیات میں کیوں لعنت کی ہے اور ان کی موت کا کیوں انتظار نہیں فرمایا؟ اس بے بنیاد اصول سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے لعنت صرف کافروں پر کرنی چاہیے اور

کافر بھی وہ جس کے حالت کفر پر مرنے کا یقین ہو۔ حالانکہ جناب موصوف نے لعنت کے سلسلہ میں جس قدر حدیثیں درج کی ہیں ان سب میں فاسقوں اور فاجروں پر لعنت کی گئی ہے اور وہ بھی ان فاسقوں کے حین حیات میں۔ ع۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ...الآية

یہ استفہام انکاری ہے۔ یہ تو غنیمت ہے کہ یہودیوں کو سلطنت و اقتدار حاصل نہیں ہے ورنہ یہ وہ خبیث اور ذلیل قوم ہے کہ اگر روئے زمین کے کسی حصہ پر ان کو اقتدار حاصل ہو جائے تو یہ کسی کو تل برابر کچھ نہ دیں جیسا کہ ۱۹۴۸ء سے عالم استعمار و استکبار کی باہمی سازش اور ملی بھگت سے صیہونیوں کی فلسطین پہ غاصبانہ حکومت قائم ہوئی ہے تو دنیا اپنی آنکھوں سے قرآن کے اس بیان کی صداقت کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ یہ قوم کس قدر خلیس ہے؟ کس قدر بخیل ہے؟ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دعا ہے کہ خدائے قہار و جبار جلد از جلد اس بیامردی غیر عارضی حکومت کا بیڑا غرق کرے اور ہمارے قبلہ اول کو ان کے پنجہ استبداد سے آزاد کرائے "وماذلك على الله بعزيز" ع

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپیدار ہوگا۔

مخفی نہ رہے کہ آیہ میں لفظ نقیر وارد ہے اور لغت میں نقیر اس باریک نقطہ کو کہا جاتا ہے جو کھجور کی گھٹلی کے وسط میں ہوتا ہے مراد ذرہ سی چیز ہے۔

آیات القرآن

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡـكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ‌ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۵۶﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

یا پھر وہ لوگوں پر اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے (اگر یہ بات ہے) تو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت عطا کی ہے اور ان کو بہت بڑی سلطنت عطا کی ہے (۵۴) پھر ان میں کچھ تو اس پر ایمان لائے اور کچھ روگردان ہو گئے اور (ایسوں کے لئے) دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے (۵۵) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب انہیں (دوزخ) کی آگ میں جھونکیں گے۔ جب ان کی (پہلی) کھالیں پک (جل) جائیں گی تو ہم ان کی کھالیں اور کھالوں سے بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں بے شک اللہ زبردست ہے اور بڑی حکمت والا ہے (۵۶) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم عنقریب ان کو ان بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں پاک و پاکیزہ بیویاں ہونگی اور ہم انہیں (اپنی رحمت) کے گنجان سایہ (گھنی چھاؤں) میں اتاریں گے (۵۷)

تفسیر الآیات

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ...الآية

یہ استفہام اقراری ہے۔ کہ یہودیوں کی اسلام اور بانی اسلام کے خلاف یہ تمام ہاؤ ہو یہ تمام فتنہ و پیکار محض حسد کی وجہ سے ہے کہ خداوند عالم نے ان کو نظر انداز کر کے حضرت محمد مصطفیؐ واحمد مجتبیٰ اور ان کے خانوادہ عصمت وطہارت کو اپنے خصوصی فضل وکرم اور شرف نبوت وولایت سے کیوں نوازا ہے؟؟ اگر ان کے حسد کا یہی سبب ہے اور اسی وجہ سے وہ آتش حسد میں جل رہے ہیں تو پھر جلتے رہیں۔ خداوند کریم نے پہلے جناب ابراہیمؑ اور

ان کے خاندان کو نبوت، کتاب وحکمت اور عظیم سلطنت سے نوازا تھا۔ جیسا کہ جناب اسماعیلؑ اور جناب داؤد وسلیمان علیہم السلام کے حالات سے واضح ہے اور اب بھی اسی خانوادہ کو ان نعمتوں سے نوازرہا ہے۔ کیونکہ حضرت ختمی مرتبتؐ اوران کی آل طاہرین انہی خلیل خدا کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جن کو خدائے منان نے ان نعمتوں سے نوازا ہے؟ وہ کون ہیں؟؟ اس میں مفسرین نے قدرے اختلاف کیا ہے ا۔اس سے مراد صرف حضرت رسول خداؐ ہیں۔ ۲۔اس سے آنحضرتؐ اور ان پر ایمان لانے والے صحابہ کرام واہل اسلام ہیں۔ ۳۔اس سے حضرت رسول خداؐ اور ان کا خانوادہ عصمت وطہارت مراد ہے۔اور یہی آخری بات ہماری متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے جو تفسیر قمی وعیاشی وصافی واصول کافی، تہذیب الاحکام، معانی الاخبار و بصائر الدرجات اور بحار الانوار وغیرہ جوامع میں موجود ہیں چنانچہ ابوالصالح کنانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ان سے فرمایا ! یا باصالح ''نحن قوم فرض الله طاعتنا لنا الانفال ولنا صفو المال ونحن الراسخون فی العلم ونحن المحسودون الذین قال الله فی کتابه ام یحسبون الناس...الآیة'' (تفسیر عیاشی)

اے ابوصالح! ہم وہ قوم ہیں جن کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے۔انفال اور برگزیدہ مال ہمارے لئے ہے ہم راسخون فی العلم ہیں اور ہم محسود ہیں۔ جنکے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ام یحسدون الناس...الآیة۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ''نحن الناس المحسودون'' کہ وہ خدائے کے محسود بندے ہم ہیں (اصول کافی) برادران اسلامی کی بعض روایتوں سے بھی اس مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ مناقب ابن مغازلی میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ''نحن الناس والله''۔بخدا وہ محسود بندے ہم ہیں اور تفسیر درمنثور میں جناب ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''نحن الناس دون الناس' اس سے مراد ہم ہیں نہ دوسرے لوگ نیز متعدد احادیث اہلبیتؑ میں وارد ہے کہ اس ملک عظیم سے مادی سلطنت اور وہ حکومت مراد نہیں ہے جو تاج وتخت کی محتاج ہوتی ہے بلکہ اس سے امامت وراہنمائی اور کائنات کی پیشوائی ومقتدائی اوران ذوات مقدسہ کی اطاعت مطلقہ مراد ہے جیسا کہ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے یہ ایسے آئمہ ھدیٰ ہیں کہ جو ان کا اطاعت گذار ہے وہ خدا کا اطاعت گذار ہے اور جو ان کا نافرمان ہے وہ خدا کا نافرمان اور عصیاں کار ہے (اصول کافی وعیاشی)

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ۔ الایه

منہم میں جمع مذکر غائب کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟اس میں قدرے اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کا مرجع یہود ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ خاندان ابراہیم میں سے ہونے والے انبیاء کے زمانہ والے لوگ ہیں۔اسی طرح ''بہ'' کی ضمیر واحد مذکر غائب کے مرجع کے متعلق تین آراء ہیں۔ ۱۔اس کا مرجع خلیل خدا ہیں۔ ۲۔حضرت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ ۳۔کتاب مرجع ہے۔قول معصومؑ کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے گو یقین واذعان کے ساتھ تو کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر جناب شیخ جواد مغنیہ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے کہ منہم کی ضمیر کا مرجع صاحب کتاب وحکمت نبی کے عہد کے لوگ ہیں اور بہ کا مرجع خود وہ نبی ہے۔کیونکہ ہمیشہ ہر نبی کے دور میں ایمان لانے والے لوگ بھی رہے ہیں اور انکار کرنے والے بھی اور کسی منکر کے انکار سے کسی نبی کی نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ج وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ'' (الحدید آیت۔۲۶) بنا بریں اگر حضرت خاتم الانبیاء کے دور کے کچھ یہود وہنود آپؐ پر ایمان نہ لائیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور اس میں کونسی تعجب والی اور انوکھی بات ہے؟ جو حق وحقیقت سے منہ موڑیں گے تو آخرت میں دوزخ کی آتش سوزاں ان کی سزا اور انہیں جلانے کے لئے کافی ہے (تفسیر کاشف وفصل الخطاب)

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا...الآیة

جو کافر ہیں وہ واصل جہنم ہوں گے۔یہ بات تو ہر قسم کے شک اور شبہ وقال وقیل سے بالا ہے۔اس آیت میں صرف ایک چیز قابل غور ہے کہ ''جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان پر دوسری کھالیں چڑھا دیں گے'' اس پر ایراد کیا جاتا ہے کہ دوزخیوں نے گناہ تو پہلی کھالوں کے ساتھ کئے تھے دوسری کھال کو سزا دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ گناہ آدمیوں نے کئے تھے نہ کھالوں نے اس لئے اس آدمی کو جلایا جا رہا ہے اور اسی کو اذیت پہنچائی جا رہی ہے اور اسی کی اذیت کو برقرار رکھنے کے لئے پرانی اور بے حس کھال کی جگہ تازہ کھال کا لباس پہنایا جا رہا ہے۔تو یہ سزا کھال کو نہیں دی جا رہی ہے بلکہ اس گنہگار آدمی کو دی جا رہی ہے اور دوسرا جواب وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابن ابی العوجاء نامی ایک زندیق کے ایسے ہی اعتراض کے جواب میں دیا تھا کہ دوسری کھال وہی پہلی پرانی کھال ہے اور تازہ بھی۔اگر ایک سانچہ میں ایک اینٹ ڈھال کر توڑ دی جائے اور خاک میں ملا دی جائے اور پھر اس مٹی کو گوندھ کر از سر نو سانچہ میں ڈال کر بنائی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اینٹ وہی کہنہ اینٹ ہے۔اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تازہ اور نئی اینٹ ہے (الاحتجاج الاطبرسی)

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ...الآیة

اس آیت مبارکہ کی تفسیر قبل ازیں سورۃ بقرہ کی ۸۲ ''وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...الآیۃ'' کے ذیل میں کردی گئی ہے اور ناقابل رد دلائل سے واضح کردیا گیا ہے کہ اسلام وقرآن کے نقطہ نگاہ سے اخروی نجات اور دائمی فوز وفلاح کے حاصل کرنے کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے نیز اسی مقام پر ازواج مطہرہ کا مفہوم بھی واضح کردیا گیا ہے اس مقام کی طرف ضرور رجوع کیا جائے اور ان حقائق کو ذہن نشین کرکے ان کے مطابق عمل درآمد کیا جائے۔ اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ فراجع

آیات القرآن

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا‌ ﴿۶۱﴾ فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ‌ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلْ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو ادا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا دیکھنے والا ہے (۵۸) اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں (فرمان روائی کے حقدار ہیں) پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع یا (جھگڑا) ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے روز پر ایمان رکھتے ہو تو یہ طریقہ کار تمہارے لئے اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے عمدہ ہے (۵۹) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ (اسکے باوجود) وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف رجوع کریں (غیر شرعی عدالت میں مقدمہ لے جائیں) حالانکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر گمراہی میں بہت دور لے جائے (۶۰) اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے (قرآن) اور آؤ رسولؐ (سنت) کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے بڑی سخت روگردانی کرتے ہیں (۶۱) پھر کیسی گذرتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی (ان کے کرتوتوں کی وجہ سے) تو آپ کی خدمت میں اللہ کے نام کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد تو بھلائی اور (فریقین میں) مصالحت کرانا تھا (۶۲) یہ وہ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے آپ ان سے چشم پوشی کریں اور انہیں نصیحت کریں اور ان سے موثر باتیں کریں (۶۳)

تفسیر الآیات

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ...الآیۃ

امانت کا تذکرہ اوراس کی ادائیگی کا حکم

انسان چونکہ فطرۃ مدنی الطبع واقع ہوا ہے اسلئے اسلام جو کہ دین فطرت ہے ہر اس کام کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس سے باہمی بھائی چارہ اور امداد باہمی کی فضا کو تقویت ملتی ہو۔لہٰذا اگر کوئی شخص اپنا مال بغرض حفاظت کسی کے پاس بطور امانت رکھنا چاہے تو اسلام نہ صرف یہ کہ اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اسے تعاون علی البر قرار دے کر اس کی فضیلت بیان کرتا ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ارشاد قدرت ہے ’’ان اللہ یامرکم ‘‘فقہاءاسلام نے اس سے یہ حکم استنباط کیا ہے کہ جب بھی مالک امین سے اپنے مال کے واپس کرنے کا مطالبہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ فوراً واپس کر دے۔

امانت کی اہمیت

ائمہ طاہرین علیہم السلام کی متعدد احادیث میں وارد ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن میں مسلم و کافر اور نیک و بد میں کوئی فرق نہیں ہے۔امانت کی ادائیگی واجب ہے خواہ نیک کی ہو یا بد کی۔ ۲۔وعدہ کی وفا واجب ہے خواہ نیک سے کیا ہو یا بد سے۔ ۳۔سچ بولنا واجب ہے خواہ مخاطب نیک ہو یا بد (الخصال،الوسائل البحار)

حتیٰ کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے فرمایا!اگر شمر بن ذی الجوشن وہ خنجر میرے پاس بطور امانت رکھے جس سے اس نے میرے والد ماجد (سید الشہداء) کو شہید کیا تھا تو میں وہ بھی واپس کروں گا (وسائل الشیعہ) یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اہل ایمان کی یوں مدح سرائی فرمائی گئی ہے۔والذین ھم لاماناتھم وعھد راعون۔(مومنون) کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی امانتوں کو ادا کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کی وفا کرتے ہیں۔

امانت کے بعض اقسام

مالی امانت کی طرح وہ ذمہ داریاں بھی اس میں داخل ہیں جو کسی معاہدہ یا کسی ذاتی حق کی بنا پر کسی کے لئے کسی پر عائد ہوں۔جن میں سے اہم خدا کے اوامر و نواہی کی تعمیل ہے۔لہٰذا اس امانت سے عہدہ برآ ہونا اور

ان کومقررہ وقت پرخلوص نیت اور دیگر معینہ شرائط کے ساتھ ادا کرنا امانت داری کا اہم جزء ہے حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ نماز وزکوۃ اور حج وصوم کی ادائیگی بھی ادائے امانت میں داخل ہے (مجمع البیان) اس عمومی امانت میں وہ ذمہ داری بھی داخل ہے جوحکمرانوں اورسرداروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ مخلوق کی فلاح وبہبود کے لئے کام کریں اورامیر وفقیر کے ساتھ انصاف کریں (ایضا) اسی بیان وکلام سے علماء کرام کی علمی ذمہ داریوں کا بھی نکشاف ہوتا ہے بلکہ اگر قدرے گہری نگاہ سے حالات کا جائزہ لیا جائے تومعلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مال وجائیداد اوراولاد حتی کہ ہماری جان اور ہمارے اعضاء وجوارح بھی اللہ کی امانت ہیں۔اللہ مافی السموات ومافی الارض۔اناﷲ واناالیہ راجعون۔یعنی

در حقیقت مال ہر شی خدا است

این امانت چند روزہ پیش ما است

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حقیقی مالک کی منشا کے خلاف اس کی امانت میں تصرف کرنا جائزنہیں ہوتا بنابریں ہم پرشرعاواخلاقاواجب ولازم ہے کہ ہم ان چیزوں میں اسی طرح تصرف کریں جس طرح خالق ومالک نےحکم دیا ہےنہ ہم خائن قرار پائیں گے۔وان اللہ لا یحب الخائنین (خداخیانت کاروں کو پسندنہیں کرتا) بعض روایات میں وارد ہے کہ۔لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔جس میں امانت نہیں ہےاس میں ایمان نہیں ہے (تفسیر کاشف)

اوربعض اخبار وآثار میں ترک امانت کونفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے (الخصال)

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ...الآية

اسلام میں عدل کا مقام

اگرعدل کوآسیائے اسلام کا قطب کہا جائے تواس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کیونکہ نہ صرف اسلام کا نظام بلکہ کل کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی عدل کے ساتھ قائم ہے۔شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ والو العلم قائما بالقسط۔اللہ اس کے فرشتے اورتمام اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ قائم بالقسط یعنی قائم بالعدل ہے۔خداوند عالم حکمرانوں کوحکم دیتا ہے کہ۔لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلو ا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔تمہیں کسی قوم وقبیلہ سے ذاتی دشمنی اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پرآمادہ نہ کرے۔ بلکہ عدل وانصاف کروکہ یہ تقویٰ کے

زیادہ قریب ہے۔پیغمبراسلام کاارشاد ہے کہ۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔تم میں سے ہرشخص حکمران و پاسبان ہے اوراس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ بادشاہ پورے ملک کا گورنر ہے پورے صوبے کا کمشنر پوری کمنشنری کا۔ڈی سی پورے ضلع کا تھانیدار اورنمبر دار اپنے پورے علاقہ کا اورشوہر اپنے بیوی بچوں کا راعی ونگہبان اورمسئول ہے۔تو اگر ناظر ونگراں پہلے اپنے فرائض کو سمجھے اور پھر عدل اونصاف کے تقاضوں کے مطابق انہیں ادا بھی کرے۔قوی اورضعیف امیر وفقیر میں مساوات قائم کی جائے عہدوں کی تقسیم کوامانت سمجھ کرعدل کے ساتھ تقسیم کیا جائے تمام امیدوار جس عہدہ کے لائق ہوں۔اہلیت وقابلیت کی بنا پرانہیں ان کے عہدوں پر فائز کیا جائے اور وہ اپنے فرائض منصبی کو اللہ کی امانت سمجھ کرادا کریں اور جہاں تک نااہلوں،خائنوں اورظالموں کا تعلق ہے تو پہلے تو ان کوان عہدوں پر فائز ہی نہ کیا جائے اوراگر غلطی سے ایسا ہوجائے توان سے جرائم کے سرزد ہونے کے فورا بعدان کومعزول کردیا جائے اوران کی جگہ اہل افراد کوفائز المرام کردیا جائے اوراسطرح مظلوم کی دادرسی کی جائے اورظالم کوقانون کے شکنجہ میں کس کراسے جلد از جلداس کے کیفرکردار تک پہنچایا جائے تورب اکبر کی قسم دنیا جنت کانمونہ بن جائے اورامن وآشتی کا گہوارہ قرار پائے اور پھر قتل وغارت،چوری وچکاری،دہشت گردی وفرقہ پرستی،زناکاری وشراب خوری،کانام ونشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے اورمشاہدہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ ’’یبقی الملك مع الکفر ولا یبقی مع الظلم۔کہ کوئی بھی حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے مگرظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔اللہ بہت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا اورخوب دیکھنے والا ہے۔اب اس نصیحت ربانی پرعمل کرنا حکام علماءکرام اورعوام کا کام ہے۔اگرعمل کریں گے تو فائز المرام ہوں گے اوراگر بنی اسرائیل اوردیگرنخطاط پذیر اقوام کی طرح ذمہ دارنہ مناصب نااہلوں کے حوالے کئے اورعدل وانصاف کی روح سے محروم ہوگئے۔اوراپنے شخصی اغراض اورنفسانی خواہشات کے لئےظلم وجور روارکھا اورعدل وانصاف کے گلے پرچھری پھیردی۔اوراپنی انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کوترک کردیا تو پھر یادرکھو کہ۔ع۔اگرتمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ان اللہ لا یغیروا ما بقوم حتی یغیروا بأنفسھم۔یعنی ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہوجس کوخیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللہَ...الآیۃ

آیۃ اولی الامر کی تفسیر

اس آیت مبارکہ میں تین ہستیوں کی اطاعت مطلقہ واجب ولازم قرار دی گئی ہے۔

ا۔خدا کی اطاعت جسے مرکزی ومحوری حیثیت حاصل ہے کیونکہ اسلامی نظام شریعت میں اصلی وحقیقی مطاع مطلق خداوند عالم ہی ہے۔کیونکہ وہی نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ کل کائنات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی باقی سب اسی کے بندے ہیں۔ ۲۔رسولؐ کی اطاعت ظاہر ہے کہ یہ اطاعت خدا سے علیحدہ کوئی مستقل اطاعت نہیں ہے بلکہ خدا کی اطاعت کی عملی شکل کا نام اطاعت رسولؐ ہے۔اسی لئے خدا فرماتا ہے۔**من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ جوشخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل خدا کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ رسول ہی کے ذریعہ سے ہم تک خدا کے اوامر ونواہی پہنچتے ہیں۔لہٰذا رسولؐ کی اطاعت سے روگردانی کرنا خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔اولی الامر کی اطاعت۔خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ اولی الامر کی اطاعت کریں جو خود مسلمانوں میں سے ہی ہیں۔

اولی الامر کون ہیں؟

امت مسلمہ میں اولی الامر کی تشخیص وتعیین میں شدید اختلاف ہے کہ ان میں سے کون حضرات مراد ہیں؟اس سلسلہ میں مختلف قول ہیں

ا۔علماء کرام۔ ۲۔قاضیان شریعت اسلام۔ ۳۔فوجی سربراہان۔ ۴۔ وقت کے حکام۔ ۵۔ائمہ اہل بیت علیہم السلام یعنی پیغمبر اسلام کے حقیقی جانشین مراد ہیں؟ اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس بات کا ذہن نشین کرنا لازم ہے کہ خدا اور رسولؐ کی طرح اولی الامر کی بھی اطاعت مطلقہ واجب ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اور اولی الامر کی اطاعت کے لئے لفظ''**اطیعوا**'' کی تکرار بھی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک ہی لفظ پر اکتفا کی گئی ہے۔اور ظاہر ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کا وجوب کسی خاص زمان ومکان یا کچھ مخصوص افراد واشخاص سے مخصوص نہیں ہے بلکہ صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ہر زمان ومکان اور ہر حال میں اور ہر شخص پر اور وہ بھی ہر امر ونہی میں اطاعت مطلقہ واجب ولازم ہے تو بالکل اسی طرح اولی الامر کی بھی اطاعت مطلقہ ہر امان ومکان میں اور ہر امر ونہی میں ہر شخص پر واجب ہوگی۔

اولی الامر کے لئے معصوم ہونا لازم ہے۔

اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی اطاعت مطلقہ شرعاً واجب ہو ان کے لئے معصوم عن الخطا ہونا ضروری ولازمی ہے۔ ورنہ لاتعداد مفاسد لازم آئینگے۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جسے علامہ فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں تسلیم کیا ہے جنہیں امام المتشککین کہا جاتا ہے موصوف رقمطراز ہیں۔ان اللہ امر بطاعۃ اولی الامر علی سبیل الجزم فی ہذہ الایۃ۔ ومن امر اللہ بطاعتہ علی سبیل الجزم لابد وان یکون معصوما عن الخطاء اذ لولم یکن معصوما عن الخطاء کان بتقدیر اقدامہ علی الخطاء مع ان اللہ قد امر بمتابعتہ فیکون امر ا بفعل الخطاء مع العلم بان متابعۃ المخطی منہی عنہا۔ فثبت ان المقصود من اولی الامر المذکورین فی الایۃ لا بد ان یکون معصوما۔(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۷ طبع استنبول)

یعنی خدائے حکیم نے اولی الامر کی اطاعت (مطلقہ) کو بطور جزم واجب قرار دیا ہے اور جس ہستی کی اطاعت کا خدا حکم دے اس کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ معصوم نہ ہو تو اس کے لئے کسی غلط کام کے اقدام کا امکان ہے تو پھر اس صورت میں بھی اس کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ حالانکہ خدا نے غلط کار آدمی کی اطاعت کی ممانعت کی ہے۔(اس طرح ایک ہی محل میں امر ونہی کا اجتماع لازم آجائے گا) پس ماننا پڑے گا کہ اولی الامر کو معصوم ہونا چاہیے۔ ایسا ہی افادہ حضرت شیخ الطائفہ نے فرمایا ہے۔فرماتے ہیں۔لا یجوز ایجاب طاعۃ احد مطلقا الا من کان معصوما مامونا عن السہو والغلط ولیس ذلک یحاصل للامراء ولا العلماء وھو واجب فی الائمۃ الذین دلت الادلۃ علی عصتہم۔اس عبارت کا مفہوم وہی ہے جو رازی کی عبارت کا ہے(تفسیر تبیان)

سچ ہے کہ الحق یجری علی اللسان(حق زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے) مگر اس قدر کلمہ حق کہنے کے باوجود مقام عبرت ہے کہ علامہ رازی کا قدم پھسل گیا اور یہ کہہ کر کہ کیا کریں پیغمبر اسلامؐ کے بعد امت میں کوئی معصوم ہستی نظر نہیں آتی لہٰذا اولی الامر سے امت کا اجماع مراد ہے مگر موصوف نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جب امت کے تمام افراد خطا کار و گنہگار ہیں تو ان کا مجموعہ کس طرح عصمت شعار ہوگا؟ کیا چند نابیناؤں کے اجماع سے کوئی بینا بن سکتا ہے؟ یا چند جاہل جمع ہو جائیں تو کوئی عالم پیدا ہو سکتا ہے؟

قسمت کی بد نصیبی کہ ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

فاضل موصوف کی بات یہاں تک بالکل درست ہے کہ علماء قضاۃ فوجی سربراہوں اور حکمرانوں اور عام زعماء وسیاستدانوں میں کوئی معصوم نظر نہیں آتا۔لہٰذا اولی الامر کا مصداق نہیں ہو سکتے مگر ان کا یہ کہنا کہ پیغمبر اسلام کے بعد پورے عالم اسلام میں کوئی معصوم نہیں ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور نا قابل اعتبار ہے اور یہ بات موصوف کی شپرہ چشمی کی دلیل ہے دنیا جانتی ہے کہ ؎

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ؟

یہ کہنا غلط ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد اسلام میں کوئی معصوم نہیں بلکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام معصوم ہیں!

جن لوگوں کی قرآن وسنت پر نگاہ ہے وہ حق بین سمجھ سکتے ہیں کہ اولاً تو یہ نظریہ کہ عصمت خاصہ انبیاءؑ است قرآنی تصریحات کے خلاف ہونے کے وجہ سے بے بنیاد ہے کیونکہ قرآنی آیات سے جناب مریم کی عصمت ثابت ہے جبکہ وہ بالاتفاق نبی نہیں ہیں۔

ثانیاً قرآن وسنت کی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ حضرت علیؑ سے لے کر مہدیؑ دین تک بارہ امام معصوم عن الخطاء ہیں

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی عصمت کے چند دلائل

یہاں تفصیلات پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے صرف چند ارشارات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۔سب سے پہلے تو آیت تطہیر۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا۔(احزاب آیت۔۳۳)

یہ آیت مبارکہ اہل بیت نبوت ورسالت کی عصمت وطہارت کی نا قابل رد دلیل ہے جس کی شان نزول صحیح مسلم، ترمذی ومشکوۃ وغیرہ کتب حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔(تفسیر ابن جریر اور درمنثور وغیرہ)

۲۔پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع علیا فقد اطاعنی ومن عصی علیا فقد عصانی

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی

نافرمانی کی اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم نیشاپوری اور تلخیص المستدرک ذہبی)

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ علی مع القران والقران مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی۔ کے ساتھ جب تک حوض کوثر پر دونوں اکھٹے میری بارگاہ میں حاضر نہیں ہوں گے تب تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم نیشاپوری اور تلخیص المستدرک ذہبی)

۴۔ نیز فرمایا ''اللھم ادر الحق مع علی کیف دار'' یا اللہ جدھر جدھر علیؑ پھرتے جائیں تو حق کو بھی ادھر ادھر پھیرتا جا (سنن ترمذی، مستدرک حاکم، صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

۵۔ نیز بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ''انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض'' (حدیث نبوی متواتر) میں تم میں دو نفیس اور گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہل بیت (علیہم السلام) تم جب تک ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر میرے پاس نہیں آئیں گے تب تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔

۶۔ نیز فرمایا ''مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ ومن تخلف عنھا ضل وغرق وھوی'' میرے اہلبیت (علیہم السلام) کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو اس پہ سوار ہو جائے گا وہ پار ہو جائے گا اور جو اس سے روگردانی کرے گا وہ دنیا میں گمراہ ہو جائے گا اور (آخرت میں) جہنم میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ ایضا حدیث نبوی متواتر۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان حدیثوں اور ان جیسی بیسویں حدیثوں سے اہل بیت نبوت کی عصمت روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے

ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی اولی الامر ہیں

اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کا اولی الامر کا مصداق ہونا کالشّمس فی نصف النہار بھی واضح و آشکار ہو جاتا ہے علاوہ بریں ینابیع المودۃ باب ۵۶ بروایت ابن عباس حضرت رسول خداؐ کی زبان وحی ترجمان سے علیؑ سے لے کر مہدیؑ دوراں تک پورے بارہ اماموں کی عصمت وطہارت کی گواہی موجود ہے فرمایا ''انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطھرون معصومون'' (ینابیع المودۃ باب ۵۶)

اس قدر صراحت کے بعد وضاحت کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اولی الامر سے

مراد ائمہ اہلبیت ہی ہیں اس لہ تائید مزید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو اثبات الوصیہ مسعودی، کفایۃ الاثر اور ینابیع المودۃ میں مذکور ہے کہ آیت اولی الامر کے نزول کے بعد جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر واجب قرار دیا ہے؟

تو آنحضرتؐ نے فرمایا ''خلفائی یا جابر وائمۃ المسلمین'' یہ میرے جانشین اور مسلمانوں کے امام ہیں پھر جناب جابر کی استدعا پر آنحضرت نے حضرت علیؑ سے لیکر حضرت حجتؑ (بارہویں لعل ولایت) تک نام بنام ان کا تعارف کرایا۔ ان حقائق کی روشنی میں صاحب ضیاء القران کے اس کلام کا کیا علمی مقام باقی رہ جاتا ہے کہ ''خلیفہ کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اسلئے اس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا'' (ضیاء القرآن ج ا ص ۳۵۲)

اے کاش! کہ وہ اس شرط کی نشاندہی کر دیتے جس سے یہ اطاعت مطلقہ مشروط قرار پائی ہے؟؟

فراجع والحمدللہ علی ظھور الحق والحقیقہ۔

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ ...الآیۃ

کہا جاتا ہے کہ نزاع کی صورت میں صرف خدا ورسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا کیوں حکم نہیں دیا گیا؟ تو اس کے دو جامع جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

پہلا یہ کہ یہاں ''فی شئی'' نکرہ ہے جس میں عموم پایا جات ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی بھی چیز میں نزاع ہو جائے حتی کہ اس بات میں بھی کہ اولی الامر کون ہیں (جیسا کہ ہے) تو اس کا فیصلہ خدا اور رسولؐ سے کراؤ۔ جس کی تعمیل کرتے ہوئے سطور بالا میں فیصلہ میں کرلیا گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کا دستور ہے کہ ''یفسر بعضہ بعضا'' کہ بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد خدائے علیم وحکیم نے اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے ''واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولوردوہ الی الرسول واولی الامر منھم لعلمہ الذین یستبطونہ منہ م'' جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے تو وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرتے تو وہ لوگ جان لیتے جو استنباط کی قوت رکھتے ہیں (نساء آیت۔ ۸۳) ''وماذا بعد الحق الا الضلال''

ایضاح

کئی غیر ذمہ دار مقررین اس آیت سے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا امور تکوینیہ کا مالک ومختار ہونا ثابت کیا کرتے ہیں کہ یہ اولی الامر''وانما امرہ اذا اراد شئیا ان یقول لہ کن فیکون'' کے مصدرق ہیں پس یہ ذوات مقدسہ بھی جب کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو پس وہ کن کہتے ہیں پس فیکون

لہٰذا یہی خالق ورزاق ہیں ایسے ہی لوگوں پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑہ

بھان متی نے کنبہ جوڑا

ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں الامر سے مراد تشریعی امر ہے جو نیابت کے قابل ہے اس سے تکوینی امر مراد نہیں ہے وہ تو حقیقی آمر یعنی ذات پروردگا کے ساتھ قائم ہے اور نیابت کے قابل نہیں ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ...الآیۃ

اس آیت مبارکہ سے یہ فقہی حکم مستنبط ہوتا ہے کہ طاغوت کی طرف اپنا مقدمہ لے جانا شرعا حرام ہے اور طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون خداوندی کے خلاف فیصلہ کرے اور اس سے وہ عدالت مراد ہے جو فیصلہ کرنے میں خدا اور سولؐ کے فیصلہ کی پابند نہ وہ بلکہ آزاد ہو ایسی عدالت میں اختیاری حالت میں اپنا مقدمہ لے جانا شرعاً ممنوع ہے حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا! جس شخص کا اپنے بھائی سے کوئی جھگڑا ہو اور وہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو حاکم بنانے کو کہے مگر دوسراا سے حاکم جائر کی طرف لے جانے پر اصرار کرے تو وہ ایسا ہے کہ گویا جبت وطاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا (تفسیر عیاشی)

حالانکہ اہل ایمان کو طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ قبل ازیں اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۵ کی تفسیر میں جہاں خدائے علیم وحکیم نے میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں دو حکم مقرر کرنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے کہ ایک مرد کے خاندان سے ہو اور دوسرا عورت کے کنبہ سے اور وہ ان کی شکایات سن کر اور جملہ حالات کا جائزہ لے کر ان کا کوئی مناسب فیصلہ کریں۔ وہاں ہم یہ حقیقت بیان کر چکے ہیں کہ زندگی کے دوسرے تمام نزاعات میں بھی باہمی جنگ وجدال اور قتل وقتال کی بجائے اور حکام جور کی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اور پانی کی طرح روپیہ پیسہ بہانے کی بجائے اسی طریقہ کار پر عمل کرنا چاہیے۔ اور دیندار وذمہ دار اہل علم وایمان کو فیصل تسلیم کر کے باہمی صلح وصفائی اور فیصلہ کا اہتمام کرنا چاہیے اگر مسلمان اسی قرآنی حکم پر عمل کرتے تو بہت سے اختلافات، تفرقات اور نزاعات سے محفوظ ہو جاتے اور ان کے اتحاد کا شیرازہ نہ بکھرتا۔

بہر حال اس آیت کی شان نزول تفسیر مجمع البیان وغیرہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک یہودی کا ایک منافق مسلمان کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ اس بات کا فیصلہ حضرت محمدؐ سے کراتے ہیں کیونکہ اسے یقین تھا کہ حضرت نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں اور نہ ہی رشوت لیتے ہیں۔ مگر منافق کے دل میں چونکہ چور تھا کہنے لگا کہ کعب بن اشرف (یہودی عالم) کے پاس چلتے ہیں کیونکہ منافق کو پتہ تھا کہ وہ رشوت لے کر اس کے حق میں غلط فیصلہ کر دے گا (خداوند عالم) اس آیت میں منافقین کی اسی روش اور رفتار کا شکوہ کر رہا ہے۔ کہ یہ لوگ دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اور اس سے پہلے نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر جب باہمی تنازعات کا فیصلہ کرنے کا وقت آتا ہے تو آپ کو اور آپ کے قرآن کو چھوڑ کر طاغوت کے پاس اپنے مقدمے لے جاتے ہیں؟ گفتار و کردار کے اس تضاد کا ہے کوئی جواز؟ سچ ہے کہ "عند الامتحان یکرم الرجل او یھان" امتحان کے وقت پتہ چلتا ہے کہ لائق تکریم کون ہے اور قابل توہین کون ہے؟ اور حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں "الدین لعق علی السنتھم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون" (نہج البلاغہ)

عام لوگوں نے دین کو چاٹا سمجھ رکھا ہے۔ جسے (نمائش کے طور پر) چاٹ رہے ہیں۔ پس جب ابتلاء و آزمائش کا وقت آتا ہے تو دین دار بہت کم ثابت ہوتے ہیں "ویرید الشیطان ان یضلھم ضلا لا مبینا" شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں بڑی گمراہی میں مبتلاء کرے اس فقرہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ شر شیطان کی طرف سے ہے "اعاذنا اللہ من شرہ وضرہ"

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ ...الآیۃ

ما انزل اللہ سے مراد قرآن اور الی الرسول سے سنت رسولؐ مراد ہے۔ یعنی جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ آؤ قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کراؤ تو منافق آنحضرت کے پاس آنے سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اگر کتاب اللہ پر عمل کرنے پر اپنی آمادگی بھی ظاہر کریں تو سنت و سیرت رسول اکرمؐ پر عمل کرنے سے روگردانی کرتے ہیں کیونکہ ان کو اندیشہ ہوتا تھا کہ چونکہ وہ جھوٹے ہیں اس لئے بارگاہ نبوی کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا۔ اس لئے وہ اس حاکم کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتے تھے جس کے بارے میں انہیں یقین ہوتا تھا کہ وہاں رشوت وغیرہ ناجائز ذرائع سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیں گے۔ آج کل بھی عام نام نہاد مسلمانوں کا یہی طریقہ کار ہے کہ جہاں شرعی فیصلہ ان کے مفاد میں ہو وہاں تو قانون شرعی کا فیصلہ سر آنکھوں پر اور جہاں یہ خیال ہو کہ شرعی فیصلہ ان کے خلاف ہوگا تو وہاں رائج الوقت قانون اور ملکی رسم و رواج کا سہارا لیتے ہیں تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کرا سکیں۔ بنا بریں عہد نبوت کے منافقوں اور آج کل کے نام نہاد مسلمانوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟

فَكَيۡفَ اِذَآ...الآية

نزول مصائب کے مختلف وجوہ واسباب

جس طرح بلاء ومصیبت کا نزول کبھی آزمائش کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''ولنبلونکم بشئی من الخوف...الآیۃ۔ اور کبھی رفع درجات اور بلندی مراتب کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ انبیاء واوصیاء کے مصائب شدائداسی طرح اکثر وبیشتر شامت اعمال کا نتیجہ وثمرہ بھی ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر ''، تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے حالانکہ ابھی تو خدا بہت درگذر سے کام لیتا ہے بہرحال جب یہ لوگ بارگاہ نبوی کا فیصلہ چھوڑ کر اپنے مطلب برآری کیلئے طاغوتی اور غیر شرعی عدالت کے فیصلے کی آڑ لیتے ہیں اور اس طرح جب ان کی منافقت کا پردہ چاک ہوجاتا ہے اور وہ ذلیل ورسوا ہونے لگتے ہیں تو پھر باطل تاویلوں کا جال بچھا دیتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر کہتے ہیں کہ ہم نے خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کا انکار تھوڑا کیا ہے۔ قانونی فیصلہ تو وہی ٹھیک ہے مگر ہم تو صرف اسلئے دوسروں کے پاس گئے تھے کہ وہ ہمارے درمیان مصالحت وموافقت کرادیں۔ سچ ہے کہ خوئے بدرا بہانہ بسیار۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ...الآية

خدائے علیم وخبیر ان کی غلط تاویلوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ اللہ ان کے قلبی کفر ونفاق کوخوب جانتا ہے اور وہ ان کی غلط قسموں اور باطل تاویلوں سے چھپ نہیں سکتا۔ مگر اس کے باوجود رحیم وکریم پروردگار اپنے رسولؐ مکرم کو حکم دے رہا ہے کہ ان سے چشم پوشی فرمائیں اور مواخذہ نہ کریں اور ان کو وعظ ونصحت فرمائیں اور ان سے ایسی بات کہیں جو اُن کے دلوں میں اُتر جائے، بعض لوگوں نے ''فاعراض عنہم'' کے یہ معنی کئے ہیں کہ ان سے روگردانی کریں تو اگر یہ معنی درست ہوں تو پھر اس کے بعد والے جملوں کہ ان کو وعظ ونصیحت کریں اور ان سے ایسی بات کہیں جو ان کے دلوں پر اثر انداز ہو کا کیا مفہوم ہوگا؟؟

آیات القرآن

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے کاش جب یہ لوگ (گناہ کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے اگر آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان پاتے (۶۴) نہیں آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مانیں اور پھر آپ جو فیصلہ کریں (زبان سے اعتراض کرنا تو کجا) اپنے دلوں میں بھی تنگی محسوس نہ کریں اور اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے (۶۵) اور اگر ہم ان پر یہ فرض کردیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو۔ یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر معدود چند لوگوں کے سوا اور کوئی عمل نہ کرتا اور اگر یہ اس نصیحت پر عمل کرتے، جو ان کو کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ اور ثابت قدمی کا زیادہ موجب ہوتا ہے (۶۶) اور اس وقت ہم انہیں اپنی طرف سے بڑا اجر دیتے (۶۷) اور انہیں سیدھے راستہ پر چلنے کی خاص توفیق عطا کرتے (۶۸) جو اللہ اور

رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام کیا ہے یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں (۶۹) یہ اللہ کا خاص فضل ہے اور اللہ کا علم کافی ہے (۷۰)

تفسیر الآیات

وَمَآ اَرْسَلْنَا...الآیۃ

اللہ کے حکم کی تعمیل واطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ کا یہ بھی ایک حکم ہے کہ میرے رسول کی اتباع واطاعت کرو بموجب ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' جو رسول کی اطاعت کرے گا وہ خدا کا اطاعت گزار سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو مقدس ہستیاں خدا کی طرف سے نبی ورسول بن کر آتی ہیں وہ محض اسلئے نہیں آتیں کہ صرف زبانی کلامی ان کی نبوت ورسالت کا اقرار کرلیا جائے بلکہ اسلئے آتی ہیں کہ ہر امر ونہی میں ان کی اطاعت وپیروی کیجائے اور اپنی تمام انفرادی واجتماعی زندگی کو ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے سانچوں میں ڈھالا جائے۔ اور دنیا جہاں کے تمام آئین وقوانین کو چھوڑ کر صرف اس قانون پر عمل کیا جائے جو نبی ورسول منجانب اللہ لایا ہے لیکن اگر زبان سے نبیورسولؐ کی نبوت ورسالت کا اقرار کیا جائے اور عمل سے اطاعت لوگوں کے قوانین کی کیجائے یا عام مروجہ رسموں ورواجوں کی پابندی کی جائے تو پھر اس زبان اقرار کی کوئی حیثیت نہیں ہے

زباں سے گر کیا توحید کا دعوی تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تونے؟

بارگاہ خداوندی میں وسیلہ پیش کرنیکا حکم

یہ آیت مبارکہ بارگاہ خداوندی میں بعض بزرگ وبرتر ہستیوں کے توسل کے جواز اور اس کی اہمیت کی ناقابل تاویل دلیل ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ گناہ کر کے توبہ واستغفار کرنے کا تعلق گنہگار بندہ کا براہ راست خدا سے ہے لہٰذا خدا سے بخشش گناہ کی دعا واستدعا کرنا کافی ہونا چاہیے تھا مگر خدائے غفار اپنے گنہگار بندوں کو اس کا طریقہ کار یہ بتا رہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر اسلامؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خدا سے استغفار کریں اور شرط یہ ہے کہ پیغمبر بھی خدا کی بارگاہ میں ان کی مغفرت کی دعا (سفارش) کریں۔ تو اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا

پائیں گے۔اس سے واضح ہے کہ دعا اور توبہ واستغفار کا قبول کرنے والا تو خداوند عالم ہی ہے مگر کسی دینی بزرگ شخصیت کا وسیلہ اختیار کرنا اس دعا کو محل اجابت کے قریب تر کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں ''اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں۔اس کی مغفرت ضرور ہو جائیگی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری۔جیسے آپؐ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا! کہ جب ہم رسول اللہ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائیگی۔اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں اسوقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی ''قد غفرلك'' یعنی تیری مغفرت کر دی گئی (بحر محیط، تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰، کذا فی ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۶۰ بحوالہ القرطبی)''بس یہی ہے ہر اس دعا کا مطلب جو کسی مقرب الٰہی کے روضہ پر جا کر کی جاتی ہے'' (فصل الخطاب ج ۲ ص ۲۳۰)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...الآية

عصمت کبریٰ کے تاجدار اور اقلیم ''ما ینطق عن الھوی'' کے مختار کی غیر مشروط اطاعت مطلقہ کے لزوم کا اظہار اس سے بڑھکر موثر اور جاندار الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔خلاق عالم واؤ قسمیہ کے ساتھ اپنی ذات ذوالجلال کی قسم کھا کر یہ حقیقت بیان کر رہا ہے کہ یہ ایمان کے دعویدار اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے تمام باہمی نزاعات میں حضرت رسول خداؐ کو اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم نہ کریں۔اور پھر آپ جو فیصلہ کر دیں خواہ وہ ان کے حق میں کریں یا ان کے خلاف کریں وہ اس سے اپنے دل میں تنگی، اضطراب اور بے تابی محسوس نہ کریں اور اس طرح قبول کریں جس طرح قبول کرنے کا حق ہے۔اس سے واضح ہے کہ ایک مسلمان کو پیغمبر اسلامؐ کے حکم اور فیصلہ کے سامنے اس طرح خود سپردگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ نہ چوں کی جائے اور نہ چرا؟ اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا۔اور یہ کہ خدا اور رسول کے فیصلہ کے بعد پھر کسی اجماع یا شوری کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور بالاتفاق تمام مفسرین اسلام یہ حکم صرف آنحضرتؐ کے حین حیات تک محدود نہیں ہے بلکہ صبح قیامت کے طلوع ہونے تک قائم ودائم ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافر ومسلمان اور مومن و بے ایمان کے معلوم کرنے کا

یہی میزان ہے۔ پس جو شخص رحمۃ اللعالمین کے ہر قول و فعل کی اطاعت مطلق کرتا ہے آپؐ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان بھی ہے اور اہل ایمان بھی اور جو مدعی اسلام و ایمان آپ کے اوامر و نواہی کی اطاعت نہیں کرتا اور کارگاہ حیات میں۔ اپنے تمام اصول و فروعی اختلافات میں آپ کے ہر ہر فیصلہ کو دل وجان سے بلا چوں و چرا تسلیم نہیں کرتا۔ وہ مسلمان اور مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ اسی لئے ارشاد قدرت ہے ''انا انزلنا الیك الكتب بالحق لتحكم بین الناس بما اراك الله'' (اے حاکم عادل) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اس لئے نازل کی ہے کہ آپ اللہ کے دکھلانے اور بتانے کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ اس سے واضح ہے کہ آپ صرف روحانی پیشوا اور اخلاقی رہبر و راہنما ہی نہیں بلکہ آپ ایک ایسے حاکم عادل بھی ہیں جن کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنا اور نہ کرنا کفر و اسلام کا میزان قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا تھا ''لا یومن احدكم حتی یكون هواه تبعا لما جئت به'' کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میرے لائے ہوئے طریقہ کے تابع و مطابق نہ ہو۔ نیز اس سے واضح ہوتا ہے کہ سچا مومن بننے کے لئے پیغمبر اسلام کا فیصلہ صرف مان لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ''ثم لا یجدو فی انفسهم حرجا مما قضیت'' کے مطابق ضروری ہے کہ ان کے اندر ایسی حالت پیدا ہوجائے کہ رسول کے فیصلے اور حکم سے دل میں بھی تنگی و خلش محسوس نہ کریں۔

وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا...الآیة

خداوند عالم منافقین کی مزید مذمت کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان کے عقیدہ و عمل کی کمزوری کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ایسے سہل و آسان احکام پر عمل نہیں کرتے تو اگر بنی اسرائیل کی طرح ان کو سخت احکام دیے جاتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسے بطور سزا بنی اسرائیل کو دیے گئے تھے تو معدودے چند افراد کے سوا کوئی شخص ان احکام پر عمل نہ کرتا حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ بالکل سہل و آسان ہے ''وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ'' (الحج آیت۔۷۸) اور خدائے رحیم و کریم کسی شخص کو اس کی طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ''لا یكلف الله نفسا الا وسعها'' (سورہ بقرہ آیت۔۲۸۶) اور اگر اس کے باوجود ہم اس پر عمل نہ کرسکیں تو (وائے برحال ما)

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا...الآیة

جس چیز کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی خدا اور رسولؐ کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرنے کی تو اگر یہ لوگ دورنگی اور تذبذب چھوڑ کر پوری یکرنگی و یکسوئی کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی اطاعت و پیروی کرتے تو اس سے

انہیں چند فوائد حاصل ہوتے

ا۔ان کی دنیا وآخرت سنور جاتی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا''(احزاب آیت۔۷۱)

جو شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ عظیم کامیابی حاصل کرے گا

۲۔ان کی یہ بے یقینی اور تذبذب کی کیفیت ختم ہوجاتی اور ان کے عقائد و اعمال مضبوط بنیادوں پر استوار ہوجاتے اور انہیں ثبات اور اطمینان قلب کی نعمت میسر آجاتی۔اور تردد و تذبذب کے دائمی عذاب سے نجات مل جاتی اور دینی بصیرت میں اضافہ ہوجاتا۔

۳۔خدا ان کو اپنی بارگاہ سے اجر عظیم کی بے پایاں دولت عطا فرماتا

۴۔ان کو صراط مستقیم پر چلنے کی خصوصی توفیق عطا کرتا جس کے بعد ان کے لئے جنت الفردوس میں داخل ہونا نہ صرف آسان بلکہ یقینی ہوجاتا اور اس طرح ان کا سفینہ حیات غرق ہونے سے محفوظ ہوجاتا اور ان کی محنت ومشقت کا درخت ثمر آور ہوتا اور ان کی کشتی حیات کنارے سے ہمکنار ہوجاتی ''وَ ذٰلِكَ هو الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ''

مگر آہ! ما اکثر العبر واقل الاعتبار؟

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ...الآیۃ

خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرنیوالوں کے اچھا انجام کا بیان

اس آیت مبارکہ میں سابقہ آیت میں بیان کردہ مقصد کی تاکید مزید کرتے ہوئے خدا رسولؐ کی اطاعت اور عقیدہ وعمل کی پختگی و درستگی کے خوشگوار ثمرات سے اہل عالم کو آگاہ فرمارہا ہے کہ ایمان واطاعت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثمرہ اور نتیجہ ہوسکتا ہے کہ اس سے انسان کو آخرت میں انبیاء،صدیقین،شہداء اور صالحین کی معیت و رفاقت حاصل ہوتی ہے

ان چار اصناف کی تعریف

ا۔نبی کون ہوتا ہے؟ وہ انسان کامل جو براہ راست خدا سے ہم کلام ہو اور اس کا کلام و پیغام اس کے بندوں تک پہنچائے اسی کو شریعت کی اصطلاح میں نبی کہا جاتا ہے۔

۲۔صدیق بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت بڑا راست باز و راست گفتار جس میں

سچائی کی روح غالب ہو اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر امر میں خدا اور رسول کی تصدیق کرے اور دینی معاملات میں اسے کبھی شک وشبہ عارض نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ نیز ارشاد قدرت ہے''والذین امنوا باللہ ورسولہ اولئك هم الصديقون'' جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں۔

۳۔شہید۔اس سے مراد شہید راہ خدا ہے نیز شہید کے ایک معنی گواہی دینے کے بھی ہیں۔لہٰذا جو شخص کبھی اپنے قول وفعل سے کبھی کلام وزبان سے اور کبھی سیف وسنان سے اسلام کی صداقت کی گواہی دے جیسا کہ شہید راہ خدا اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے دین حق کی حقانیت کی گواہی دیتا ہے اور اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ جس پر ایمان رکھتا ہے وہ اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔اسلئے وہ جان تو دے سکتا ہے مگر ایمان سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ایسے ہی لوگ بروز قیامت ''لتکونوا شھداء علی الناس'' کے مطابق لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

۴۔صالح۔اس سے مراد وہ خوش قسمت شخص ہے جو عقیدہ وعمل دونوں میں صالح اور نیک ہو اور راست باز جس کا اعتقاد وعمل اللہ کے قرآن اور سنت واسوہ نبی آخر الزمانؐ کے مطابق ہو۔حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ''بالایمان یستدل علی الصالحات وبالصالحات یستدل علی الایمان'' یعنی ایمان سے نیک کاموں پر اور نیک کاموں سے ایمان پر استدلال کیا جاتا ہے (نہج البلاغہ)

یہ چاروں درجے ایک ذات میں جمع بھی ہوسکتے ہیں

مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بالا چار صفات صفات متضادہ کی طرح نہیں ہیں بلکہ صفات متداخلہ کی مانند ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی وصدیق اور شہید وغیرہ الگ الگ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ چاروں صفات ایک ہی ہستی میں جمع ہوجائیں یعنی ایک ہی شخص نبی بھی ہو اور صدیق بھی، شہید بھی ہو اور صالح بھی۔ونبیًّا من الصالحین۔اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ چاروں درجے سرکار محمد وال محمد علیہم السلام میں یکجا مجتمع نظر آتے ہیں آنحضرتؐ نبی اعظم ہیں اور آل محمد علیہم السلام صدیق بھی ہیں اور شہید بھی اور اسی طرح صالح بھی۔ذلك الفضل من الله

امت مرزائیہ کے ایک غلط استدلال کا ابطال:

امت مرزائیہ اور قادیانی جماعت ہمیشہ بڑے طمطراق کے ساتھ اس آیت مبارکہ سے اپنے مذموم

مقصد یعنی اجراء نبوت پر استدلال کرتی رہتی ہے کہ دروازہ نبوت بند نہیں ہوا۔ بلکہ فیضان الٰہی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور ایک شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر کے نبی بن سکتا ہے اور سلسلہ انبیاء میں داخل ہو سکتا ہے مگر یہ استدلال کرنے والے مورکھوں نے یہ سوچنے اور دیکھنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی کہ آیت میں ''من النبین'' نہیں بلکہ ''مع النبین'' ہے یعنی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص خدا اور سولؐ کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں سے ہو جائے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ خوش قسمت نبیوں کے ساتھ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ کسی جماعت سے ہونا الگ ہے اور اس کے ہمراہ ہونا الگ۔ اگر اللہ کا مقصد وہ ہوتا جو یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو پھر آیت میں ''مع'' کی جگہ ''من'' آتا۔ مگر آیت میں ''من'' کی بجائے مع کا آنا اور آخر میں ''حسن اولئك رفيقا'' کہ یہ لوگ بہترین رفیق اور بڑے اچھے ساتھی ہیں اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ یہ اطاعت گذار آخرت میں اور جنت میں ان اصناف کے ہمراہ تو ہوں گے مگر خود ان اصناف میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ معیت کے معنی ساتھ ہونے کے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود اس مرتبہ پر فائز بھی ہو جائیں گے اور اس بات کی مزید تائیداس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ رفاقت جنت میں ہوگی اس بات کی تائید مزید اس آیت کی شان نزول سے بھی ہوتی ہے جو شیعہ سنی مفسرین نے بیان کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ کا ثوبان نامی ایک غلام تھا جو آپ کا محب صادق تھا۔ ایک بار جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو چہرہ مرجھایا ہوا اور رنگ اڑا ہوا تھا آنحضرت نے اس کی وجہ پوچھی پر اس نے عرض کیا! اس کے سوا کوئی بیماری نہیں کہ جب آپ کا چہرہ اقدس آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو زیارت کے لئے بے تاب ہو جاتا ہوں۔ جب آپ کے دیدار پرنور سے مشرف ہوتا ہوں تو دل کو تسلی ہو جاتی ہے۔ اور اب مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ اگر میں جنت میں گیا بھی (جس کا ہنوز یقین نہیں ہے) تو میرا درجہ پست ہوگا لہٰذا آپ کی زیارت سے کس طرح مشرف ہوں گا۔ اور اگر نہ کرسکا تو دل بے قرار کو کس طرح قرار آئے گا؟ بروایتے بعض مخلص اصحاب نے یہ بات کہی تھی۔ آنحضرتؐ نے تو یہ کلام سن کر کوئی جواب نہ دیا مگر جبرئیل امین دوسرے دن یہ مژدہ جانفزا لے کر آئے کہ خدا فرماتا ہے کہ ''من يطع الله والرسول اولئك مع الذين'' جس سے خدائے رحیم وکریم نے آنحضرتؐ کے سچے حبداروں اور اطاعت گزاروں کو یہ بشارت دی ہے کہ ان کو جنت میں نہ صرف آنحضرتؐ کی بلکہ دوسرے انبیاء ومرسلین، صدیقین، شہداء اور عباد اللہ الصالحین کی ملاقات وزیارت بھی نصیب ہوتی رہے گی (کبھی اعلیٰ درجہ والے ادنیٰ درجہ والوں کی ملاقات کے لئے آیا کریں گے اور کبھی ادنی درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں سے جا کر ملاقات کریں گے (مجمع البیان۔ قرطبی وغیرہ)

ایک ایراد اور اس کا جواب

امت مرزائیہ کے مبلغین کہا کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر کے صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے تو پھر نبی کیوں نہیں بن سکتا۔ اس ایراد کے دو جواب دیے جا سکتے ہیں پہلا یہ کہ یہ عہدے کسبی ہیں جو کسی شخص کی عملی جدوجہد سے حاصل ہو سکتے ہیں لہٰذا ایک شخص عملی جدوجہد اور اپنی سعی وکوشش سے صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے مگر نبوت وہبی عہدہ ہے اس کا کسی بندہ کی عملی سعی وکوشش سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ''ذلك فضل الله يوتيه من يشاء'' یہی وجہ ہے کہ نبی دنیا میں آ کر اور عمل وعبادت اور خدا کی عملی اطاعت کر کے نبی نہیں بنتے بلکہ وہ پیدا ہی نبی ہوتے ہیں جیسا کہ آدمؑ، عیسیٰؑ، ویحییٰؑ کے قرآنی قصص وحکایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ خاتم الانبیاء کے تشریف لانے اور دین کے مکمل ہو جانے کے بعد خدائے حکیم نے ہمیشہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ماكان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبين وكان الله بكل شئ عليما'' سرکار ختمی مرتبت نے بھی اعلان کر دیا کہ۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (متفق علیہ) مگر دوسرے اصناف کے دروازوں کی بندش کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ دروازے قیامت تک کھلے ہیں۔ ذالك الفضل من الله۔ یہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت گذاری اور جنت الفردوس میں انبیاء وشہدا اور صالحین کی رفاقت شعاری اللہ کا خاص فضل وکرم ہے جس سے وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے والله ذو الفضل العظيم۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ فَانۡفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انۡفِرُوۡا جَمِيۡعًا ۝۷۱ وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ۝۷۲ وَلَـئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَـقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۝۷۳ فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۷۴ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝۷۵

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان مکمل رکھو۔ ہر وقت تیار رہو پھر (موقع کی مناسبت سے) دستہ دستہ ہو کر نکلو یا اکھٹے ہو کر نکلو (۷۱) ضرور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہ جائے گا پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ کہے گا کہ یہ مجھ پر اللہ کا احسان تھا کہ ان کے ساتھ حاضر نہ تھا (۷۲) اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم ہو (فتح ہو اور مال غنیمت مل جائے) تو کہتا ہے جیسے اس کے اور تمہارے درمیان کبھی محبت اور دوستی تھی ہی نہیں ہے کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا (۷۳) اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جنگ کرنا چاہیے جنہوں نے دنیا کی پست زندگی آخرت کے عوض فروخت کردی ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، پھر مارا جائے یا غالب آجائے تو ہم ضرور اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔ (۷۴) آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم جنگ نہیں کرتے راہ خدا میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو فریاد کر رہے ہیں پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی سرپرست اور حامی و مددگار بنا (۷۵)

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...الآیۃ،

اس آیت مبارکہ کے ابتدائی حصہ میں (دوسری کئی آیات کی طرح) اہل ایمان کو جہاد وقتال کے لئے آمادہ کیا جارہا ہے اور آخری حصہ میں جہاد کے طریقہ کار کے بارے میں راہنمائی کی جارہی ہے چونکہ احد کی عارضی شکست کے بعد گردونواح کے لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئی تھیں اور مسلمانوں کی ہمتیں پست ہوگئی تھیں۔ اس لئے وہ مختلف خطروں کی دلدل میں پھس گئے تھے۔ نت نئی خبریں آتیں کہ فلاں قبیلہ حملہ کرنے والا ہے۔ فلاں جگہ حملے کی تیاریاں کی جارہی ہیں اور فلاں قبیلہ کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور وہ حملہ کرنے کے لئے بہانے تلاش کررہا ہے ان حالات میں اہل اسلام کی طرف سے سخت جدوجہد اور زبردست کوشش وکاوش کی ضرورت تھی تاکہ ان خطروں کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام ان خطروں سے باہر نکل آئے۔ چنانچہ یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ دشمن سے ڈرو اور ہوشیار رہو اور اس سے بچاؤ کے لئے اسلحہ جنگ فراہم کرو۔ کیونکہ حذر کے ایک معنی ہیں کسی خطرناک شئی سے چوکس اور چوکنا رہنا اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنا اسلحہ جنگ فراہم کرو۔ جس کے ذریعہ سے اس خطرناک چیز سے بچا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت محمد باقرؑ سے مروی ہے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے ''واعدوالهم مااستطعتم'' دشمن کے لئے ہر ممکن اسلحہ جنگ مہیا کرو۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ اسلحہ جنگ ظروف زمان ومکان کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے مثلاً پہلے گھوڑے تھے۔ آج ٹینک اور ہوائی جہاز ہیں۔ پہلے سیف وسناں اور تیروتفنگ تھے اور آج ان کی جگہ کلاشنکوف اور مارٹن گن بلکہ ایٹم بم نے لے لی ہے اب یہ جہاد فوجی دستے بھیج کر بھی کیا جاسکتا ہے جسے سریہ کہا جاتا ہے اور لشکر کی صورت میں بھی چنانچہ ثبات ''ثبۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی گروہ اور چھوٹی جماعت کے ہیں اور ''انفروا جمیعا'' کے معنی پورے لشکر کو ہمراہ لیکر حملہ کرنے کے ہیں۔ بنابریں یہ جہاد وقتال خواہ چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کے ذریعہ کیا جائے یا لشکر جرار کے ساتھ بہر حال یکا وتنہا میدان کارزار میں جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں نقصان وزیاں کا قوی امکان ہوتا ہے۔ کما لا یخفی

وَاِنَّ مِنْكُمْ...الآیۃ

تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں۔ یہ انداز کلام بتارہا ہے کہ یہ کافروں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بظاہر اسلام وایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں مگر ان کے جذبات اور حرکات بالکل کافرانہ ہیں اسلئے

بالاتفاق ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں جیسا کہ ان کی روش ورفتار سے واضح وآشکار ہے۔ مثلاً جب مسلمان دشمن سے لڑنے کے لئے میدان جنگ جہاد میں جاتے ہیں تو یہ کوئی نہ کوئی عذر بہانہ کر کے مجاہدین میں شامل نہیں ہوتے پھر اگر مسلمانوں پر شکست وغیرہ کی شکل میں کوئی افتاد پڑے اور وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا کہ ہم مجاہدین میں شامل نہیں تھے۔ ورنہ ہم بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔ اور اگر مسلمانوں کو فتح وفیروزی نصیب ہو تو کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ہمراہ ہوتے تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم میں اور ان میں کوئی محبت والفت نہیں ہے ورنہ اگر تمہارے درمیان الفت ہوتی تو وہ تمہاری کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتے اور اس پر خوش ہوتے۔ اس پر ہاتھ نہ ملتے کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے اور مال غنیمت سے اپنا حصہ حاصل کرتے۔ ہمارے اس وضاحتی بیان سے عیاں ہے کہ ''کان لم تکن بینکم وبینهم مودة'' کا جملہ اپنے محل ومقام پر ہے اور اس میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں ہوئی ہے اور اس کا تعلق پہلے جملے (فان اصابتکم مصیبة) سے نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے یہ تکلف کیا ہے اور پھر انہیں اس فقرہ کا صحیح مطلب سمجھنے میں مشکل پیش آئی ہے۔ بہرنوع یہ فقرہ کہ اللہ کا مجھ پر بہت احسان تھا کہ میں ان میں شامل نہیں تھا یا اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ یہ جملے اس آیت میں اپنے موقع ومحل پر ہیں اور اگر ان لوگوں کی ذہنیت کی خرابی اور دین اور اہل دین سے بیزاری کی وجہ سے قابل مذمت قرار پائے ہیں ورنہ ''فی ذاته'' ان میں کوئی برائی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ان کا محل استعمال بدل جائے مثلاً اگر راہ خدا میں کسی قربانی کا پیغام ملنے پر شکر خدا ادا کیا جائے۔ یا کسی عظیم قربانی سے محرومی اور مرکز قربانی میں شرکت نہ کر سکنے پر کف حسرت ملا جائے جیسا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے تعلیم دی ہے کہ جب مجاہدین کربلا کو یاد کرو تو کہو ''یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزا عظیما'' تو اس صورت میں یہی الفاظ ایک بلند ذہنیت کے ترجمان ہوں گے اور جذبہ ایمان کا قوی ثبوت'' (فصل الخطاب)

فَلْيُقَاتِلْ...الآية

خدائے علیم وحکیم نے گذشتہ سے پیوستہ آیت میں اہل ایمان کو دستوں کی شکل میں یا لشکر کشی کی صورت میں کفار کے ساتھ جدال وقتال کرنے کا حکم دیا اور گذشتہ آیت میں بتایا کہ نام نہاد اہل اسلام وایمان میدان کارزار میں جانے سے گریز کرتے ہیں اور پیچھے رہ جانے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم بتا رہا ہے کہ کن لوگوں کو میدان جہاد میں قدم رکھنا چاہیے اور مجاہدین کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے؟ فلیقاتل صیغہ امر ہے اور صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے۔ شرا کا لفظ اضداد میں سے

ہے جس کے معنی بیچنے کے بھی ہیں اور خریدنے کے بھی اور یہاں پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اعلاءِ کلمہ حق کی خاطر ان لوگوں کو جہاد کرنا چاہیے جو دنیا کی اس پست زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کرنے پر تیار ہوں۔ بلکہ خدا سے یہ سودا کر چکے ہوں ''ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ '' اور زندگانی دنیا اور اس کے سب مفادات کو خوشنودی خدا اور جنت کا پروانہ حاصل کرنے کے لئے قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ باقی وہ لوگ جو دنیا کے مال ومنال یا اس کے جاہ وجلال کے طلب گار ہوں ان کو اس پر خار وادی میں قدم نہیں رکھنا چاہیے۔

مخلص مجاہدین ہر حال میں کامیاب ہیں

جب نیت خالص ہے، جہاد لوجہ اللہ اور ہدف اعلاء کلمۃ اللہ ہے تو ایسا مجاہد فی سبیل اللہ خواہ میدان کارزار میں کام آجائے یا فتح یاب ہو کر واپس آجائے ،یعنی خواہ شہید ہو جائے یا غازی کہلائے وہ بہر حال کامران وکامیاب بھی ہے اور اخروی اجر وثواب کا حقدار بھی ''فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ''

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ...الآیۃ

باوجود یکہ مکہ میں کئی مرد، عورتیں اور بچے اسلام لا چکے تھے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ جسمانی کمزوری یا اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے ہجرت کے وقت مکہ میں ہجرت نہ کر سکے تھے اور اب وہ کفار مکہ کے ظلم وجور کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے اور بعد از اں کفار بھی ہجرت سے مانع ہوئے یہ کمزور لوگ نہ اپنا دفاع کر سکتے تھے اور نہ ہجرت کر سکتے تھے البتہ وہ صرف دعا ہی کر سکتے تھے کہ ''ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا '' اس آیت میں خداوند جبار وقہار نے ان مظلوم ومجبور مسلمانوں کو اس بلا ومصیبت سے نجات دلانے کے لئے اہل اسلام کو کفار ومشرکین سے مقابلہ ومقاتلہ کرنے کی ترغیب دی ہے کہ جب جدال وقتال کے سب اسباب جمع ہیں

۱۔خدا کے دین کا بول بالا کرنا۔ ۲۔اپنے کمزور بہن بھائیوں اور بچوں کی ظالموں کے پنجہ ظلم واستبداد سے گلوخلاصی کرانا۔ ۳۔مجبور ومقہور دینی بھائیوں کی آواز استغاثہ پر لبیک کہنا تو پھر تم کفار سے جنگ کیوں نہیں کرتے؟ بہر حال انہی مظلوموں کی آہ وبکا اور دعا واستدعا کا یہ نتیجہ تھا کہ فتح مکہ کے دن پیغمبر اعظمؐ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ کفار مکہ پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے اپنے بند دروازے نبی رحمت کے لئے کھول دیے اور بڑے بڑے جباروں اور سرداروں نے اپنی تنی ہوئی گردنیں بانی اسلام کے سامنے خم

کر دیں اور اپنے دید اور دل فرش راہ کر دیے اور اسطرح خدائے قدیر نے ان مظلوموں کی مخلصی کی صورت پیدا کی اور زمین و آسماں کی ہواؤں اور فضاؤں میں ''لقد فتحنا لك فتحا مبينا'' کے نقارے بجنے لگے اور اس طرح خدائے رحیم و کریم نے ان مظلوموں کی دعا ''پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست قرار دے'' قبول فرمائی اور ان کو ظالموں کے پنجۂ ظلم و جور سے نجات دلائی اور پیغمبرؐ کو ان کا سرپرست اور مددگار بنایا۔

آیات القرآن

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۟ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۪ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۟ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۟

ترجمۃ الآیات

جولوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ

میں جنگ کرتے ہیں۔پس تم شیطان کے حوالی موالی (حامیوں) سے جنگ کرو۔ یقینا شیطان کا مکروفریب نہایت کمزور ہے(۷٦) کیا تم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رہواور نماز پڑھواور زکوۃ ادا کرو۔ پر جب ان پر جدال وقتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے یا اس سے بھی زیادہ۔اور کہنے لگا پروردگار! تو نے کیوں (اتنا جلدی) ہم پر جہاد فرض کر دیا اور تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت کیوں نہ دی؟ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہےاور جو متقی و پرہیز گار ہےاس کے لئے آخرت بہت بہتر ہےاور تم پر کھجور کی گھٹلی کے ریشہ برابر (ذرہ بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا(۷۷) تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمہیں آئے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہواور جب انہیں بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب کوئی برائی اور تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہے۔ کہد یجئے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھتے ہی نہیں ہیں؟ (۷۸)

تفسیر الآیات

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ...الآیة٧٦

خداوند عالم نے آیت نمبر ۷۱ میں دستوں کی شکل میں اور لشکر جرار کی صورت میں جہاد کرنے کا حکم دیا۔آیت نمبر ۷۴ میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔اور آیت نمبر ۷۵ میں نرغہ اعداء میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی گلوخلاصی کرانے کی خاطر قتال کا حکم دیا جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ زمین کے جس خطہء میں بھی مسلمان کفار کے پنجہء ظلم میں گرفتار ہوں تو دوسرے تمام مسلمانوں پر فرض کفائی ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مخلصی کی کوئی سبیل پیدا کریں۔

جہاد کرنے والوں کی اقسام

بہر حال اس آیت میں خدا نے جہاد وقتال کرنے والوں کی تقسیم کی ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں

۱۔ کچھ اہل ایمان جو کلمہء حق بلند کرنے، نظام عدل قائم کرنے، اسلامی اقدار کو اجاگر کرنے اور قرآنی

تعلیمات کو عام کرنے کے لئے جنگ لڑتے ہیں

۲۔اور کچھ کافر ہیں طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں یعنی کسی ملک پر نا جائز قبضہ کرنے، آزاد قوموں کو غلام بنانے کے، اسلام مٹانے، کفر پھیلانے اور مفتوحہ ممالک کے تمام قدرتی وسائل وذخائر کو اپنے زیر استعمال لانے الغرض تمام تر مادی اور دینوی فوائد حاصل کرنے کے لے جنگ کرتے ہیں۔

یہی مقصد وہدف کا اختلاف ہے جوایک ہی کام (جنگ) کو کبھی قابل داد وتحسین بنادیتا ہے اور کبھی لائق ملامت ونفرین بنادیتا ہے مقصد کے اختلاف سے ایک ہی کام کی نوعیت بدل جاتی ہے کہیں باعث اجر وثواب قرار دے دیا جاتا ہے اور کہیں موجب عذاب وعقاب یہ ہے

''انما الاعمال بالنیات۔۔۔ونیة المومن خیر من عمله ونیة الکافر شر من عمله ولکل امرء مانوی'' مومن اپنا کام کررہے ہیں اور کفار اپنا کام انجام دے رہے ہیں

یہ اپنی خو نہ چھوڑدیں گے
وہ اپنی وضع کیوں بدلیں

الغرض قرآن نے یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ وہ جنگ کا حکم اسلئے نہیں دیتا کہ مسلمان دوسرے لوگوں پر چڑھ دوڑیں، بلکہ اس لئے حکم دیتا ہے کہ مظلوموں کی حمایت کریں اور انہیں ظالموں کے پنجۂ ظلم سے بچائیں۔ خداوند عالم اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ شیطان کے حوالی موالی سے جنگ کرو۔اور جہاد سے اپنے مقاصد حاصل کرنے اور شیطان کے حامیوں کے مذموم مقاصد کو خاک میں ملانے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگادو۔تم حق پر سرست حق بین اور حق جو ہو اور وہ باطل پرست اور باطل نواز ہیں لہٰذا وہ۔جس قدر چاہیں حرب وضرب کی چالیں چلیں اور جس قدر چاہیں لاؤلشکر جمع کریں اور زبردست تیاری کریں تمہیں ہرگز خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ناکامی ان کا مقدر ہے اسلئے شیطان کا مکروفریب کمزور ہے اور فتح وفیروزی تمہارا نصیب ہے اسلئے کہ حق وصداقت لب سے بڑی قوت وطاقت ہے صرف شرط یہ ہے کہ آدمی مومن ہو اور اس کی نیت خالص ہو۔

''ان الله لا یھدی کید الخائنین نصر من الله وفتح قریب'' اونچا ہے اپنا علم۔بڑھتے رہیں یونہی قدم۔حی علی خیر العمل۔

فائدہ

واضح رہے کہ یہاں قرآن نے شیطان کے مکروفریب کو کمزور قرار دیا ہے خدا کا وعدہ ہے کہ وحقا علینا نصر المومنین اور سورہ یوسف میں عورتوں کے مکر کو عظیم قرار دیا ہے۔اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ مکر

وطاقت میں اس طرح کا اختلاف ہے۔طاقت زیادہ ہوتی ہے تو مکر کمزور ہوتا ہے اور طاقت کمزور ہوتی ہے تو سارا کام مکر ہی سے نکالا جاتا ہے (انوار القرآن)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ ...الآية،،

اس آیت کی شان نزول مفسرین نے بالاتفاق یہ لکھی ہے کہ ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ میں کفار ومشرکین پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کو حد سے زیادہ اذیتیں اور تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے اور کئی بار ایسا ہوا کہ مسلمانوں کے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ چکے ہیں ہمیں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں مگر آنحضرتؐ ہر بار بحکم پروردگار یہی فرماتے کہ نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے پر اکتفا کرو۔اور جنگ سے ہاتھ روکے رکھو کیونکہ ہمیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں بلکہ صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ ہجرت کے پہلے سال بھی مسلمانوں کا یہ اصرار جاری رہا مگر آنحضرتؐ اس سلسلہ میں یہی جواب دیتے کہ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو۔اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔یہی وجہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر پورا ایک سال گذر گیا مگر آنحضرتؐ نے نہ کوئی اسلحہ فراہم کیا اور نہ کوئی دوسرا سامان ضرب وحرب جمع فرمایا۔اسی لئے تو کفار نے مسلمانوں پر جنگ بدر مسلط کی مسلمان مجاہدین کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل تیرہ عدد تلواریں تھیں اور کل جمع دو گھوڑے تھے جس سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح وآشکار ہو جاتی ہے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد بھی خدا ورسولؐ کا ہدف اور مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔یہ تو جب بادل نخواستہ آپ کے سر پر آ گئی تو آپ کو چارونا چار لڑنی پڑی۔حتی کہ جب ۲ھ میں مسلمانوں کو ''اذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا'' کہہ کر دفاعی جہاد کی اجازت ملی تو وہی لوگ جو حکم پروردگار (اور اپنے ہاتھوں کو روکتے) رہو اور نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کرو، کے حکیمانہ حکم کے خلاف اصرار کر رہے تھے کہ ہمیں قتال وجدال کی اجازت دی جائے تو کفار کے مدینہ پر حملہ کرنے کے منصوبہ سے جب دفاعی جنگ کرنے کا فریضہ عائد ہو گیا (كتب عليكم القتال) تو خداوند عالم نے انہی لوگوں کی یہ کیفیت بیان فرمارہا ہے کہ ''يخشون الناس كخشية الله او اشد خشية'' وہ لوگوں (کفار) سے اس طرح ڈرنے لگے جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے ''ربنا لم كتبت علينا القتال'' اے ہمارے پرودگار! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی؟ ''لولا اخرتنا'' اور ہمیں تھوڑے زمانہ تک مہلت کیوں نہ دی۔(جو خدا سے زیادہ بندوں سے ڈرے کیا وہ مومن ہو سکتا ہے) اب مسلمان یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو اللہ سے زیادہ آدمیوں سے ڈرتے ہوں کیا وہ واقعی جوہر ایمان کے حامل سمجھے جا سکتے ہیں (فصل الخطاب)

یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی

’’علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔جب تک نماز وروزہ کا حکم تھا تو اس وقت تک تو پکے مومن بنے رہے اب جب اسلام کی سربلندی کے لے سر کٹانے کا موقع آیا تو اوسان خطا ہو گئے۔(ضیاء القرآن)

فتوحات سے پہلے بھی منافق موجود تھے

ہم نے سورہ بقرہ کے آغاز میں لکھا ہے کہ مکہ میں بھی منافق موجود تھے (اگرچہ کم تھے) مگر برادران اسلامی کے اکثر مفسرین نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ منافقین کا وجود مدینہ پہنچنے کے بعد اس وقت سے ہوا جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔اس سے پہلے تو ابتلاء وآزمائش کا دور تھا اس دور کے اسلام لانے والے سب لوگ خالص ومخلص مومن تھے۔ان میں کوئی منافق موجود نہیں تھا‘‘ مگر علامہ قرطبی نے یہ کہہ کر کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے بہت پہلے کی ہے مسلمان تازہ ہجرت کر کے مدینہ آئے ہیں۔سب مہاجرین اور سابق الاسلام ہیں مگر قرآن خبر دے رہا ہے کہ مہاجرین اور سابقین میں ’’راسخ فی الایمان‘‘ مومنین کم ہی تھے۔اور زبانی جمع خرچ کرنے والے اور قول وفعل میں تضاد رکھنے والے زیادہ تھے۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

لمحہءفکریہ:

یہ طبقہ جس کا خداوند عالم یہاں اور دوسرے بہت سے مقامات پر قرآن میں شکوہ وشکایت کر رہا ہے شرف صحابیت رسولؐ سے مشرف تھا، جسے امت کی اکثریت واجب الاقتداء سمجھتی ہے۔اور اس طبقہ کے اقوال واعمال کے متعلق کف لسان اور غض بصر یعنی زبان کو روکنے اور آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو ممنوع قرار دیتی ہے مگر خدائے علیم وحکیم الم تر (کیا تم نے نہیں دیکھا؟) کہہ کر قرآن میں ان کے اقوال واعمال کو دیکھنے کا حکم دے رہا ہے اور آنکھیں بند کرنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے کہ آنکھیں کھولو اور اس طبقہ کے ہر ہر شخص کے قول وفعل کو دیکھو اور پرکھو۔اور آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلو بلکہ دیکھو کہ کس کا کردار مرضی پروردگا کے مطابق رہا ہے اور کس پر عتاب کے تازیانے پڑے ہیں‘‘ (فصل الخطاب)

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا...الآیۃ

اس عنوان کلام سے ان لوگوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ایک نہ ایک دن موت آ کے رہے گی اس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ اگر چہ تم محکم و مضبوط قلعوں میں بھی قلعہ بند ہو جاؤ۔ تو جب مقررہ وقت آئے گا تو موت تمہیں وہاں سے بھی پکڑ لے گی تو جب موت سے بچ نہیں سکتے اور اگر جہاد سے جان بچا بھی لو تو موت سے تم نہیں بچ سکتے ہو تو بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے یہ بہتر نہیں ہے کہ میدان جہاد میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کی جائے؟؟ بروج برج کی جمع ہے جس کے معنی قلعہ اور محل کے ہیں اور مشید کے معنی محکم و مضبوط اور بلند و بالا کے ہیں۔ بہر حال دنیا اور اس کی نعمات سب فانی اور آنی جانی ہیں اور آخرت اور اس کی نعمتیں دائمی اور جاودانی ہیں اور یہ آخرت والا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے "تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا" لہٰذا دائمی، ابدی اور لازوال نعمتوں کو نظر انداز کر کے فانی اور عارضی کو منتخب کرنا حماقت ہے، دانشمندی نہیں ہے

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ...الآية

یہ ہے اس عہد کے مسلمانوں کی روش و رفتار کہ جب کسی جنگ میں فتح و فیروزی اور کامیابی حاصل ہوئی یا کوئی دنیاوی نعمت مل گئی تو اسے تو اللہ کی طرف سے اور اللہ کا فضل قرار دے دیا اور یہ بھول گئے کہ اللہ نے یہ فضل نبی کے توسط سے کیا ہے اور اگر کہیں اپنی بے تدبیری سے شکست ہوئی یا کبھی اپنی بدعملی کی وجہ سے کوئی مصیبت پیش آئی تو اس کی ذمہ داری حضرت رسول خداؐ پر عائد کر دی اور خود بری الذمہ ہو گئے کہ آپ نے یوں کیا اور یوں کہا تب یہ صورت حال پیش آئی۔ بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ روش تھی۔ "فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى" (اعراف آیت۔۱۳۱) جب انہیں کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو ہمارا حق ہے اور اگر کوئی برائی پیش آتی ہے تو وہ اسے جناب موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے ان سے کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ فتح بھی اور شکست بھی، نعمت بھی اور مصیبت بھی، فرق صرف اس قدر ہے کہ فتح و نعمت اللہ کا امتنان و امتحان ہے اور شکست و مصیبت تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے "ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفوا عن كثير" مفسر قمی حضرات معصومین علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا! قرآن مجید میں حسنات کا لفظ دو (۲) معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ صحت و سلامتی اور وسعت رزق وغیرہ۔

۲ نیک عمل۔

جیسے ارشاد قدرت ہے ''ومن جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' کہ جو ایک نیکی کرے گا خدا اسے دس گنا ثواب عطا کرے گا۔ فرمایا اسی طرح قرآن مجید میں حسنات کا لفظ بھی دو معنوں میں استعمال ہوا ہے

ا۔ خوف، بیماری اور شدت و سختی وغیرہ۔

۲۔ وہ برے کام جن پر خدا سزا دیتا ہے (تفسیر قمی)

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ (اتنی واضح) بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ کلام الٰہی کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ بات انہی لوگوں سے متعلق ہے جن کا پہلے ذکر ہو رہا تھا کہ پہلے تو جدال و قتال کی اجازت کا تقاضا کرتے تھے اور جب جنگ واجب ہوئی تو جان بچانے کے لئے اس سے پہلو تہی کرنے لگے اوپر مفسر قرطبی کی تصریح گذر چکی ہے۔ کہ مذکورہ بالا آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ آیت بھی منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے چنانچہ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں ''یہ منافقوں کا ذکر ہے کہ اگر تدبیر جنگ راست آئی اور فتح و غنیمت ملی تو کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہوئی یعنی اتفاقا بن گئی۔ حضرت تدبیر کے قائل نہ ہوتے تھے اور اگر بگڑ گئی تو الزام رکھتے حضرتؐ کی تدبیر کا اللہ نے فرمایا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے پیغمبر کی تدبیر اللہ کا الہام ہے، غلط نہیں (موضح القرآن) حقیقت تو یہ ہے کہ ''من عنداللہ کہنا بھی بطور حمد نہ تھا'' بلکہ بطور محاورہ زبان تھا۔ جیسے اردو میں لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں'' (تفسیر ماجدی)

مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ کے لئے لمحہء فکریہ:

مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو پیغمبر اسلامؐ کے دینی اور دنیوی کاموں میں تفریق کا قائل ہے۔ کہ دینی و شرعی معاملات میں تو آنحضرتؐ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ ''ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی''، مگر دینوی امور میں بحیثیت بشر ان سے غلطی کا امکان تھا۔ ان لوگوں کے لئے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں لمحہء فکریہ ہے جہاں خدا نے اس نظریہ کی رو فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ رسول کا ہر قول و فعل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

گفتہء او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی'' اور اسی بنا پر فرمایا کہ ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' جس نے پیغمبرؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، کیونکہ پیغمبرؐ کا ہر حکم وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور آپ کا ہر کام و اقدام منشائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔

آیات القرآن

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ٘ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ﴿۸۰﴾ وَیَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ٘ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

آپکو جو بھائی پہنچتی ہے۔ وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو آپ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے ہے اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسولؐ بنا کر بھیجا ہے اور گواہی کیلئے اللہ ہی کافی ہے(۷۹) اور جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے روگردانی کی، تو ہم نے آپ کو ان پر نگران و پاسبان بنا کر نہیں بھیجا(۸۰) اور وہ زبان سے اطاعت وفرمانبرداری کے لفظ کہتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں۔ تو اُن میں سے ایک گروہ آپ کے فرمان (یا قول وقرار کے) برعکس رات بھر تدبریں کرتا ہے جو کچھ وہ

رات کے وقت کرتے ہیں اللہ وہ سب کچھ (ان کے صحیفۂ اعمال میں) لکھ رہا ہے۔ آپ ان کی طرف توجہ نہ کریں اور اللہ پر توکل و بھروسہ کریں، کارسازی کے لئے اللہ کافی ہے (۸۱) اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اسے رسولؐ اور اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو (حقیقت کو) وہ لوگ جان لیتے جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند آدمیوں کے سوا باقی شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے (۸۳)

تفسیر الآیات

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ...الآیۃ

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا کہ بھلائی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بھی اللہ کی طرف سے اور یہاں کہا جارہا ہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی لوگوں کی طرف سے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کوئی ظاہر بین ان آیتوں میں باہمی اختلاف محسوس کرے۔ جبکہ قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہی بات اس کے کلام اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ان لوگوں کی رد مقصود تھی جو بھلائی اور برائی میں تفریق کے قائل تھے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی رسول کی وجہ سے تو خداوند کریم نے وہاں یہ وضاحت کی ہے کہ بھلائی یعنی فتح اور کوئی دنیاوی نعمت ہے، تو یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شکست یا کوئی دنیاوی مصیبت ہے، تو وہ بھی اللہ کی طرف سے، فرق صرف اس قدر ہے کہ بھلائی اور فتح ہے، تو وہ اللہ کا فضل واحسان ہے اور تمہاری کسی نیکی کی جزاء ہے اور اگر برائی اور شکست ہے تو بھی ہے تو اللہ کی جانب سے، مگر تمہاری سرتابی اور بے تدبیری کی کچھ سزا ہے۔ الغرض اس میں رسول کے کسی قول و فعل کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ آپ کا کوئی قول و فعل اللہ کی منشاء کے خلاف نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ صاف نکالا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حضرت سرور کائنات کے افعال میں بشریت کا تصور کرکے خطا کا تصور کرتے ہیں وہ درحقیقت رسالت پر مکمل ایمان نہیں رکھتے۔ (فصل الخطاب)

اور اس آیت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جب خدا کسی بندہ کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو یہ اس کا فضل وکرم لطف وامتنان اور ابتلاء وامتحان ہوتا ہے اور جب کسی بندہ کو کسی مصیبت میں گرفتار کرتا ہے تو عموماً اس کا سبب بندہ کا گناہ وعصیان ہوتا ہے اور مگر نفع ونقصان کا پہنچانے والا اور ان کا موجد تو بہرحال خالق دو جہان ہی ہے بس

فرق یہ ہے کہ نفع اور بھلائی کا احسان و امتحان ہے (کہ بندہ کس طرح اس کا شکر ادا کرتا ہے) اور نقصان و برائی مکافات عمل اور بندہ سے اس کی کوتاہیوں کا انتقام ہے۔ (تفسیر صافی)

مخفی نہ رہے کہ یہاں ''ما اصابك'' کا خطاب ہر فرد کو ہے اور اگر آنحضرتؐ کو اس کا مخاطب قرار دیا جائے تو اس سے مراد آپ کی امت ہے۔ کما لا یخفی

ایضاح

واضح رہے کہ یہاں حسنہ اور سیئہ سے مراد عالم دنیا کے نعمات و مصائب اور پسندیدہ و ناپسندیدہ امور ہیں اس سے نیک یا بد اعمال مراد نہیں ہیں تا کہ یہ کہا جائے کہ ''خیرہ و شرہ من اللہ تبارك و تعالی'' اور اس سے عقیدہ جبر کی تائید حاصل کی جائے۔ فلا تغفل

وَ اَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاس...الآیة

پیغمبر اسلامؐ کی رسالت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔

للناس میں الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی خداوند عالم نے پیغمبر اسلام کو ہر زمان و مکان، اور ہر ملک و ملت اور ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا کائنات کا کوئی بھی انسان آپ کے دائرہ نبوت و رسالت سے خارج نہیں ہے۔ قیامت تک آپ رحمة للعالمین بھی ہیں۔ اور نذیر اللعالمین۔ بھی اور ''ارسلناك للناس كافة'' کے مصداق بھی اور بموجب ''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ'' اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے (سورۃ النساء آیت۔ ۶۴) لہٰذا سب پر آنحضرتؐ کی اطاعت مطلقہ فرض ہے۔ لہٰذا جو شخص آپؐ کی رسالتؐ کا اقرار کرتا ہے اس کے لئے آپ کی اطاعت سے انحراف اور آپ کے اسوہ حسنہ سے اعراض کرنے کی شریعت مقدسہ میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور شہادت کے لئے خدا کافی ہے کہ آپ پوری کائنات کے ہادی و رہنما ہیں جو آپ کی اتباع و اطاعت کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے اور جو آپ کی نافرمانی اور عصیاں کاری کرے گا۔ خدا اسے بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی دید کے مطابق ان لوگوں کو جزا و سزا دے گا (مجمع البیان)

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡل...الآیة

چونکہ حقیقی آمر و ناہی تو خداوند عالم ہے آپؐ تو اس کے اوامر و نواہی کے مبلغ ہیں۔ الغرض یہ بات وہی ہے جو مسلسل چل رہی ہے کہ رسول کا کوئی قول و فعل منشاء الٰہی کے خلاف نہیں ہوتا اور جو لوگ خدا و رسول کے قول

وفعل میں تفریق کرتے ہیں وہ خطا کار ہیں اور غلط کار۔

نصاف شرط ہے کہ اس سے بڑھکر اس بات کی وضاحت کس طرح کی جاسکتی ہے کہ جو رسولؐ کا فرمانبردار ہے وہ خدا کا اطاعت گذار ہے اور اس کا مفہوم یہ برآمد ہوتا ہے کہ جو شخص اسوہ محمدیہ اور سنت مصطفویہ کا پابند اور مطیع نہیں ہے وہ مطیع خدا کہلانے کا بھی روادار نہیں ہے۔ انہی حقائق کی بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا ''من احبنی فقد احب اللہ ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ'' جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور جو میری اطاعت کرتا ہے وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے (تفسیر صافی)

خدائے مہربان اپنے رسولؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ اگر کوئی اس اتباع واطاعت رسولؐ سے روگردانی کرتا ہے تو آپ اس کی فکر نہ کریں اس میں اس کا اپنا نقصان ہے۔ اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ آپ ان کے نگہبان اور پہرے دار نہیں ہیں۔ کہ جبر کر کے اسے نافرمانی سے منع کریں۔ الغرض آپ کا کام خالق دو جہان کا کلام و پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا ہے آگے لوگوں سے منوانا اور عمل کرانا آپ کا کام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے اعمال وافعال کی آپ سے باز پرس ہوگی ''ان علیك الا البلاغ''

گر نیا ید بگوش حقیقت کس

بررسولاں بلاغ باشد وبس

علیك البلاغ وعلینا الحساب

وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ...الآیۃ۸۱

وہ اپنی زبان سے تو اطاعت وفرمانبرداری کا لفظ کہتے ہیں۔ مگر آپ کے پاس سے باہر نکل کر ان کا ایک گروہ آپ کی باتوں کے خلاف اپنے ظاہری قول وقرار کے خلاف مشورے کرتا ہے۔ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ میں ان دوغلی پالیسی رکھنے والے منافقوں اور ضعیف الایمان لوگوں کا ایک بار پھر تذکرہ کررہا ہے۔ جو کہتے اور تھے اور کرتے اور تھے، زبان سے فرمانبرداری کا اقرار کرتے تھے اور عمل سے خلوت میں بیٹھ کر پیغمبر اسلامؐ کے خلاف سازشوں کے جال بچھاتے تھے مگر بموجب۔ ع۔

چاہ کن راچاہ درپیش

یعنی ع۔

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

انہوں نے صرف رسول خداؐ کے خلاف ان کو ناکام کرنے کے لئے سازشوں کا جوتا نابانا بنا تھا۔

خدائے جبار وقہار نے نہ صرف یہ کہ اس سے اپنے رسول کی حفاظت فرمائی بلکہ وہ منصوبہ خود ان لوگوں کی تباہی اور رسوائی کا موجب بن گیا اسلئے خالق مہربان اپنے حبیب سے فرما رہا ہے کہ ان کی طرف کوئی توجہ نہ کریں اور اللہ پر اعتماد و بھروسہ کریں اور ان کی کوئی پروانہ کریں اور اسی کے بھروسہ پر اپنا کام جاری رکھیں کیوں کے وہ کارسازی کے لئے کافی ہے اور ایک رہبر و رہنما کو دشوار گذار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے خدائے حکیم نے اپنے حبیبؐ مکرم کو ان سے روگردانی کا حکم دیا ہے تو ہم بھی اس قصہ کو نہیں کریدتے کہ خدائے جبار نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اللہ تعالیٰ ان کی ان سب باتوں کو ان کے صحیفہء اعمال میں ثبت کر رہا ہے اور اس کے مطابق جزاوسزا دے گا۔

تنبیہ!

کیا ان حقائق کی روشنی میں یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ''**الصحابة كلهم عدول**'' (کہ سب صحابہ عادل تھے) اور یہ کہ شرف صحبت ہر صحابی کو ہر قسم کی خطا ولغزش سے محفوظ کر دیتا ہے؟ (تفسیر کاشف)

''**ولنعم ماقيل**''

ہر کہ روئے بہبود نداشت
دیدن روئے نبی سودند اشت

(واللہ الموفق)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ...الآیۃ۹۸

منافقوں اور ضعیف الایمان مسلمانوں کی ان ناشائستہ حرکتوں کی وجہ یہ تھی کہ انہیں خدا کے خدا برحق ہونے رسولؐ کے برحق رسولؐ ہونے اور قیامت کے برحق ہونے میں شک تھا اور تمام باتوں کی بینادی وجہ یہ تھی کہ انہیں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک تھا۔ اور یہ یقین نہیں تھا کہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی کے تحت کہتے ہیں اور یہ کہ ان کا براہ راست خدا سے ربط وضبط ہے اور ان پر جو آیات نازل ہورہی ہیں اگر وہ قرآن کے مطالب ومعانی اور اسرار ورموز میں غور وفکر کرتے تو، ان پر یہ حقیقت واضح وعیاں ہوجاتی کہ قرآن مالک دوجہاں کا ہی کلام معجز نظام ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ باوجود ۲۳ سال کی طویل مدت میں اور وہ بھی مختلف حالات، مختلف مقامات پر اور مختلف عنادین ومضامین کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ ان حالات کا طبعی تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے بعض مطالب ومضامیں اور بعض اجزاء میں باہمی اختلاف وتضاد ہوتا۔ مگر اس کے برعکس اس کتاب میں باہمی ربط وارتباط پایا جاتا ہے۔ ایسی دل نشیں ہمرنگی، یکرنگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ

کہیں باہمی تضاد کا نام نہیں ہے اور اختلاف کا کہیں نشان نہیں ہے اور پھر نہ الفاظ وعبارات کی فصاحت میں کوئی خلل اور نہ معانی ومطالب کی بلاغت اس کوئی زلل ہے۔اس سے بڑھ کر قرآن کے خالق دوجہاں کے کلام معجز نظام ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ اور اس مطلب پر اس سے بڑا کیا عقلی برہان ہوسکتا ہے؟

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ خداوند کریم کا لوگوں کو قرآن میں تدبر وتفکر اور غور وفکر کی دعوت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن قابل فہم ہے، کوئی معمہ نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کے متشابہات کی حقیقی تاویل خدا اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ''**وما يعلم تأويله الا الله والراسخون في العلم**''

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ ...الآية

ہجرت کے تھوڑے عرصہ کے بعد کفار سے قتل وقتال اور جنگ وجدال کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور مسلمان مسلسل حالت جنگ میں تھے اور ایسے حالات میں اپنی فتوحات کے مکمل انتظامات، دشمن کی نقل وحرکت اور مخالف جماعتوں کی جنگی تیاریوں کے متعلق بعض ایسی مخفی باتیں ہوتی ہیں جن کی نشر واشاعت مناسب نہیں ہوتی۔ ہمیشہ عیار ومکار دشمن اپنے سادہ لوح مخلصین کی حماقت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنوں کو زک پہنچاتا ہے اور کبھی خود مختلف بے بنیاد خبریں گھڑ کر اور انہیں لوگوں کے ذریعہ مشہور کر کے مجاہدین کے بلند حوصلوں کو پست کرنے کی ناپاک سازش کرتا ہے۔ ویسے بھی کچھ کمزور دل ودماغ کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے اندر کوئی بات ٹھہرتی ہی نہیں اور ان کی روٹی اسوقت تک ہضم ہی نہیں ہوتی جب تک ایسی بات کو باہر نہ اگل دیں اور راز کو فاش نہ کریں۔ ایسے ہی لوگوں کو خدائے حکیم تنبیہ کر رہا ہے۔ کہ ان حالات میں اگر کوئی ایسی ویسی افواہ سنو تو بغیر سوچے سمجھے آگے نہ پھیلاؤ۔ بلکہ اسے رسولؐ اور اولی الامر جیسے ذمہ دار لوگوں کی خدمت میں پیش کرو۔ تاکہ وہ اس کے متعلق مناسب کارروائی کریں۔ ظاہر ہے کہ آیت مبارکہ کے نزول کے وقت ذمہ دار شخصیت خود حضرت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تھی اور آپ کے بعد اولی الامر یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ہیں ''**قال ابو جعفر هم الائمة المعصومين**'' حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں (تفسیر تبیان)

تنبیہ:

قبل ازیں آیت اولی الامر کی تفسیر کے ذیل میں یہ وضاحت کی جاچکی ہے۔ کہ قرآن کا دستور ہے کہ

ایک چیز ایک جگہ کے بارے میں مجمل ہوتی ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل مذکور ہوتی ہے۔ چنانچہ نزاع کے وقت خدا اور رسولؐ اور اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں وہاں بات مجمل تھی۔ چند آیتوں کے بعد اس کی تفصیل بیان کردی گئی ہے اور وہ یہی آیت ہے "**اذا جاء هم امر من الامن اوالخوف اذا عوابه**" کہ جب ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو وہ اسے نشر کردیتے ہیں لیکن اگر وہ اسے رسولؐ اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو اس طرح وہ بات صحیح نتیجہ اخذ کرنیکی صلاحیت رکھنے والے لوگوں کے علم میں آجاتی ہے اور وہ اسے جان لیتے اور پھر اس کی جانچ پڑتال کر کے کوئی مناسب عملی اقدام کرتے ہیں۔ اس آیت سے اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے۔

افادہ:

اس موقع پر جناب پیر کرم شاہ ازہری نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے جس کا یہاں من وعن نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں "جب عام دنیوی اور سیاسی امور میں عوام کو ان چیزوں میں دخل اندازی اور خودسری سے روک دیا گیا ہے تو آپ خود سوچیں کہ امور دینیہ میں یہ بدنظمی کب برداشت کی جاسکتی ہے کہ ہر کہ مہ مفتی بنا پھرے اور قرآن وسنت کو اپنی رائے سے ہم آہنگ کرتا رہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ حرص وہوا کے بندوں کی تقلید نہ شروع کردیا کریں اور دینی امور میں فقط ان علماء کیطرف متوجہ ہوں جن کا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور دینی بصیرت مسلمہ اور جن کی سیرت بے داغ ہو (ضیاء القرآن) ہم اس مقام پر اپنی قوم وملت کے جوانوں سے صرف اتنا کہیں گے کہ۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوستر دارند
جواناں سعادتمند پندِ پیر دانارا

"**ولا ینبئك مثل خبیر**" اگر اللہ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تھوڑے سے آدمیوں کے سوا تم شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ حضرات معصومین علیہم السلام سے مروی ہے فرمایا: خدا کے فضل سے حضرت رسول خداؐ اور رحمت سے علی مرتضیٰؑ مراد ہیں (تفسیر جوامع)

آیات القرآن

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ
تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ
یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى
یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ
فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ
تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ
وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا
نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ
جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ
یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ
سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾

ترجمۃ الایات

تو آپ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی سوائے اپنی ذات کے اور اہل ایمان کو (جہاد پر) آمادہ کریں امید ہے کہ اللہ کافروں کا زور روک دے اور اللہ کا زور زبردست اور اس کی سزا بہت سخت ہے(۸۴) اور جو اچھی سفارش کرے گا اسے اس میں سے حصہ ملے گا اور جو کوئی بری شفارش کرے گا اسے بھی اس کا حصہ (وزووبال) ملے گا۔اور اللہ ہر شئی پر قدرت رکھنے والا ہے(۸۵) اور جب تمہیں سلام کیا جائے (یا کوئی تحفہ پیش کیا جائے) تو اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو۔یا (کم ازکم) اسی کو لوٹا دو۔بے شک اللہ ہر چیز کا محاسبہ کرنے والا ہے(۸۶) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ سے بڑھکر کون بات میں سچا ہے(۸۷) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔حالانکہ اللہ نے انہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے (ان کے کفر کی طرف) الٹا پھیر دیا ہے۔کیا تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جس سے اس کی بدعملی کی وجہ سے خدا نے توفیق ہدایت سلب کر لی ہے اور جس سے اللہ توفیق ہدایت سلب کرے تم اس کے لئے (ہدایت کا) راستہ نہیں پاؤ گے(۸۸) وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کفر اختیار کرو۔جیسے انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔تاکہ پھر تم سب برابر ہو جاؤ۔لہٰذا تم انہیں اپنا حامی و سرپرست نہ بناؤ۔جب تک اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اگر وہ اس ہجرت کرنے سے روگردانی کریں تو انہیں پکڑو۔اور جہاں کہیں انہیں پاؤ انہیں قتل کر ڈالو اور ان میں کسی کو اپنا سرپرست اور مددگار نہ بناؤ(۸۹) سوا ان کے جو ان لوگوں سے جا ملیں جن کے اور تمہارے درمیان (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہے یا اس حالت میں تمہارے پاس آئیں کہ ان کے سینے (دل) تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے تنگ آ چکے ہوں (ایسے منافق قتل کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) اگر خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ ضرور تم سے لڑتے تو پھر اگر وہ تم سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوئی راہ نہیں رکھی ہے(۹۰)

تفسیر الآیات

فَقَاتِلْ...الآیۃ

اس آیت کی شان نزول بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غزوہ احد میں جو شوال میں واقع ہوا تھا۔ ابوسفیان جاتے ہوئے مقام بدرصغری جہاں ماہ ذی العقدہ میں ایک بازار لگتا تھا دوبارہ لڑنے کا وعدہ کر گیا تھا۔ جب وہ وقت قریب آیا، تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے بلایا۔ مگر کچھ لوگوں نے سابقہ جنگ میں زخم خوردہ ہونے کا عذر پیش کر کے اور بعض نے دشمن کی کثرت سپاہ کی افواہ سن کر مقابلہ کے لئے جانے میں پس وپیش کیا اس وقت خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا کہ آپ اہل ایمان کو جنگ کی ضرور رغبت دلائیں اور حتی الامکان ان کو جہاد کے لئے آمادہ کریں۔ اور اگر کوئی ساتھ نہ دے اور لبیک نہ کہے تو اگر آپ کو تنہا بھی جانا پڑے تو آپ ضرور جائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا! **والذی نفسی بیدہ لا خرجن ولو وحدی** ''بخدا میں ضرور جہاد کے لئے جاؤں گا اگرچہ اکیلا ہی ہوا۔ چنانچہ ستر سواروں نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ ان کی معیت میں نکلے۔ مگر خدا نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ قحط سالی کا بہانہ کر کے وہاں گیا ہی نہیں اور اس طرح آنحضرتؐ مع اپنے رفقاء کے صحیح وسلامت واپس آئے (مجمع البیان، جلالین، صافی)

بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ آنحضرتؐ کو عام مسلمانوں کی بے وفائی اور جہاد سے پہلوتہی کرنے کی وجہ سے قلبی کوفت ضرور ہوئی تھی۔ جس پر خدائے مہربان نے آپ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ صرف اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں آپ دوسروں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ ان کو صرف رغبت دلائیں، اس کے بعد کوئی جانے کے لئے تیار ہو یا نہ ہو آپ پر ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کو تنہا بھی جانا پڑے، تو بس آپ تیار ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ''**ان اللہ کلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم "مالم یکلف احدا من خلقہ کلفہ ان یخرج علی الناس کلھم وحدہ بنفسہ ان لم یجد فئۃ تقاتل معہ ولم یکلف ھذا احدا من خلقہ قبلہ ولا بعدہ ثم تلا ھذہ الایۃ**'' یعنی خداندعالم نے پیغمبر اسلامؐ کو وہ تکلیف دی ہے جو اپنی تمام پہلی اور پچھلی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی۔ یعنی ان کو تکلیف دی کہ اگر ان کے ہمراہ کفار سے جنگ کرنے کے لئے کوئی بھی جماعت نہ ہو تو آپ تن تنہا سب لوگوں (کافروں) کے مقابلہ کے لئے نکلیں (اصول کافی، تفسیر عیاشی)

اس طرح اگر کوئی بندہ آپ کا ساتھ نہیں دے گا تو خدا آپ کا حامی و مددگار ہوگا وہ آپ کی مدد و نصرت فرمائے گا اور وہ کافروں کے زور جنگ کو روک دے گا کیونکہ اللہ یقیناً زور جنگ میں ان سے کہیں زیادہ اور سزا دینے میں زیادہ سخت ہے بنابریں فقاتل میں جو فاء ہے وہ شرط محذوف کی جزا ہے کہ اگر آپ فوز وفلاح چاہتے ہیں تو اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور تاریخ اسلام گواہ ہے کہ صادق الوعد خدا نے اپنے بندہ خاص سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا ''قد انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ'' مخفی نہ رہے کہ بعض مورخین کے بیان کے مطابق یہ صورت حال جنگ احد کے فوراً بعد پیش آئی تھی جس کی تفصیل قبل ازیں جنگ احد کے تذکرہ میں بیان کی جاچکی ہے۔ فراجع

مَنۡ یَّشۡفَعۡ... الآیۃ

لغت عرب میں شفاعت کے معنی جفت کرنے اور دوھرا کرنے کے ہیں (جبکہ وتر کے معنی طاق کے ہیں) اس طرح اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص کسی کی شفاعت کرتا ہے تو گویا وہ اپنی قوت وطاقت دوسرے شخص کے ساتھ کر کے اسے طاقتور بناتا ہے۔ شفاعت جس کا فارسی میں مفہوم سفارش ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ شفاعت حسنہ (اچھی سفارش)۔ ۲۔ شفاعت سیئہ (بری سفارش) اب رہی یہ بات کہ سفارش کی اچھائی یا برائی کا معیار کیا ہے؟ تو واضح ہے کہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جس کام کی سفارش کی جارہی ہے آیا وہ کام شریعت محمدیہ میں جائز اور اچھا ہے یا ناجائز اور برا ہے۔ لہٰذا ایک جائز اور اچھے کام میں کسی کمزور انسان کی سفارش کرنا اچھی اور مستحسن بات ہے۔ اور کسی ناجائز اور خلاف شرع کام میں کسی کی سفارش کرنا بری اور غیر مناسب بات ہے۔

شفاعت کے احکام

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ چونکہ اپنا خداداد اثر ورسوخ استعمال کر کے کسی مظلوم ومحتاج انسان کو اس کا حق دلوانا اور اس کی دادرسی کرانا چونکہ کار خیر ہے۔ لہٰذا سفارش کرنے والے کو منجانب اللہ اس کی جزا ضرور ملنی چاہیے۔ اور چونکہ کسی خلاف شرع کام میں کسی کی سفارش کرنا اور اپنے منصب ومقام کی بدولت کسی کو ناجائز فائدہ پہنچانا کار بد ہے لہٰذا ایسی سفارش کرنے والے کو ضرور سزا ملنی چاہیے۔ اس لئے خداوند علیم وحکیم فرمارہا ہے کہ جو اچھی سفارش کریگا۔ اسے ضرور اس میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو بری سفارش کرے گا اسے بھی اس سے حصہ ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کار خیر کی سفارش کرنا یا کسی کو اچھے کام کرنے کی رغبت دینا کار ثواب

ہے۔جس سے آدمی اس کار خیر کے اجر وثواب میں شریک ہوتا ہے اور برے کام کی سفارش کرنا یا کسی کو اس کی رغبت دینا یہ بری بات ہے۔جس سے آدمی اس برے کام کی سزا اور اس کے وزر و وبال میں شریک ہوجا تا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے اباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا ''من امر باالمعروف اونھی عن المنکر او دل علی خیر او اشار به فھو شریك ومن امر بسوء او دل علیه اواشاره به فھو شریك'' جوشخص کسی نیکی کا حکم دے یا برائی سے روکے، یا کسی کار خیر کی طرف راہنمائی کرے یا اس طرف اشارہ کرے، وہ شریک ثواب ہے اور جو کسی برائی کا حکم دے۔ یا اس کی طرف راہنمائی کرے یا اشارہ کرے وہ شریک عذاب ہے۔(الخصال)۔نیز وارد ہے ''من سَنَّ سنة حسنة کان له مثل اجر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم من شئی ومن سَنَّ سنة سئیة کان له مثل وزر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اوزارھم من شئی ''جوشخص کسی اچھے کام کی بنیاد رکھ جائے گا تو اسے اس اچھے کام کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی واقع ہو۔اور جو کسی برے کام کی بنیاد رکھ جائے گا تو اسے اس برے کام کے کرنے والوں کے برابر عذاب ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے عذاب میں کوئی کمی واقع ہو۔(سابع عشر بحار و وسائل الشیعہ)

جہاں تک عقیدہ شفاعت کے صحیح اسلامی مفہوم ومطلب کے وضاحت کا تعلق ہے تو اس موضوع پر کسی مناسب موقع ومحل پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے گی۔انشاءاللہ تعالی

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ ...الآية

تحیہ کے لغوی معنی تو کسی کو درازی عمر کی دعا دینے کے ہیں اور یہاں اس سے بالاتفاق اسلامی سلام مراد ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی محبوب سنت ہے اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔

اسلام میں سلام و جواب اور اس کے احکام

بالعموم سلام کے دو صیغے مروج ہیں۔

۱۔سلام علیکم۔ ۲۔السلام علیکم۔مخفی نہ رہے کہ اسلام میں سلام کرنا سنت ہے مگر اس کا جواب دینا واجب کفائی ہے جیسا کہ رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا! السلام تطوع والرد فرض''(اصول کافی) سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے۔کہ اگر چند آدمیوں میں سے کوئی ایک شخص جواب دے دے باقیوں سے

وجوب ساقط ہوجائے گا اور اگر کوئی بھی جواب نہیں دے گا تو پھر سب گنہگار ہوں گے۔اب جواب کے دو طریقے ہیں۔ا وہی الفاظ دہرا دیے جائیں جو سلام کرنے والے نے استعمال کیے ہیں (اوردوھا) ۲۔اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔جن سے مہر ومحبت اور احترام مترشح ہوتا ہو۔جیسے سلام علیکم! کہہ کر سلام کرنے والے کو جواب میں یوں کہا جائے۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر سلام کرنے والے نے کہا ہو۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔تو اس کے جواب میں یوں کہا جائے۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ا۔چنانچہ حسن بن منذر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سلام میں صرف یہ کہے السلام علیکم۔اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو کہے اسلام علیکم ورحمۃ اللہ اسے بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جو کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔اسے تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔(اصول کافی)

۲۔حسن بن ریاب حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں فرمایا ''ان من تمام التحیة للمقیم المصافحة وتمام التسلیم علی المسافر المعانقة'' حاضر کا سلام تب مکمل ہوتا ہے جب اس سے مصافحہ کیا جائے اور مسافر کا سلام تب مکمل ہوتا ہے جب اس سے معانقہ کیا جائے (ایضاً)

سلام وجواب کے بعض دوسرے احکام

مخفی نہ رہے کہ ا۔چھوٹے بڑے اور امیر وغریب کو سلام کرنا اور سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے۔۲۔اگر کسی جماعت میں سے صرف ایک شخص سلام کرے تو اس سے استحباب ادا ہوجاتا ہے اور یہی حکم جواب کا ہے۔۳۔تھوڑے زیادہ پر،سوار، پیدل پر،گھڑسوار پر، خچر سوار پر،اور خچر سوار گدھا سوار پر سلام کرنے میں پہل کرے۔بنابریں موٹر کار سوار موٹر سائیکل سوار پر بائیسکل سوار، پیدل چلنے والے کو الغرض ہر اعلیٰ سوار ادنی سوار کو سلام کرنے میں پہل کرے۔۴۔البادی بالسلام اولی باللہ وبرسولہ (ایضا) یعنی سلام میں پہل کرنے والا خدا اور رسولؐ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔۵۔یہود ونصاری وغیرہ کفار ومشرکین کو سلام نہ کیا جائے اور اگر وہ سلام کریں تو جواب میں وہی الفاظ دہرا دیئے جائیں۔(تفسیر تبیان)۔۶۔

بعض اخبار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ من جملہ ان آداب کے جو حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے تھے ایک یہ تھا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اس سے کہو ''یرحمك الله'' اور اسے چاہیے کہ وہ جواب میں کہے ''یغفر الله لکم ویرحمکم'' کیونکہ خدا فرماتا ہے ''واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها اوردوها''

ایضاح

ہماری بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ آیت مبارکہ میں تحیہ سے سلام کے علاوہ کوئی تحفہ اور مالی ہدیہ بھی مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی اور مجمع البیان کی صادق روایت میں تحیہ کی تفسیر میں وارد ہے ''السلام وغیرہ من البر'' (یعنی سلام اور کوئی نیکی) اور عوالی کی روایت میں ''السلام وغیرہ من البر والاحسان'' وارد ہے۔ اور اس کی تائید کتاب مناقب بن شہر آشوب کی اس روایت میں سے بھی ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ایک بار امام حسنؑ کی ایک کنیز نے ایک پھول امام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ امام نے اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ وجہ پوچھنے پر فرمایا خدا فرماتا ہے ''اذا حییتم بتحیة فردوھا او باحسن منھا'' کہ جب تم میں سے کوئی سے کسی کو تحفہ پیش کرے تو تم اس سے بہتر پیش کرو۔ چنانچہ اس کنیز کے لئے آزاد کرنا اس کے تحیہ سے بہتر تھا۔ سچ ہے ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان احسان'' کہ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے بنابریں اگر کوئی شخص مہر و محبت اور تکریم و تعظیم کے صالح جذبہ کے تحت کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرے تو جذبات محبت کو تازہ رکھنے بلکہ انہیں مزید بڑھانے کے لئے اس سے زیادہ بیش قیمت یا کم از کم اس کا ہم قیمت تحفہ و ہدیہ ضرور پیش کرنا چاہیے

اللہ لا الہ۔۔۔الآیۃ

اسلامی عقائد میں عقیدہ قیامت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے اسی لئے خداوند عالم بار بار مختلف عنوانوں اور پیراؤں سے اس کے واقع ہونے کا تذکرہ کر کے اسے مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنا چاہتا ہے کہ وہ دار دنیا میں جو کچھ کریں گے ان کو اس کی ایک نہ ایک دن جزا یا سزا ضرور ملے گی جس دن خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اپنی دنیوی سعی و کوشش اور کدو کاوش کا ثمرہ اور نتیجہ پائیں گے۔

شان نزول

ان آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر اور شان نزول کا سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ مل گیا جہاں وہ پورے آرام و اطمینان کے ساتھ اسلام و قرآن کے تقاضوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزار سکتے تھے۔ تو اس وقت ان تمام لوگوں کے لئے جو مختلف قوموں، قبیلوں اور مختلف علاقوں میں اسلام لا چکے

تھے مگر وہاں اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی نہیں گذار سکتے تھے۔ ہجرت واجب قرار دے دی گئی۔ کہ وہ سب مدینہ ہجرت کر کے آ جائیں۔ تا کہ ایک تو وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذار سکیں اور دوسرے ان کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ ہو۔ اب کچھ لوگ تو بوجوہ ہجرت پر قادر نہ تھے اور نہ ہی اپنے آپ کو کافروں کے ظلم وجور سے بچا سکتے تھے۔ وہ تو مستضعفین قرار پائے اور جو ہجرت پر قادر تھے ان میں سے بعض کو اپنے اہل وعیال کی محبت اولاد وجائیداد سے دل بستگی اعزاء واقربا سے پیار اور اپنے قدیمی وطن کی کشش ان کو ہجرت کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اور کچھ لوگ تو ایسے بھی تھے جو ایک بار ہجرت کر کے دارالسلام مدینے پہنچ بھی گئے تھے مگر وہاں کا خالص اسلامی ماحول اور قرآنی نظام اخلاق راس نہ آیا اور اس پر ہروقت دشمنوں کے حملہ کرنے کا خطرہ مستزاد تھا۔ لہٰذا وہ مختلف عذر بہانے کر کے (مثلاً انہیں یہاں کی آب وہوا موافق نہیں ہے) واپس دار کفر کی طرف پلٹ گئے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کفار ومشرکین کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا پڑتا تھا جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے۔ ایسے سب لوگوں کو منافق قرار دے دیا گیا۔ اب ایسے لوگوں کے بارے میں مسلمانوں میں دورائیں تھیں۔ ا۔ ایک یہ کہ ایسے لوگ مسلمان ہیں وہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور دوسرے اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرنا چاہیے

۲۔ دوسری یہ کہ یہ لوگ خارج از اسلام ہیں اور مرتد ہیں لہٰذا ان کے ساتھ غیر مسلمانوں جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

خداوند علیم وحکیم اس دوسری رائے رکھنے والے مسلمانوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ تم ان کے بارے میں دورائیں کیوں رکھتے ہو؟ یہ تو جدھر (کفر) سے آئے تھے۔ اپنی کج رفتاری، ناہنجاری، اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ادھر ہی لوٹا دیے گئے ہیں کیونکہ عربی زبان میں ''ارکس'' کے معنی سر کے بل اوندھا گرانے کے ہیں خدائے حکیم نے ''بما کسبوا'' فرما کر کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے الٹے پھیر دیے گئے ہیں اور ان کا یہ اوندھا گرانا ان کے زشت اعمال کا طبعی وقدرتی نتیجہ ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر وہ گمراہ ہوئے ہیں تو اپنے بدعملوں اور اپنی کج رویوں کی وجہ سے۔ لہٰذا اس آیت میں وارد شدہ فقرہ ''اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ'' میں اضلال کی نسبت جو خدا کی طرف دی گئی ہے وہ مجازی ہے کہ ان کے برے کردار اور غلط رفتار کی وجہ سے اللہ نے ان سے اپنی توفیق ہدایت سلب کر لی ہے لہٰذا اب یہ صرف منافق نہیں رہے۔ (جن سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے) بلکہ کھلم کھلا مرتد اور کافر ہو چکے ہیں اور جو کفار مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں ان میں شامل ہو چکے ہیں تو ان کا کفر وارتداد اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ تمہیں بھی دولت اسلام سے محروم کر کے اپنی

طرح کافر بنانا چاہتے ہیں لہٰذا ان سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو۔ اور نہ ہی انہیں اپنا مددگار بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے دارالسلام مدینہ طیبہ نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر وہ اس ہجرت سے روگردانی کریں تو پھر انہیں پکڑو اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ البتہ وہ اس پکڑ دھکڑ اور قتل و غارت سے دو صورتوں میں بچ سکتے ہیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ ان لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور ان سے معاہدہ کریں جن کا مسلمانوں سے جنگ نہ کرنیکا معاہدہ ہو چکا ہے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ جنگ سے دل تنگ ہو کر بلا واسطہ تم سے معاہدہ کریں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے نہیں لڑیں گے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھانا چاہیں تو پھر ان سے کچھ تعرض نہ کرو۔ "فما جعل الله لكم عليهم سبيلا" کیونکہ اس صورت میں خدا تمہیں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس آخری آیت وافی ہدایہ سے واضح و آشکار ہو گیا کہ ان لوگوں کو پکڑنے دھکڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں ہے کہ جب وہ براہ راست مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں۔ یا ان کفار کی پشت پناہی کریں جو مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوں اور لڑ رہے ہوں۔ اور یہ بات اسلام کی عالمگیر صلح جوئی اور صلح کلی کے نظام و پیغام کے منافی نہیں ہے کیونکہ اسلام "جیو اور جینے دو" کے پیغام کا علمبردار ہے۔ اور جو شرارتی فرد یا قوم دوسروں کو جینے دو کے حق سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو اسلام اس کی سرکوبی اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ "حتی لاتكون فتنة" تاکہ ہر قسم کے فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جائے اور امن کے راستے کا یہ روڑا ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹ جائے۔ اس آیت کے بعد والی آیت (نمبر ۱۰۱) سے بھی یہی حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ جو تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہیں صالح دوستی کا پیغام نہ دیں اور نہ تم سے اپنے ہاتھ روکیں تو بے شک تم انہیں پکڑو اور قتل کرو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں، بلکہ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں تو تمہارے لئے بھی ان کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

با دوستان تلطف با دشمناں مدارا

علامہ سید علی نقی النقوی لکھتے ہیں "قرآن مجید کے ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ تصور کہ اسلام میں ہر کافر کا جان و مال حلال ہے اور انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر و قیمت نہیں درست نہیں ہے۔ اور یہ اقسام جو کافروں کے بیان ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ رویہ میں جو فرق قرار دیا گیا ہے وہ بالکل فتوائے عقل و اخلاق کیمطابق ہے اسلئے ہر دور میں قائم ہے اور منسوخ قرار دیے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے" (فصل الخطاب)

آیات القرآن

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَاۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَیُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْؕ وَاُولٰٓىٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا۠ ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـٴًـاۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـٴًـا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْاؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ٘ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ﴿٩٣﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًاۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا٘ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿٩٤﴾

ترجمۃ الآیات

عنقریب تم کچھ ایسے لوگ (منافق) پاؤ گے۔ جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور

اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں لیکن جب کبھی فتنہ وفساد کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اندھے منہ اس میں جا پڑتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح وآشتی کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو پھر انہیں پکڑو۔ اور جہاں کہیں انہیں پاؤ قتل کرو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلا غلبہ عطا کیا ہے (۹۱) کسی مسلمان کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے (تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ) ایک مومن غلام آزاد کیا جائے اور خون بہا اس کے گھر والوں (وارثوں) کو ادا کیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ خود (خون بہا) معاف کریں۔ پھر اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو مگر وہ خود مسلمان ہو تو پھر (اسکا کفارہ) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر وہ (مقتول) ایسی (غیر مسلم) قوم کا فرد ہو جس کے اور تمہارے درمیان (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہے تو (کفارہ میں) ایک خون بہا اس کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا۔ اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کیا جائے گا اور جس کو (غلام) میسر نہ ہو وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے گا۔ یہ اللہ کی طرف سے (اس گناہ کی) توبہ مقرر ہے۔ خدا بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے (۹۲) اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (۹۳) اے ایمان والو! جب خدا کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو پہلے خوب تحقیق کرلیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے تم اسے نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ تم دنیاوی زندگی کا ساز وسامان حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بڑی غنیمتیں ہیں اس سے پہلے تم خود (کافر) ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (کہ تم مسلمان ہوگئے) پس خوب تحقیق کرلیا کرو۔ یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۹۴)

تفسیر الآیات

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ ...الآية

مذکورہ بالا تینوں آیتوں میں کھلے ہوئے کافروں کی تین قسموں کا تذکرہ ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ واضح ہونا

چاہیے کہ ایک ہی عمل کے محرکات مختلف ہوتے ہیں جن کا پتہ طریق کار سے چلتا ہے۔ کافروں میں ایک گروہ تو وہ ہے جو شمشیرہ بکف مسلمانوں کے سامنے ہے اوران سے جنگ کرتا ہے اس گروہ سے کسی رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ دوقسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو سردست جنگ نہیں کررہے ہیں۔ پہلے تو وہ صلح جو کافر جو واقعی جنگ کو پسند نہیں کرتے، مگر ان کے ضمیر میں اتنی روشنی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ ایمان اختیار کرلیں وہ قلبی طور پر جنگ سے گھبراتے ہیں، نہ وہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم یعنی ان کفار سے جو برسر جنگ میں تصادم کرنا چاہتے ہیں اس لئے مسلمانوں کے ساتھ صدق دل سے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے قرآن کہتا ہے کہ ان کی اس صلح پسندی کی مسلمانوں کو قدر کرنی چاہیے اوران کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا انہیں ہرگز کوئی حق نہیں ہے۔ دوسرے وہ جو اس وقت جنگ تو نہیں کررہے ہیں مگر یہ جنگ نہ کرنا، ان کا واقعی صلح پسندی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ ایک منافقانہ چال ہے وہ جنگ کرنا پسند نہیں کرتے اسلئے کہ وہ ابھی اپنے کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتے جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہے کہ فتح مسلمانوں کو ہوگی یا کافروں کو وہ الگ تھلگ رہنے کا اظہار کرتے ہیں صرف اسلئے کے اگر مسلمانوں کو فتح ہوتو مسلمانوں کے ہاتھ سے وہ خطرہ میں مبتلا نہ ہوں اور اگر کفار کو فتح ہو تو ان کے ہاتھ سے بھی انہیں آزار نہ پہنچے۔ اسے قرآن مجید نے ان لفظوں میں کہا ہے کہ ''یریدون ان یامنو کم ویامنو اقومھم '' وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی جماعت سے بھی مگر ذرا انہیں اطمینان ہو کہ مسلمان کمزور ہیں اور ان کے خلاف کوئی ہنگامہ خود ان کے لئے باعث نقصان نہیں ہے تو وہ ایک دم ہنگامہ کے اندر کود پڑیں گے، ایسے لوگ جن کا کردار یہ ظاہر ہوجائے پھر وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں اوران کا جان و مال محفوظ نہیں ہے قرآن مجید کے ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ تصور کہ اسلام میں ہر کافر کا جان و مال اور انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر و قیمت نہیں، درست نہیں ہے اور یہ اقسام جو کافروں کے بیان ہوئے ہیں اوران کے ساتھ رویہ میں جو فرق قرار دیا گیا ہے وہ بالکل فتوائے عقل و اخلاق کے مطابق ہے اسلئے وہ ہر دور میں قائم ہے اور منسوخ قرار دیے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے'' (فصل الخطاب)۔

اسلامی تعلیمات جہاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام دو حالتوں کے سوا اور کسی حال میں بھی قتل نفس کی اجازت نہیں دیتا۔

۱۔ ایک جہاد یعنی لڑائی کی حالت میں جبکہ جنگ خود کافروں نے چھیڑی ہو

۲۔ دوسرے قانون کی رو سے جب کوئی مجرم اپنے جرم کی وجہ سے قتل کا مستوجب ہو جیسے کسی قاتل کو قتل کے بدلے قتل کرنا اس سے بڑھ کر اسلام کی امن میں اعتدال پسندی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟؟

۱۱۶ ومان کالمومن ۔ الآیۃ

قتل نفس محترمہ سخت ترین گناہ ہے

قتل نفس محترمہ نہ صرف یہ کہ گناہان کبیرہ میں سے ہے بلکہ تمام سماجی ومعاشرتی گناہوں میں سے سخت وسنگین ترین گناہ ہے اس کی روک تھام پر انسانی جان کا تحفظ موقوف ہے اور اس کے سدباب کا انحصار شرع اقدس کی حدود اسلامی کے اجراء پر ہے۔ارشاد قدرت ہے "ولکم فی القصاص حیوۃ یااولی الالباب" اے صاحبان عقل! (قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے) چونکہ قتل کے اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں اور بعض اوقات پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے "من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فقد قتل الناس جمیعا" جس نے ایک نفس کو بلا وجہ قتل کیا، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔

قتل کی سزا سخت ترین ہے

اس بنا پر اس کی دنیوی اور اخروی سزا بھی بہت سخت مقرر کی گئی ہے۔ جناب پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ اس خدائے قادر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر زمین وآسمان کی تمام مخلوق کسی مومن کا خون بہانے میں شریک ہوجائے، تو خدائے قہار سب کو ناک کے بل اوندھا آتش دوزخ میں جھونک دے گا (بحارالانوار۔ ۱۷)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کے قتل میں نصف کلمہ کے ساتھ بھی اعانت کرے، تو بروز قیامت اس کی دو آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ رحمت خداوندی سے مایوس ہے۔ (ایضاً)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے بندہ مومن کے قتل کی سزا وہی ہے جو کفر وشرک کی ہے عملی گناہوں میں قتل نفس کے سوا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا خلود فی النار ہو۔ کافر ومشرک مخلد فی النار ہوں گے اور مومن کا قاتل بھی مخلد فی النار ہوگا (فجزائنہ جھنم خالدا فیھا)۔

قتل کا سب سے زیادہ اثر مقتول کے اولیاء پر پڑتا ہے

کسی آدمی کے قتل سے اگرچہ معاشرہ کی بہت سی کڑیاں متاثر ہوتی ہیں، مگر اس کا سب سے زیادہ اور براہ راست اثر مقتول کے اولیاء پر پڑتا ہے وہی سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں

اور چونکہ اسلامی شریعت عقل وفطرت کے عین مطابق ہے۔اسلئے وہ نہ صرف یہ کہ انسانی مفادات کا تحفظ کرتی ہے بلکہ ان کے نقصانات کا ازالہ بھی کرتی ہے۔اسلئے اس نے مقتول کے اولیاء کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا ہے۔

ا۔قاتل کو قصاس میں قتل کریں۔ ۲۔اس سے خون بہالیں۔ ۳۔یا پھر معاف کردیں

''ذلك تخفيف من ربكم ورحمة'' یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے شریعت موسوی میں صرف قصاص کا حکم تھا ان کو دیت لینے یا معاف کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا تھا۔مگر شریعت اسلامیہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی سہولت دی گئی ہے کہ اگر طبعی وفطری رجحان کے مطابق قاتل سے قصاص وانتقام لینا چاہیں تو وہ لے لیں اور اگر کسی مصلحت کی بنا پر دستبردار ہوکر دیت (خون بہا) لینا چاہیں تو وہ لے لیں اور اگر اعلی انسانی واسلامی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے معاف کرنا چاہیں تو معاف کردیں۔والله يحب المحسنين''

قتل کی اقسام

مخفی نہ رہے کہ قتل کی تین قسمیں ہیں (ا) قتل عمد (۲) قتل شبیہ بعمد (۳) قتل خطاء

ا۔قتل عمد

میں مقتول کے وارثوں کو تین امور میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

(الف)۔قصاص میں قاتل کو قتل کرنا۔

(ب)۔اس سے دیت لینا۔

(ج)۔اور بالکل معاف کردینا۔

قتل عمد میں اس کی مذکورہ بالا دنیوی تین سزاؤں کے علاوہ اُخروی طور پر خدائے قہار نے پانچ سزائیں بیان کی ہیں

ا۔جہنم۔ ۲۔اس کا خلود۔ ۳۔اللہ کا قہر وغضب۔ ۴۔اس کی لعنت۔ ۵۔عذاب عظیم

۲۔قتل شبیہ بعمد

قتل شبیہ بعمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر دیت (خون بہا) واجب ہوتی ہے اور کفارہ بھی (ایک غلام آزاد کرنا اور یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے روزے رکھنا)۔

۳۔ قتل خطأ

قتل خطأ میں صرف دیت ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ اور وہ بھی نہ قاتل پر بلکہ اس کی عاقلہ پر۔

اسکے علاوہ آیت کی یہ تشریح بھی وارد ہوئی ہے کہ کسی مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایمان کی بنا پر وہی قتل کرے گا جو خود ایمان سے خالی ہوگا اور ہمارے یہاں یہ صراحت بھی وارد ہوئی ہے کہ نبی یا وصی کا جو قاتل ہو اس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہے (فصل الخطاب، بحوالہ تفسیر قمی)

بلکہ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ جو شخص مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے اس کی توبہ قبول نہیں ہے (اور اگر کسی دنیوی وجہ سے اسے قتل کرے تو پھر اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے) (تفسیر صافی، برہان) باقی تفصیلات فقہی کتابوں میں دیکھی جائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... الآية

اس آیت کا شان نزول مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے کفار سے لڑنے کے لئے ایک سریہ بھیجا اور اس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کے پاس کچھ بھیڑ اور بکریاں تھیں جنہیں وہ چرا رہا تھا۔ مسلمانوں نے اسے کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا۔ مگر اس نے اسلامی طریقہ پر سلام کیا اور کلمہ توحید و رسالت پڑھا مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ قتل سے بچنے کی خاطر یہ سب کچھ کر رہا ہے اسے قتل کر دیا۔ جب پیغمبر اسلامؐ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس کا بڑا دکھ ہوا اور قاتل کی سخت لعنت ملامت کی۔ بعض آثار کے مطابق قاتل نے یہ عذر پیش کیا کہ اس شخص نے قتل سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا آپ نے فرمایا! کیا تو نے اس کے دل کو چیر کے دیکھ لیا تھا (تفسیر کاشف)۔

ایک روایت میں ہے کہ قاتل نے آنحضرتؐ کی خدمت میں گذارش کی کہ آپؐ میری مغفرت کے لئے دعا فرمائیں آپؐ نے فرمایا ''لا غفر الله لك'' خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے۔ وہ ایک ہفتہ کے بعد مر گیا۔ اور جب اسے دفن کیا گیا تو قبر نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان ایک سوراخ میں پھینک دیا اور اوپر کچھ پتھر رکھ دیے۔ (مجمع البیان)

ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے یہ کارروائی مال غنیمت کے لالچ میں کی تھی کہ اس طرح اس مقتول کا مال بطور غنیمت انہیں مل جائے گا۔ اسلئے خداوند عالم نے ان لوگوں کی اس حرکت شنیعہ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا

کہ ایسے حالات میں اچھی طرح جانچ پڑتال کرلیا کرو کہ جسے تم قتل کر رہے ہو، وہ مسلمان تو نہیں ہے؟ اور مال غنیمت کا لالچ ہے تو رزاق کائنات کے پاس بہت سی غنیمتیں اور بہت سے فوائد وعوائد موجود ہیں۔ آیت میں لفظ ''فتبینوا ''(اچھی طرح تحقیق کرلو) کا دوبارآنا کسی کو قتل کرنے میں انتہائی حزم واحتیاط کے لزوم پر دلالت کرتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ فقہا نے اس آیت کو آیات الاحکام میں سے شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس سے دو حکم مستنبط ہوتے ہیں

۱۔ ہر چیز میں عموماً اور احکام شرعیہ میں خصوصاً اور خون و مال اور فروج کے معاملہ میں بالخصوص بہت جانچ پڑتال لازم ہے اور مکمل تحقیق کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ جس شخص کے کسی بھی قول یا فعل سے اسلام ظاہر ہوتا ہو جیسے اسلامی طریقہ پر سلام کرنا، کلمہء اسلام کا زبان پر جاری کرنا یا نماز وروزہ جیسے شعائر اسلام میں سے کسی شعار کا اظہار کرنا۔ یعنی نماز پڑھنا، روزہ رکھنا وغیرہ اسے مسلمان سمجھنا اور اس پر اسلامی احکام کا لاگو کرنا واجب ہے اور اسے کافر کہنا اور اسے ہر قسم کا مالی وجانی یا عرض وناموس کا نقصان پہنچانا قطعاً حرام اور ناجائز ہے ہاں البتہ اگر وہ اسلامی اصول، (توحید، رسالت اور قیامت) کا انکار کرے یا ضروریات اسلام پر عمل نہ کرے مگر انکار بھی نہ کرے تو ایسا شخص گنہگار اور فاسق وفاجر ضرور ہے مگر کافر نہیں ہے اور یہ مذہب شیعہ خیر البریہ کا اتفاقی نظریہ ہے دیوبندی مکتب فکر کے مستند ترجمان جناب مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں

''اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کرے۔ مثلاً اذان، نماز، وغیرہ میں شرکت کرے، تو مسلمانوں پر لازم ہے اسے مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی مدار نہ ہوگا۔ فرض کرلو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اسے اسلام سے خارج کرنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسی لئے امام اعظم نے فرمایا ''لا نکفر اھل القبلة بذنب ''یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے'' بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو خواہ وہ کتنا ہی گنہگار و بدعمل ہو'' (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۲۱)

دعا ہے کہ خداوند عالم علماء کرام کو کافروں کو مسلمان بنانے لڑنے والوں کو منانے اور باہم صلح کرانے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں مسلمانوں کو کافر بنانے اور منے ہوئے بھائیوں کو باہم لڑانے سے بچائے

''ان اللہ ولی التوفیق وما ذلک علی اللہ بعزیز''

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ ...الآیۃ

تم بھی کافر اور خارج از اسلام تھے۔ بعد ازاں خدا نے تم پر احسان کیا کہ تم مسلمان ہو گئے اور جب پیغمبر اسلامؐ نے اعتبار کر کے تمہیں مسلمان تسلیم کر لیا تھا تو تم کسی کے بارے میں کیوں سمجھتے ہو کہ وہ اظہار اسلام میں سچا نہیں؟ آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قتل مال غنیمت حاصل کرنے کے لالچ میں تھا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ مال غنیمت کے لالچ ہیں کسی اظہار اسلام کرنے والے کا خون ناحق نہ بہاؤ۔ روزی کی کنجیاں رزاق کل کائنات کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ تم رزق حرام سے اجتناب کرو، وہ رزق حلال کے دروازے کھول دے گا جیسا کہ ارشاد ہے ''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب'' جو تقویٰ اختیار کریگا۔ خدا اس کے لئے نکلنے کا راستہ کھول دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔

آیات القرآن

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا

يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

ترجمة الآيات

مسلمانوں میں سے بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والے اور راہ خدا میں مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو درجہ کے اعتبار سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے مگر اس نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے(۹۵) یعنی اس کی طرف سے (ان کے لیے) بڑے درجے، بخشش، اور رحمت ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے(۹۶) بے شک وہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کیا تو ان سے کہا تم کس حال میں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں کمزور و بے بس تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے پس انہی کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جائے باز گشت ہے(۹۷) سوائے ان کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے واقعاً بے بس ہوں کہ نہ کوئی حیلہ کر سکیں اور نہ کوئی راستہ پائیں(۹۸) پس قریب ہے کہ خدا ان سے درگزر کرے بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے(۹۹)

تفسیر الآیات

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ...الآية

جہاد ایک اہم اسلامی فریضہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی فرائض میں سے جہاد ایک اہم فریضہ ہے جس کی وجہ سے حق کا پرچم بلند اور باطل کا پرچم سرنگوں کیا جاتا ہے اور اس کی بدولت حق کا احقاق اور باطل کا ابطال کیا جاتا

ہے۔الغرض جہاد ہی اعلاء کلمہ حق کا بہترین ذریعہ ہے

جہاد فرض کفائی ہے

مگر اس میں قدرے اختلاف ہے کہ یہ واجب عینی ہے یا واجب کفائی ؟ تو جو قول اہل اسلام میں مشہور ہے اور یہی منصور ہے وہ یہ ہے کہ یہ فرض کفائی ہے۔اگر اوازۂ جہاد پر اسقدر مجاہد لبیک کہتے ہوئے میدان قتال میں پہنچ جائیں جن سے مقصد براری ہو جائے تو باقیوں سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے

لوگوں کی دو قسمیں ہیں

صحت اور بیماری بے عیبی اور عیب داری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔صحت منداور بے عیب۔ ۲۔بیمار اور عیب دار جیسے اندھا،لولا،لنگڑا وغیرہ تو واضح ہونا چاہیے کہ اسلام میں عورتوں بوڑھوں،اندھوں اور لنگڑوں الغرض ہر قسم کے مجبوروں اور معذوروں پر جہاد واجب نہیں ہے وہ صرف تندرست وتوانا جوانوں پر واجب ہے۔

خدا نے مجاہدوں کو فضیلت دی ہے

اس آیت مبارکہ میں خداوند علیم یہ بیان فرما رہا ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد(قاعد) برابر نہیں ہیں۔بلکہ مجاہدین فی سبیل اللہ کو غیر مجاہدین (قاعدین) پر فضیلت حاصل ہے؟ وہ فضیلت کس قدر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قاعد جو کہ مجاہد نہیں ہے مجبور ومعذور ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ اگر وہ مجبور ومعذور نہ ہوتا تو میدان کارزار میں جا کر جہاد کرتا اور شربت شہادت نوش کرتا۔ونية المومن خير من عمله۔تو پھر مجاہد کو ایسے قاعد پر صرف ایک درجہ فضیلت حاصل ہے(درجۃ) اور اگر غیر مجاہد(قاعد) تندرست وتوانا ہے اور گھر میں بیٹھ کر عبادت خدا کر رہا ہے اور اپنے معمولات زندگی ادا کر رہا ہے مگر اپنی سہل انگیزی کی بنا پر یہ سوچ کر میدان جہاد میں نہیں گیا کہ اس کے بغیر بھی مقصد حاصل ہو جائے گا تو پھر مجاہد کو اس قاعد پر کئی درجوں کی فوقیت حاصل ہے لیکن ثواب سب کو ملے گا مگر مجاہدین کا ثواب بہت زیادہ ہے(اجرا عظیما درجات منہ) اور یہی سب کو ثواب کا ملنا جہاد کے فرض کفائی ہونے کی دلیل ہے۔علامہ طبرسی لکھتے ہیں۔''وفی هذه الاية دلائة على ان الجهاد فرض الكفاية لانه لو كان فرضا على الاعيان لما استحق القاعدون بغير عذر اجرا(مجمع البیان) كذا فی التفسیر الكبير وابن كثير) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد فرض کفائی ہے ورنہ اگر وہ واجب عینی ہوتا تو بغیر عذر کے جہاد نہ کرنے والے کسی ثواب کے مستحق قرار نہ پاتے۔

لمحہ فکریہ

اس آیت شریفہ سے روز روش کی طرح واضح وآشکار ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے اور پھر مجاہدین میں سے جو جس قدر زیادہ جہاد کرے گا اس کو دوسرے مجاہدین پر اتنی ہی زیادہ فضیلت و برتری حاصل ہوگی۔ اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اسلام کی تاریخ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پورے عالم اسلام یں سب سے زیادہ جہاد مجاہد اسلام حضرت علیؑ نے کیے ہیں جن کی شجاعت وشہامت کے ترانے نہ صرف انسانوں اور جنوں نے پڑھے ہیں بلکہ فرشتوں نے بھی یہ کہہ کر ان کی بہادری کے گن گائے ہیں۔

لا فتی الا علی

لا سیف الا ذوالفقار

قطع النظر حضرت علیؑ کے دوسرے علمی وعملی کارناموں کے ان کے جہاد فی سبیل اللہ کی کثرت ہی تمام امت مسلمہ سے ان کی افضلیت کی ناقابل رد دلیل ہے غالباً انہی حقائق کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا۔ علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ (کنز العمال م ۶ ص ۱۵۹، ینابیع المودۃ، ص ۲۰۴ طبع بمبئی کنوز الحقائق فی شرح حدیث خیر الخلائق حاشیہ، جامع صغیر سیوطی ج ۲ ص ۱۱۷/۱۱۶)

ہجرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی وضاحت

ہجرت جس کے لغوی معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں دارلکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے کا نام ہجرت ہے

ہجرت کے فضائل

اوائل اسلام میں جب کہ مسلمان ہر لحاظ سے کمزور وناتواں تھے اور دارالکفر میں رہ کر آزادی کے ساتھ اسلامی طریقہ پر اپنے اعمال وعبادات نہیں بجالا سکتے تھے اس وقت ہجرت کرنے کی بڑی اہمیت اور بڑی فضیلت تھی اور قرآن وسنت میں مہاجرین کی بڑی مدح وثنا وارد ہوئی ہے ارشاد قدرت ہے "اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ" (بقرہ آیت۔ ۲۱۸) جو لوگ ایمان لائے اور راہ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے نیز جن آیات کی تفسیر لکھی جارہی ہیں ان میں بھی ہجرت

کی بڑی فضیلت اور ہجرت نہ کرنے کی بڑی سخت مذمت وارد ہوئی ہے اسی طرح احادیث میں بھی ہجرت کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے

ہجرت میں قصد قربت ضروری ہے

البتہ یہ مدنظر رہے کہ ہر عبادت کی طرح یہاں ہجرت کرنے میں بھی قصد قربت ضروری ہے۔ چنانچہ اسی سورہ نحل میں آیا ہے "والذین ھاجروا فی اللہ" جن لوگوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص تجارتی کاروباری نقطہ نگاہ سے یا سروس وملازمت کی وجہ سے یا دوسری دنیاوی سہولتوں کی وجہ سے ہجرت کرے تو وہ ان فضائل کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ چنانچہ حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا! جو شخص خدا اور رسول کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت تو خدا اور رسول کے لئے ہے اور جو مال طلب کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے اور وہی چیز اس کی ہجرت کا معاوضہ ہے (بخاری شریف)

اسی بناء پر دوسری حدیث میں وارد ہے کہ "المھاجر من ھجر مانھی اللہ ورسولہ" حقیقی مہاجر وہ ہے جو خدا اور رسولؐ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے (ایضا)

دو اسلامی ہجرتوں کا تذکرہ

چنانچہ عہد رسالت میں مسلمانوں نے دو بار ہجرت کی ہے پہلی بعثت کے پانچویں سال جو مکہ سے حبشہ کی طرف کی گئی اور دوسری بعثت کے تیرھویں سال جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کی گئی۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا کہ "لا ھجرۃ بعد الفتح" کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

بوقت ضرورت آج بھی ہجرت کا حکم ہے

پیغمبر اسلامؐ کے مذکورہ فرمان سے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی نفی مقصود ہے ورنہ آج بھی ہجرت کا حکم موجود ہے اور اگر مسلمان کسی کافر ملک میں رہ کر اپنے فرائض ووظائف انجام نہ دے سکتا ہو اور کافروں اور مشرکوں کی غلط کاریوں اور باطل پرستیوں سے نہ بچ سکتا ہو تو وہاں سے آج بھی ہجرت کرکے اس اسلامی ملک میں جانا واجب ہے جہاں آزادی سے اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکے۔ ہجرت نبوی کے وقت کچھ کمزور ایمان کے مالک مسلمان اپنے اعزا واقارب کی محبت اور اپنے مال وجائیداد سے دل بستگی کی وجہ سے مکہ رہ گئے تھے اور جان بوجھ کر فریضہء ہجرت ادا نہیں کیا تھا۔اس آیت میں ان کی حالت زار کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ موت کے وقت

(موت والے) فرشتے ان سے کہیں گے۔تم کس حال میں تھے؟ (ہجرت کیوں نہ کی؟) وہ عذر خواہی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم اس سرزمین میں کمزور اور بے بس تھے اس پر فرشتے ان سے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ (جس پر وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو جائیں گے) خدائے جبار و قہار فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جہنم بہت بری جائے بازگشت ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ...الآية

سابقہ آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ہجرت کرنے پر قادر تھے مگر دنیوی اغراض وفوائد کے تحت ہجرت نہ کی۔اب ان لوگوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو تنگدستی، بدنی کمزوری یا کسی اور جائز وجہ سے ہجرت نہ کرنے پر مجبور تھے اور اس وجہ سے معذور تھے جیسے کمزور و ناتواں مرد، عورتیں اور (بلوغت کے قریب) بچے جنہیں ہجرت کرنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔امید ہے کہ اللہ ان سے درگذر فرمائے گا۔یعنی جو ایسے لوگ ہیں وہ دراصل گنہگار نہیں ہیں

افادہ جدیدہ

بعض احادیث اہلبیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں "مستضعفین" سے وہ لوگ مراد ہے جو ذہنی اعتبار سے اتنے کمزور ہیں کہ حق و باطل میں تمیز کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔الغرض جو مرد یا زن بچوں کی سی عقل رکھتے ہیں نہ حقیقت ایمان کو سمجھ کر ایمان لا سکتے ہیں اور نہ ہی حقیقت کفر کو سمجھ کر اس سے اجتناب کر سکتے ہیں۔الغرض وہ نہ مومن ہیں اور نہ ہی کافر بلکہ وہ ان کے بین بین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو خداوند عالم کی رحمت واسعہ کے امیدوار ہیں (البرہان، بحارالانوار، صافی)

آیاتُ القرآن

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جوکوئی راہ خدا میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت ہجرت گاہ جائے پناہ اور بڑی کشائش پائے گا۔اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۰۰) اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (بلکہ

واجب ہے کہ) نماز میں قصر کردو۔(بالخصوص) جب تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائیں گے۔ بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں(۱۰۱) اے رسول! جب آپ ان (مسلمانوں) میں ہوں اور انہیں نماز با جماعت پڑھانے لگیں تو چاہیے کہ ان کا ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو۔اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں اور جب یہ سجدہ کر چکیں (نماز پڑھ چکیں) تو یہ (پشت پناہی کے لئے) تمہارے پیچھے چلے جائیں اور پھر وہ دوسرا گروہ جس نے ہنوز نماز نہیں پڑھی ہے آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے۔اور چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لئے رہے کفار کی تو یہ خواہش ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے ساز وسامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ اور وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔اور اگر تمہیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں کو رکھدو۔ہاں اپنی حفاظت کا خیال رکھو(چوکنا رہو) بے شک اللہ نے کافروں کے لے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے(۱۰۲) پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)اور جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کو پورے طور پر ادا کرو۔ بے شک اہل ایمان پر پابندی وقت کے ساتھ نماز فرض کی گئی ہے(۱۰۳)اس (مخالف) جماعت کی تلاش اور تعاقب میں سستی نہ دکھاؤ۔اگر اس میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی اسی طرح تکلیف پہنچتی ہے۔جس طرح تمہیں پہنچتی ہے اور تم اللہ سے اس چیز (ثواب) کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے(۱۰۴)

تفسیر الآیات

وَمَنْ يُّهَاجِرْ ... الایۃ

جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ گھومنے پھرنے کے لئے زمین میں ہر جگہ بڑی کشائش پائے گا۔ یہاں خدائے رحمان ورحیم اپنی راہ میں گھربار، مال ومنال، دوست احباب اور زمین وجائیداد چھوڑنے والوں کو خوشخبری دے رہا ہے کہ انہیں آغاز میں جس مشقت اور کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے اور فقر وفاقہ کی جس بھٹی سے گذرنا پڑا ہے وہ اس کے عوض انہیں راحت وآرام پہنچائے گا اور انہیں مال وثروت کی دولت سے مالا مال

فرمائے گا اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ صادق الوعد خدا نے مہاجرین سے جو وعدہ کیا تھا اس نے اس پورا کر کے دکھایا۔ اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے اسے پورا ہوتا ہوا دیکھا کہ خداوند کریم نے ان لوگوں کو اقامۂ دین کے ادائے فرائض اور رہائش کے لئے وسیع وعریض زمین بھی عطا فرمائی اور دولت اور فراخ روزی سے بھی نوازا۔

وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡ بَيۡتِهٖ...الآية

اس کی شان نزول یوں مروی ہے کہ مکہ میں رسولؐ کے بعض اصحاب سخت بیمار تھے جن کا نام مفسرین نے جندب بن ضمرہ لکھا ہے مگر جب انہوں نے ہجرت کا حکم سنا تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ انہیں (مدینہ) آنحضرت کی خدمت میں لے چلیں۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں چار پائی پر ڈال کر لے چلے مگر راستہ میں بمقام تنعیم ان کی وفات ہوگئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص خدا اور رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور پھر اسے موت آجائے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ لازم ہو گیا ہے (مجمع البیان وتفسیر کاشف وغیرہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر و ثواب کا تعلق آدمی کے عزم وارادہ اور خلوص نیت کے ساتھ ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جو ارادہ کرتا ہے، مقدرات الٰہی اور شرعی موانع کی بنا پر اس کام کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا مگر اس سے اس کے اجر و ثواب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ''**وانما الاعمال بالنیات نیة المومن خیر من عمله**'' یہی وجہ ہے کہ بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ جب آدمی کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ کرتا تو ایک نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے خواہ اس کو عملی جامہ نہ بھی پہنا سکے اور جب اسے کر گذرے تو ایک کی جگہ دس نیکیوں کا ثواب نامہ عمل میں درج کیا جاتا ہے اور جب برائی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور جب گناہ کر گذرے تو پھر بھی چند گھنٹوں تک اسلئے نہیں لکھا جاتا کہ شاید گنہگار توبہ کر لے اور جب وہ مدت ختم ہو جائے اور وہ توبہ نہ کر سکے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے یہ اللہ کا خاص فضل وکرم ہے۔ **واللہ ذوالفضل العظیم**۔ (الوافی الوسائل، البحار)۔

ایک روایت میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ فرمایا اگر کوئی شخص اپنا دین و مذہب بچانے کی خاطر ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف ہجرت کی غرض سے اپنے گھر سے نکلے، تو اگرچہ ایک بالشت مسافت طے کرنے کے بعد اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور جنت میں خلیل خدا اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کا رفیق ہوگا (مجمع البیان)

مخفی نہ رہے کہ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو علم دین کی طلب میں گھر

سے نکلے اور پھر راستے میں لقمہء اجل بن جائے (فراجع)

نماز سفر اور نماز خوف کا بیان

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ شریعت اسلامیہ کے منجملہ خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بالکل سہل و آسان ہے۔ یعنی اس کے ہر امر و نہی میں بندوں کی سہولت و آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور کوئی شرعی تکلیف انسانی وسعت وطاقت سے زیادہ نہیں دی گئی۔ اور اس امر کے دیگر شواہد و دلائل کے علاوہ ایک یہی قصر و اتمام نماز کا مسئلہ بھی ہے۔ کہ خالق مہربان نے سفر اور خوف کی حالت میں مقررہ شرائط کے تحت چار رکعتی نمازوں کی دو رکعتیں معاف کردی ہیں کیونکہ سفر میں آدمی کو طرح طرح کے تر دودات اور ذہنی پریشانیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے نماز قصر کا حکم دیا گیا۔

آیت کا ظاہری مفاد

اگر اس آیت مبارکہ پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ نماز قصر دو (۲) شرطوں کے ساتھ مشروط ہے

ا۔سفر۔ ۲۔اور دشمن کا خوف اور اوائل اسلام میں یہ خصوصی رعایت واقعاً صرف سفر اور کفار سے خوف کی صورت میں تھی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ''(سورہ نساء آیت۔۱۰۱) جب تم سفر میں ہو اور تمہیں کفار سے خوف ہو کہ وہ تمہیں تکلیف دیں گے تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز کو قصر کرو۔ (چار رکعتی نماز دو رکعت پڑھو)

آیت کا حقیقی مفہوم

مگر سرکار محمد و آل محمدؑ کی قولی و فعلی تعلیمات میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے قصر کرنے کے لئے ان دو عنوانوں میں سے صرف ایک عنوان ہی کافی ہے۔

ا۔سفر (اپنے مقررہ شرائط کے ساتھ) اگرچہ کفار کا خوف دامن گیر نہ ہو

۲۔کفار وغیرہ کا خوف اگرچہ سفر نہ ہو بلکہ حضر ہو اور اس مطلب پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے مروی ہے کہ ایک صحابی نے بارگاہ رسالتؐ میں یہ شبہ پیش کیا کہ نماز قصر کا حکم تو حالت جنگ میں ہے (تو اب فتح مکہ کے بعد) جب امن حاصل ہوا ہے تو اب قصر کیوں پڑھیں؟ آنحضرت نے فرمایا ''صدقہء تصدق اللہ بہا

علیکم فاقبلوا صدقة'' یہ رعایت اللہ کا خصوصی انعام ہے جس سے اس نے تمہیں نوازا ہے تو تم اس کے انعام کو قبول کرو (درمنثور، قرطبی) چنانچہ فریقین کی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرتؐ بحالت سفر نماز قصر پڑھتے تھے خواہ امن ہوتا تھا یا خوف۔ آیت کے جن الفاظ سے اشتباہ ہوتا ہے انہیں عام حالات پر محمول کیا جائے گا کہ چونکہ اس دور میں عموماً سفر خوف وخطر سے خالی نہیں ہوتے تھے اور بالعموم یہ خوف وخطر حالت سفر میں ہوتا تھا لہٰذا یہ قید (ضربتم فی الارض۔ وخفتم من الذین کفروا) کو غلبہ پر محمول کیا جائے گا جس طرح پچھلگ لڑکی کی حرمت کے لئے "فی حجورکم'' (تمہاری گودوں میں پلی ہیں) کی قید تغلیبی کو بنا بریں خوارج اور فرقہ ظاہریہ کا یہ کہنا کہ یہ قصر حالت جنگ کے ساتھ مختص ہے اور امن کے سفر میں قصر جائز نہیں ہے غلط ہے اور یہ مفہوم قرآن اور عمل پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ہے بے شک پہلے پہل قصر کا حکم جنگ کی وجہ سے دیا گیا تھا مگر پھر ہر قسم کے جائز سفر کے لئے عام ہو گیا جو سنت رسولؐ اور مسلمانوں کے تعامل سے ثابت ہو چکا ہے۔

یہ قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

چونکہ قرآن مجید میں نماز قصر کے لئے ''فلیس علیکم جناح'' (اگر نماز قصر کرو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔ لہٰذا اس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ سفر اور خوف میں نماز کا قصر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف رخصت ہے مگر جو بات تعلیمات اہلبیت علیہم السلام اور برادران اسلامی کے اکثر آئمہؑ وفقہاء کی آراء سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصر عزیمت اور ضروری ہے۔ صرف رخصت واجازت نہیں ہے۔ جناب زرارہ اور جناب محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام محمد باقرؑ سے سفر میں نماز قصر پڑھنے کے متعلق سوال کیا؟ فرمایا سفر میں قصر کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح حضر میں پوری نماز پڑھنا واجب ہے عرض کیا کہ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ قصر پڑھو۔ بلکہ فرمایا ''فلیس علیکم جناح'' اگر قصر کرو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ فرمایا حج میں صفا ومروہ کے درمیان سات چکر لگانا (بالاتفاق) واجب ہے حالانکہ وہاں بھی یہی لفظ وارد ہے کہ ''فلا جناح علیه ان یطوف بهما'' کہ حج کرنے والے پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے درمیان چکر لگائے (عیاشی، مجمع البیان صافی)۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ سفر میں قصر کیا ہے اور کسی معتبر روایت سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کبھی سفر میں چار رکعتیں پڑھی ہوں (تفہیم القرآن ج ا ص ۳۸۹) اس کے باوجود امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رخصت کے قائل ہیں۔ عزیمت کے قائل نہیں ہیں۔ فراجع

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ...الآية

اے پیغمبرؐ! جب آپ مسلمانوں کے درمیان موجود ہوں اور حالت جنگ میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوں۔ان جملوں سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ نماز خوف صرف زمانہ رسولؐ کے ساتھ مخصوص تھی حالانکہ یہ بات غلط ہے اور یہ حکم آپ کے بعد بھی ثابت ہے اور مختلف اوقات میں مسلمانوں نے پڑھی بھی ہے اور قیامت تک یہ حکم برقرار رہیگا۔صرف اس بنا پر کہ بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے ہے اسے آپ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے خود قرآن میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ آنحضرتؐ کو خطاب کر کے کوئی حکم دیا گیا ہے مگر وہ حکم آپ کے بعد بھی موجود ہے!!

نماز خوف پڑھنے کی ترکیب؟

حقیقت یہ ہے کہ نماز خوف پڑھنے کا زیادہ تر دارومدار حالات جنگ پر ہے لہٰذا جس قسم کے حالات کا سامنا ہو۔اسی طریقہ کے مطابق پڑھنی چاہیے۔یہاں جس طریقہ کار کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے احادیث اہلبیت علیہم السلام کی روشنی میں اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے۔

''فوج اسلام کے دو حصے ہوجائیں ایک حصہ دشمن کے مقابلہ میں جنگ کرتا رہے اور ایک حصہ رسولؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہو(اور اپنے ہتھیار لئے رہے) اس طرح کہ ایک رکعت پیغمبر کے ساتھ باجماعت پڑھے پھر رسولؐ بیٹھے رہیں اور یہ لوگ کھڑے ہوکر اپنی دوسری رکعت بطور خود جلدی جلدی پڑھ کر دشمنوں کے مقابلہ میں چلے جائیں۔دوسرے لوگ آئیں اور رسول اب کھڑے ہوکر ان کے ساتھ دوسری رکعت پڑھیں لیکن یہ ان کی پہلی رکعت ہے لہٰذا رسولؐ دونوں سجدوں کے بعد پھر بیٹھ جائیں اور یہ لوگ سجدوں کے بعد کھڑے ہوکر اپنی دوسری رکعت جلدی سے پڑھکر جب سجدوں سے فارغ ہوں تو اب رسول کے ساتھ تشہد اور سلام پڑھ کر نماز تمام کریں۔

نماز باجماعت کی اہمیت

اس سے اسلام میں نماز باجماعت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ صرف پوری فوج اسلام کو جماعت کی فضیلت سے بہرہ اندوز کرنے کے لئے امام جماعت کو جو اس وقت پیغمبر تھے کتنے طویل الذیل طریقہ پر نماز پڑھنے کی ہدایت ہوئی ہے(فصل الخطاب)اور اگر دست بدست لڑائی تک نوبت پہنچ جائے اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر چلتے پھرتے ہر حالت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ساری نماز روبقبلہ نہ پڑھی جاسکے تو صرف تکبیرالاحرام کے وقت روبقبلہ ہونا کافی ہے اگر رکوع وسجود کیا جائے تو فبہا ورنہ ان کے بغیر بھی پڑھی

جاسکتی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ہر رکعت کے عوض ایک بار تسبیحات اربعہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھی جاسکتی ہیں (تفسیر کاشف)

دو رکعتی فرقہ کی رد

نماز خوف پڑھنے کی جو ترکیب ہم نے اوپر درج کی ہے یہ وارثان قرآن کے فرمان سے واضح وعیاں ہے اور یہ فرامین تفسیر عیاشی، صافی، برہان، وسائل اور بحار الانوار وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہیں لیکن اگر کوئی شخص قرآنی مطالب ومعانی کو حقیقی اہل قرآن سے نہ لے اور احادیث کی صحت وسقم اور ان کا صحیح مفہوم علماء اسلام سے معلوم نہ کرے بلکہ اپنی عقل خام اور علم ناتمام پر بھروسہ کرکے حقائق قرآن، دینی احکام اور مسائل حلال وحرام کو سمجھنے کی سعی ناکام کرکے تو غوایت وگمراہی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور توفیق ہدایت سلب ہوجاتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال موجودہ دو (۲) رکعتی فرقہ ہے جو ہمارے ہی مذہب سے نکلا ہے جو بعض ناقابل اعتماد "ضعیف السند اور متشابہ اخبار وآثار کی بنا پر قائل ہے کہ نماز پنجگانہ میں سے ہر نماز کی دو رکعتیں ہیں اور اس طرح ان کی کل مجموعی تعداد دس (۱۰) رکعت ہے اور پھر قرآن کی تفسیر بالرائے کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی نماز خوف سے یہ غلط استدلال کرتا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل نماز دو رکعت تھی، جو قصر ہوکر ایک رکعت رہ گئی چنانچہ ایک گروہ نے پیغمبر کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور دوسرے گروہ نے بھی ایک رکعت پڑھی مگر بموجب دروغ گورا حافظہ نباشد! وہ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اگر نماز خوف ایک ہی رکعت تھی تو پھر پیغمبر اسلامؐ نے کیوں دو رکعت پڑھیں؟ اور وارثان قرآن سے کیوں نہیں پوچھتا کہ مقتدیوں نے اپنی ایک رکعت تو رسول کے ساتھ پڑھی تھی تو دوسری کس طرح پڑھی؟؟

سچ ہے کہ

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

نعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا ومن الحور بعد الکور

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...الآیۃ

یہاں مذکورہ بالا طریقہ پر نماز ادا کرنے کا فلسفہ بیان کیا جارہا ہے۔ کہ جب مسلمان اس طرح دو حصوں پر تقسیم ہوکر اور ہتھیار بند ہوکر اور وہ بھی یکے بعد دیگرے نماز پڑھیں گے تو اس طرح دشمن کو ان پر یکبارگی حملہ کرکے انہیں تہس نہس کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ جس طرح کہ ایک بار مسلمان اس سانحہ سے بال بال بچ گئے

تھے۔ ہوا یوں کہ ایک بار حضرت رسول خداؐ مکہ مکرمہ سے حدیبیہ کی طرف جا رہے تھے کہ کفار کو اس بات کا علم ہو گیا انہوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار آدمیوں کا جتھا دے کر بھیجا تا کہ آنحضرتؐ کو آگے بڑھنے سے روکے۔ اسوقت مسلمان بمقام عسفان اور کفار بمقام ضجنان تھے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا بلال نے اذان دی اور آنحضرتؐ نے مکمل رکوع و سجود کے ساتھ مسلمانوں کو نماز پڑھائی، جب خالد کو اس کا علم ہوا تو اس نے بڑا افسوس کیا کہ اس نے نماز کی حالت میں حملہ کیوں نہ کر دیا۔ اب وہ نماز عصر کی جماعت کا انتظار کرنے لگا کہ جب آنحضرتؐ اس نماز میں مشغول ہوں گے جو انہیں آنکھ کی بصارت سے بھی زیادہ عزیز ہے تو وہ ان پر حملہ کر دے گا اس اثناء میں خدائے علیم و حکیم نے وحی کی ڈوری ہلائی اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز عصر ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جس کی وجہ سے دشمن اپنے مذموم ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا (مجمع البیان)

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ...الآية

نماز خوف پڑھنے کی ترکیب بتانے کے بعد یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب نماز فریضہ کو اس مخصوص طریقہ پر ادا کر چکو اور ظاہر ہے کہ اس میں سکون و اطمینان نام کی کوئی چیز نہیں تھی تاہم ادا ہو گئی تو اب نوافل اور دیگر ذکر و اذکار کرو اور جس طرح بھی ممکن ہے کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے خدا کو یاد کرو۔ اسکا ذکر کرو اور دشمن پر فتح و نصرت حاصل کرنے کی دعا کرو۔ کہ ان چیزوں کا کوئی خاص وقت اور کوئی مخصوص کیفیت نہیں ہے ہاں البتہ جب تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ اور ہر قسم کے اضطرار اور حالت خوف کا خاتمہ ہو جائے تو پھر پوری حدود و قیود، پورے سکون و طمانیت اور پورے آداب و کیفیات کے ساتھ نماز ادا کرو۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ...الآية

کتابا موقوتا کا مفہوم؟

کتابا موقوتا کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ''مفروض لوقتہ'' اپنے مقررہ وقت پر فرض ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر نماز کے تین تین وقت ہے۔

۱۔ وقت مختص۔ ۲۔ وقت مشترک۔ ۳۔ اور وقت فضیلت اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر نماز کا اپنے وقت فضیلت پر الگ الگ ادا کرنا افضل ہے۔

جمع بَيْنَ الصَّلٰوتين پر تبصرہ

یہ جو قدیم الایام سے جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں سنی شیعہ نزاع چلی آرہی ہے وہ صرف اس فعل کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ہے کہ ہم بلا عذر بھی جمع بین الصلوٰتین کو جائز جانتے ہیں جس کی تائید مزید صحاح ستہ کی روایات سے ہوتی ہے۔ جن میں مذکور ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے بعض اوقات مدینہ میں ہر قسم کے خوف وخطر، طوفان ومطر اور سفر کے بغیر دونمازوں کو ملا کر پڑھا اور پوچھنے پر فرمایا تا کہ امت کو زحمت نہ ہو اور ہمارے بھائی کسی عذر کے سوا جمع کو جائز نہیں جانتے مگر عام دوسرے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہو گیا ہے ہماری قوم نے ہر حالت میں جمع بین الصلوتین کو اپنا وتیرہ بنالیا ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر اس نے دو نمازیں الگ الگ پڑھ لیں تو وہ سنی بن جائیں گے اور ہمارے سنی بھائیوں نے اس جواز سے فائدہ نہیں اٹھایا اور انہوں نے یہ التزام کر رکھا ہے کہ ہر حالت میں دونمازوں کو اس طرح علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہے، کہ اگر انہوں نے کبھی بغیر عذر جمع بین الصلوٰتین کر دی، تو وہ شیعہ بن جائیں گے۔ ہم ہر دو فریق کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جمع کرنے سے کوئی سنی شیعہ نہیں بنتا اور علیحدہ علیحدہ پڑھنے سے کوئی شیعہ سنی نہیں بن جاتا۔ بے شک بلا عذر شرعی بھی جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔ لیکن ہر نماز کو اس کے وقت فضیلت پر الگ الگ پڑھنا افضل ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری فقہی کتاب ''قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ'' کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے دوسرے معنی ہیں ''کتابا مفروضا'' کہ نماز اہل ایمان پر فرض عین قرار دی گئی ہے جس کے ترک کرنے میں وہ کسی رنگ میں معذور نہیں ہیں (عیاشی وصافی وبرہان)

وَلَا تَهِنُوْا فِي...الآیۃ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفار ومشرکین کے ساتھ مقابلہ ومقاتلہ کرنے میں بعض اوقات مسلمانوں کو سخت تکلیفوں کا اور زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر خدا مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ ایسی تکلیفیں تو کافروں کو بھی پیش آتی رہتی ہیں مگر اہل اسلام اور اہل کفر میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ مسلمانوں کے ہاں عقیدہ توحید موجود ہے وہ ہر دکھ درد اور ہر زحمت ومصیبت پر جو انہیں راہ خدا میں پیش آتی ہے خدا سے اجر وثواب کی توقع رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ نہ صرف یہ کہ ان کے لئے مشکل کو آسان بنا دیتا ہے بلکہ اسے خوشگوار بھی بنا دیتا ہے جبکہ کفار ومشرکین اس عقیدہ سے محروم ہیں۔ اس نمایاں فرق کے باوجود ایک مسلمان کو بزدلی اور پست ہمتی کا ہرگز مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہر ہر معاملہ میں بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا وخلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

آیات القرآن

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ
يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۙ﴿۱۰۷﴾
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ
يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾
هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ
عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ
سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾
وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ
احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَىْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ
مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ
النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ

وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک ہم نے (یہ) کتاب حق کے ساتھ آپ پر اتاری ہے تا کہ آپ لوگوں میں اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے آپ کو بتا دیا ہے اور آپ خیانت کاروں کے طرفدار نہ بنیں۔(۱۰۵) اور اللہ سے مغفرت طلب کریں، یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۰۶) اور جو لوگ اپنی ذات سے خیانت کرتے ہیں آپ ان کی وکالت نہ کریں بے شک اللہ اسے دوست نہیں رکھتا، جو بڑا خیانت کار اور بڑا گنہگار ہے (۱۰۷) یہ لوگ (اپنی حرکات) لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے، کیونکہ وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اس کی پسند کے خلاف گفتگوئیں (مشورے) کرتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے (۱۰۸)۔(اے مسلمانو!) یہ تم ہو جو دنیاوی زندگی میں ان کی طرف سے جھگڑتے ہو (ان کی طرفداری کرتے ہو) تو قیامت کے دن ان کی طرف سے خدا سے کون بحث کریگا؟ یا کون ان کا وکیل (نمائندہ) ہوگا؟ (۱۰۹) اور جو کوئی برائی کرے قبیح کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے (گناہ کا ارتکاب کرے) پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے، تو وہ اللہ کو بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا پائے گا۔(۱۱۰) اور جو گناہ کرتا ہے تو وہ اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے (۱۱۱) اور جو کوئی غلطی یا گناہ کرے تہمت کسی بے قصور پر لگائے، تو اس نے ایک بڑے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اٹھایا (۱۱۲) اور اگر اللہ کا فضل و کرم اور اس کی خاص رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان کے ایک گروہ نے تو یہ تو تہیہ کر لیا تھا کہ آپ کو گمراہ کر کے رہے گا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ پڑھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے (۱۱۳) لوگوں کی زیادہ تر سرگوشیوں میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے سوا اس کے کہ کوئی صدقہ دینے، نیکی کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کی

بات کرے اور جو شخص خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ایسا کرے ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے (۱۱۴) اور جو راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور اہل ایمان کے راستے کے خلاف راستہ چلے، تو ہم اسے ادھر ہی جانے دیں گے جدھر وہ گیا ہے (ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے) اور اسے آتش دوزخ کا مزا چکھائیں گے اور یہ بہت بری جاء بازگشت ہے (۱۱۵)

تفسیر الآیات

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ...الآیۃ

ان آیات کی شان نزول

آیت نمبر ۱۰۵ سے لیکر آیت نمبر ۱۱۵ تک پوری دس آیات اس مخصوص واقعہ سے متعلق ہیں جو حضرت رسول خداؐ کے عہد معدلت انگیز میں پیش آیا تھا۔ جس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے تین بھائی تھے۔ جن کے نام بشر، بشیر اور مبشر تھے اور یہ ابیرق نامی ایک شخص کے بیٹے تھے ان میں سے بشیر کی کنیت ابوطعمہ تھی۔ اس نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان بدری صحابی کے گھر نقب لگا کر آٹے کی بوری، تلوار اور زرہ چرالی، جب صبح ہوئی اور قتادہ نے ابوطعمہ سے دریافت کیا تو اس نے قسم اٹھا کر اس سے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ الغرض جب مسروقہ مال کی تلاش شروع ہوئی تو اس نے وہ مال ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا اور قتادہ نے بارگاہ رسالتؐ میں دعویٰ دائر کیا اور ابوطعمہ پر اپنا شبہ ظاہر کیا۔ جب مسروقہ مال کی تلاش شروع ہوئی تو اتفاق یہ ہوا کہ آٹے کی بوری میں سوراخ تھا۔ اس سے آٹا گرتا گیا اس طرح لوگ اس یہودی کے گھر پہنچ گئے اور مال برآمد کر لیا۔ مگر یہودی نے سختی سے اپنے چور ہونے کی نفی کی اور کہا کہ میرے پاس ابوطعمہ یہ چیزیں رکھ گیا ہے۔ مگر ابوطعمہ، اس کے بھائی بندوں اور بنی ظفر کے بہت سے لوگوں نے اجماع کر کے یہ الزام یہودی پر منڈھ دیا۔ اگرچہ بنی ظفر کو علم ہو چکا تھا کہ یہودی چور نہیں بلکہ ابوطعمہ چور ہے مگر اپنے جھوٹے وقار کو بچانے اور بدنامی سے بچنے کی خاطر بارگاہ رسالتؐ میں پہنچ گئے اور بڑے زور و شور سے ابوطعمہ کی بے گناہی ثابت کرتے ہوئے اس کی وکالت کی اور بڑے شد و مد کے ساتھ یہ الزام یہودی کے سر تھوپنے کی کوشش کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ یہودی خدا اور رسولؐ کا دشمن ہے اگر وہ بری ہو گیا اور فیصلہ ابوطعمہ کے خلاف ہوا تو نہ صرف وہ ذلیل و رسوا ہوگا بلکہ اس کی پوری قوم ذلت

ورسوائی کے اتاہ گھڑے میں گر جائیگی۔ظاہری قانون شریعت کے مطابق اگر حضرت رسول خداؐ یہ سوچ کر کہ بنی ظفر اوران کے وکلاء صفائی اورحمایت کار مسلمان ہیں اور بڑے شد ومد سے ابوطعمہ کی صفائی پیش کررہے ہیں تو یہ سچے ہی ہوں گے۔ابوطعمہ کے حق میں فیصلہ کردیتے۔جیسا کہ بظاہر کرنا بھی چاہتے تھے۔تو یہ کوئی اچنبہ کی بات نہ ہوتی کیونکہ مقدمہ کی ظاہری روئیداد کا تقاضا یہی تھا لیکن اگر ایسا ہوجاتا تو مخالفین کو نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بلکہ پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ایک حربہ مل جاتا اور وہ پروپیگنڈہ کرتے کہ آنحضرتؐ جس عصبیت کے خلاف بات کرتے ہیں خوداسی کا شکار ہوکر یہودی کے خلاف اور مسلمان کے حق میں فیصلہ کردیا اورحق وانصاف کا خون بہادیا۔اس لئے خداوند عالم نے اس واقعہ کی نزاکت اورحساسیت کے پیش نظر خصوصی طور پر اس مقدمہ میں مداخلت کی اورآنحضرتؐ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر کے صحیح فیصلہ کرنے میں آپ کی راہنمائی فرمائی چنانچہ آپؐ نے یہودی کو بری قراردے کر ابوطعمہ کو مجرم قرار دیا۔اس بارے میں ارشاد قدرت ہوتا ہے۔ انا انزلنا علیك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله۔ چنانچہ جب بشیر کو حقیقت حال کی اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مرتد ہوگیا۔(مجمع البیان،ضیاءالقرآن،تفہیم القرآن)

وہ نتائج جواس واقعہ سے برآمد ہوتے ہیں

اس واقعہ سے بڑے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں جو بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں حوالہ قلم کئے جاتے ہیں۔

۱۔محض خاندانی عصبیت کے تحت کبھی مجرم کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔اور نہ ہی یہ طریقہ کار ایک مسلمان کا شیوہ وشعار ہے۔یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ان آیات میں ان لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی ہے جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔اس سے سبق حاصل ہوتا ہے کہ اسلام میں قوم یا مذہب کے نام پر انصاف کے معاملہ میں تعصب اور غلط رو ورعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے۔

۲۔ان آیات اوراس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ابوطعمہ اوراس کی قوم اوران کے حمایت کار اور وکلاء صفائی جو ایک مجرم مسلمان کو بچانا اور ایک بے قصور یہودی کو پھنسانا چاہتے تھے نہ صرف یہ کہ مسلمان تھے بلکہ صحابہ کرام کی جماعت کے معزز ارکان تھے۔اس کے بعد سوچنے کی بات یہ ہے کہ ''الصحابة كلهم عدول'' کا نظریہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں کف لسان سے کام لینا چاہیے اگر اس نظریہ میں کوئی صداقت ہوتی تو پھر خدا اس پر خود کیوں نہ عمل کرتا اوران لوگوں کے بارے میں حسن ظن کی پردہ دری کیوں کرتا؟ اوران کا گھناونا کردار پیش کر کے ان کی رسوائی کے اسباب کیوں جمع کرتا؟

۳۔ ان آیت میں بظاہر خطاب حضرت رسول خداؐ کو ہے جیسے ''ولا تکن للخائنین خصیما'' ''استغفر اللہ ولا تجادل عن الذین'' وغیرہ مگر فریقین کے محقق مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد امت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس معاملہ میں انتہائی غلط کردار ادا کیا تھا اور جاہلی دور کی جتھہ بندی اور عصبیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ''المراد بذلك امته علیه السلام'' کہ اس سے آپ کی امت مراد ہے (تفسیر تبیان) فاضل قرطبی لکھتے ہیں ''قیل الخطاب للنبیی والمراد بنو بیرق'' کہا گیا ہے کہ بظاہر خطاب آنحضرتؐ کو ہے مگر اس سے مراد بنی ابیرق ہیں (تفسیر قرطبی) اور اگر اس سے آنحضرتؐ کی ذات والا صفات مراد لی جائے تو پھر اس کا مطلب ہوگا کہ ابوطعمہ کے مسلمان اور دوسرے فریق کے یہودی ہونے کی وجہ سے اور ابوطعمہ کی حمایت میں بڑے شد و مد کے ساتھ بنی ظفر کی حمایت کاری کے سبب سے آنحضرتؐ کے دل و دماغ میں جو ہلکا سا خیال اس کے حق میں فیصلہ کرنے کے متعلق گذرا تھا تو بموجب حسنات الابرار سئیات المقربین۔ آنحضرتؐ کو توبہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے (تفسیر کبیر)

۴۔ ھاانتم۔ پہلی آیتوں میں خطاب بصیغہ مفرد خاص رسول کو تھا مگر اب خطاب بصیغہ جمع کیا جا رہا ہے کہ اب تو تم دنیاوی زندگی میں ان کی جانب سے لڑ جھگڑ لو مگر قیامت کے دن ان کی طرف سے کون لڑے گا؟ یہ اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ اگرچہ پہلے خطاب بظاہر خود رسول سے تھا مگر اس سے مقصود دوسرے لوگوں کی ہی تنبیہ تھی جو ان مجرموں کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ (فصل الخطاب)

۵۔ ومن یعمل سوء۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مقررہ شرائط کے ساتھ صحیح معنوں میں توبہ کی جائے تو اس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور آدمی گناہوں کی نجاست و کثافت سے اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له''

۶۔ من یکسب خطیئۃ۔ مفسرین نے اہل لغت کے کلام کی روشنی میں خطیہ اور اثم میں فرق بیان کیا ہے کہ خطیئۃً عمدی بھی ہوسکتی ہے اور غیر عمدی بھی مگر اثم (گناہ) ہمیشہ عمداً ہوا کرتا ہے اور بہتان ان سب گناہوں سے بڑا گناہ کبیرہ ہے جس کے مرتکب کو خدا نے بے ایمان کہا ہے ارشاد قدرت ہے ''انما یفتری الکذب الذین لا یومنون'' کہ افترا پردازی صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں۔

۷۔ اثماً مبینا۔ قرآنی اصطلاح میں ہر گناہ اپنے ساتھ غداری ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ سے اجتناب کر کے اپنے آپ کو نجات کا مستحق بنایا جائے مگر گناہ گار گناہ

کر کے اپنے آپ کو جہنم کا مستوجب قرار دیتا ہے۔تو یہ اگر اپنے ساتھ غداری نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جو مسلمان کہلا کر چوری خود کرتا ہے اور تہمت کسی غیر مسلم پر لگا تا ہے تو وہ جہاں اپنا غدار ہے وہاں اپنی قوم وملت کا بھی غدار ہے۔ بلکہ دوسروں کی نظر میں اپنی پوری جماعت کے کردار کو داغ دار بنا رہا ہے۔وہ ایک غیر مسلم کو جو بے گناہ تھا آنحضرتؐ سے سزا دلا کر اس کی نگاہ میں آنحضرتؐ کو ایک ظالم حاکم قرار دلوانا چاہتا تھا یہ تو رحمت للعالمین کے ساتھ بھی غداری ہے۔

۸۔ ولولا فضل الله۔ میں خدائے رحمن ورحیم نے کس لطیف پیرائے میں آنحضرتؐ کی عصمت وطہارت کی گواہی دے رہا ہے لوگ لاکھ آپ کو جادہ حق سے منحرف کرنے کا ارادہ اور تحیہ کریں مگر آپ کے پروردگار کا فضل وکرم اور اس کی خاص رحمت (عصمت ربانی) آپ کے ساتھ ہے اور خدا آپ کا دستگیر ہے تو پھر آپ کو کون گمراہ کرسکتا ہے جو ایسا اراداہ کرتا ہے وہ اپنے آپ کو گمراہ کرتا ہے۔آپ کو ہرگز کوئی ضرر وزیاں نہیں پہنچا سکتا۔''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى''

۹۔ لاخیر فی کثیر۔ نجوی کے معنی ہیں ہر قسم کی سرگوشی اور راز ونیاز کی باتیں یا خفیہ اجلاس یہ سب باتیں محض تضیع اوقات ہیں۔ ہاں سرگوشی وہ اچھی ہے اور خفیہ اجلاس وہ مفید ہے جس میں قربۃ الی اللہ کسی حاجت مند کی حاجت برآری یا کسی اچھے پروگرام کی انجام دہی کے بارے میں غور وفکر کیا جائے۔اور پھر اس پر عمل درآمد بھی کیا جائے کیونکہ سب سے بڑی عبادت یہی ہے کہ۔ ع

کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

۱۰۔ من یشاقق الرسول۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس طرح ابوطعمہ پر جاہلیت کا دورہ پڑا تھا کہ اسلام کا قلادہ اتار کر مرتد ہوگیا اسی طرح اگر کوئی کلمہ گو، جو خدا کو خدا اور رسولؐ کو رسولؐ جانتا ہے۔ اس حق وحقیقت کے واضح وآشکار ہوجانے کے بعد کہ حضرت رسول خداؐ جو کچھ کرتے ہیں یا جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ربانی اور ارشاد حقانی کے تحت کرتے اور کہتے ہیں۔ پھر بھی آپ کے فیصلہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف چوں چراں کرتا ہے تو اس کا انجام جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ ع۔ سزائے ایں چنیں دونان بجز دوزخ کجا باشد؟ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے افادات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید چند سطریں پیش کردی جائیں۔ موصوف نے چھ عدد نتائج درج کیے ہیں اور ہم نے دس لکھ دیے ہیں اس لئے ہم ان کے اخذ کردہ نتائج کو گیارہ نمبر سے شروع کرتے ہیں۔ اس طرح ان نتائج کی مجموعی تعداد سولہ ہوجائیگی۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں

''بہرحال ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۱۔مسلمان قاضی کو چاہیئے کہ ہر حال میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان ہےاور دوسرا غیر مسلم ہے مسلمان کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔

۱۲۔ہمیشہ خدا سے مدد مانگتا رہے، کیونکہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ایسا نہ ہو کہ طبیعت کے میلان سے کوئی لغزش ہوجائے۔

۱۳۔قاضی کوایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے کسی فریق کی وکالت کی بوآئے۔

۱۴۔مسلمانوں کونہیں چاہیے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان وقبیلہ سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں اور سازش کر کے جتھا بندی کرلیں۔دنیا کی نگاہیں نہ دیکھتی ہوں لیکن خدا تو دیکھ رہا ہے کہ کون مجرم ہے؟ کون نہیں ہے؟

۱۵۔جو برائی کرتا ہے اس کی برائی اس پر ہے۔پس خیال نہ کرو کہ یہ شخص ہمارا ہم مذہب یا رشتہ دار ہےاس کا جرم ثابت ہوگیا تو ہم پر بھی دھبہ لگ جائے گا۔

۱۶۔خود گناہ کرنا اور اسے دوسرے کے سر دھوپ دینا ایک معصیت کے بعد دوسری معصیت کا ارتکاب ہے۔(ترجمان القرآن)

آیات القرآن

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک اللہ اس جرم کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا (جو کم درجہ کے جرائم ہیں) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو کسی کو اس کا شریک ٹھرائے وہ گمراہ ہوا (اور اس میں) بہت دور نکل گیا۔(۱۱۶) یہ (مشرک) لوگ اللہ کو چھوڑ کر نہیں پکارتے، مگر زنانی چیزوں (دیویوں) کو (ان کی عبادت کرتے ہیں) اور وہ نہیں پکارتے، مگر سرکش شیطان کو (اس کی پرستش کرتے ہیں) (۱۱۷) جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔(۱۱۸) اور انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور میں انہیں مختلف آرزؤوں میں الجھاؤں گا (انہیں سبز باغ دکھاؤنگا) اور انہیں حکم دوں گا کہ وہ ضرور چوپاؤں کے کان شگافتہ کریں گے اور میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ خدا کی خدائی ساخت کو ضرور بدل دیں گے۔ اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے گا وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔(۱۱۹) وہ شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں (جھوٹی) امیدیں دلاتا ہے اور ان سے شیطان وعدہ نہیں کرتا مگر فریب کے طور پر (۱۲۱) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم عنقریب انہیں ان بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھکر کون بات کا سچا ہے (۱۲۲)

تفسیر الآیات

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ...الآیۃ

اس آیت کی مکمل تفسیر اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۶، ۴۸ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ...الآیۃ۱۱۷

اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے پرستار زنانے قسم کی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں

وہ اللہ کو چھوڑ کر نہیں پکارتے، مگر زنانے قسم کی چیزوں کو، یہاں مفسرین نے یدعون کے معنی یعبدون کئے ہیں۔ چونکہ مشرکوں نے اپنے بتوں کے نام زنانے قسم کے رکھے ہوئے تھے جیسے لات، منات، اورعزی وغیرہ اوران کو معبود سمجھ کران کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ نیز وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ چنانچہ خداوند کریم ان کی زجروتوبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے ’’اَفَاَصۡفٰـكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنَاثًا‌ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا۝۴۰‘‘(اسراء آیت۔۴۰)اس لئے وہ بتوں کے نام لڑکیوں کے نام پر رکھتے تھے۔اوران سے مرادفرشتے لیتے تھے۔جنہیں وہ خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھےاورابتداء میں تو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھ کران کی پرستش کرتے تھے۔’’وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی‘‘ پھر رفتہ رفتہ انہی کو خالق ورازق اور معبود برحق سمجھنے لگ گئے۔بعد ازاں خدا فرماتا ہے’’وان یدعون الا شیطاناً مریدا‘‘ کہ یہ دراصل سرکش شیطان کو پکارتے ہیں۔یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں۔جس نے انہیں گمراہ کیا ہے۔حَسَبِ ظاہر تو کوئی بھی شیطان کو معبود سمجھ کر اس کے سامنے مراسم بندگی نہیں بجالاتا اور اس کی عبادت نہیں کرتا تو پھر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس عبادت سے شیطان کی اسطرح اطاعت مطلقہ کرنا مراد ہے کہ جدھر وہ اپنے مطیع کی باگیں پھیرے یہ ادھر پھرتا جائے۔گویا شیطان اس کا معبود ہے اور یہ اس کا عبد اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی اندھی اتباع کرنے اور بلاچوں وچرا اس اطاعت کرنے کا نام عبادت ہے۔اب اگر وہ مطاع ومقتدا حکم خدا کے مطابق حکم دیتا ہے تو مطیع ومنقاد بندہ خدا کی عبادت کرتا ہے یا شیطان کے احکام کے مطابق حکم دیتا ہے تو پھر یہ اطاعت گذار بھی شیطان کا عبادت گذار ہے

لَاَتَّخِذَنَّ...الآیۃ

جب شیطان خدا کے بنائے ہوئے خلیفۃ اللہ کی بڑائی وبرتری کا انکار اور اپنی کبریائی وبڑائی کا اظہار کر کے نیز حکم خدا کے بالمقابل اپنی رائے اور قیاس پیش کرنے کی وجہ سے راندہ بارگاہ ہوا تو اس نے زبان حال ومقال سے خداوند عالم کی بارگاہ میں چند دعوے کئے تھے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ...الآیۃ۱۱۹

میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصہ لوں گا۔اور انہیں گمراہ کروں گا یعنی اس نے کہا’’لاغوینھم

اجمعین ''میں سب کو گمراہ کروں گا۔ ارشاد قدرت ہوا''ان عبادی لیس لك علیهم سلطان ''جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیری کوئی دسترس نہیں ہوگی۔ اور یہ بات اب شیطان نے بھی تسلیم کرلی کہ ''الا عبادك منهم المخلصین '' کہ ہاں تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی سب کو گمراہ کروں گا۔ ارشاد قدرت ہے ''لاملئن جهنم منك وممن تبعك ''میں بھی جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھروں گا۔

شیطان کا بندوں سے کس قدر حصہ ہے؟

حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا! ''من بنی آدم تسعة وتسعون فی النار وواحد فی الجنة ''اولاد آدمؑ میں سے ننانوے جہنم میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں جائے گا اور دوسری روایت میں وارد ہے ''من کل الف واحد لله وسائر هم للنار ولابلیس ''ہزار میں سے ایک اللہ کے حصہ کا ہوگا اور باقی سب (۹۹۹) جہنم اور شیطان کے حصہ کے ہوں گے (مجمع البیان)۔ ارشاد قدرت ہے ''ولقد صدق علیهم ظنه فاتبعوه الا فریقا من المومنین ''شیطان نے جو کہا تھا اسے سچ کردکھایا اس لئے چند اہل ایمان کے سوا باقی سب نے اس کی پیروی کرلی۔

وَلَاُمَنِّيَنَّهُم ...الآية

میں انہیں لمبی امیدوں میں الجھاؤں گا اور انہیں سبز باغ دکھاؤنگا۔ امنیۃ جس کی جمع امانی ہے جھوٹی امید کو کہا جاتا ہے ہر انسان مختلف، متنوع اور متعدد آرزوؤں کا مجموعہ ہے۔ ع۔ ہزاروں خواہشیں ایسی تھیں کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ شیطان ہر شخص کے سامنے اس کی طبیعت کی افتاد اور اسکے مزاج کے مطابق جھوٹی خواہشات کے تاج محل تعمیر کرتا ہے اور پھر انہیں آرزوؤں کے زرتار جالوں میں اسے پھنساتا ہے اور غلط توقعات اور توہمات میں گرفتار کر کے اسے یاد خدا منانے اور فرائض الٰہیہ بجالانے سے غافل کرتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ''اما اتباع الهوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرة ''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دو چیزوں کا ہے۔ ایک خواہش نفس کی پیروی اور دوسری لمبی امید۔ فرمایا جہاں تک خواہش نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو حق سے روکتی ہے اور جہاں تک لمبی امید کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو آخرت بھلادیتی ہے (نہج البلاغہ)

الغرض شیطان کے کاروبار اور اس کے بازار کی رونق کا دارومدار اور اس کی وقتی کامیابی کا انحصار نہ اس کے جھوٹے وعدوں کے کبھی پوری نہ ہونیوالی امیدوں اور سبز باغوں پر ہے ''ومایعدهم الشیطان الا

غرورا''

وَلَاٰمُرَنَّھُمۡ...الآیۃ

میں انہیں حکم مردوں گا کہ وہ جانوروں کے کان شگافتہ کریں گے عربوں کے توہمات اور بعض بدعات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ انہوں نے بعض حلال جانوروں کو مقدس سمجھتے ہوئے حرام قرار دے دیا تھا۔یعنی جب کوئی اونٹنی پانچ یا دس بچے جن لیتی یا اس اونٹ کے مادہ منویہ سے پانچ یا دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے مقدس سمجھ کر (دیوتاؤں) کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس سے کام لینا حرام سمجھا جاتا تھا۔اور علامت کے طور پر اس کا کان شگافتہ کر دیا جاتا تھا۔

وَلَاٰمُرَنَّھُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ...الآیۃ

میں انہیں حکم دوں گا اور وہ اللہ کی پیدائشی ساخت میں ردوبدل کریں گے؟اس سے کیا مراد ہے؟بعض مفسرین نے اس سے عام چیزوں کی پیدائش ساخت میں ردوبدل کرنا مراد لیا ہے۔بظاہر یہ مفہوم درست معلوم نہیں ہوتا ورنہ تمام انسانی تہذیب ہی اغواء ابلیس کی کارستانی نظر آئیگی۔کیونکہ تہذیب تو نام ہی انہی تصرفات کا ہے جو ایک صناع خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی بناوٹ میں کرتا ہے۔بعض نے اس سے جانوروں کے کان کاٹنا، کسی مرد کو خصی کرنا اور اسے خواجہ سرا بنانا،عورتوں کو بانجھ بنانا اور ان کی انوثیت کو بگاڑ کر انہیں مردوں کے مشابہ بنانا،مردوں کا ڈاڑھی منڈوا کر اپنے کو عورتوں جیسا اور عورتوں کو بال کٹوا کر اپنے کو مردوں کے مشابہ بنانا وغیرہ مراد لیا ہے اور اسے تبغیر خلق اللہ کا مصداق قرار دیا ہے۔جیسا کہ شیطان کے چیلے چانٹے آج کر رہے ہیں اور بعض نے اس سے کسی چیز کا اس کے مقصد خلقت کے خلاف کسی اور مصرف میں صرف کرنا مراد لیا ہے۔جیسے قوم لوط، ضبط ولادت،رہبانیت یا سورج، دریا اور پتھر وغیرہ اشیاء جو انسان کے نفع اندوز ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ان کو اپنا معبود بنانا اور دین اسلام کا مقدس حلیہ بگاڑ نا مراد لیا ہے۔اور یہی تفسیر حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے (عیاشی،تبیان صافی،برہان)

جس کی تائید مزید اس ارشاد قدرت سے بھی ہوتی ہے''فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ''بعید نہیں ہے کہ اس تبغیر خلق اللہ کو اس عمومی معنی پر محمول کیا جائے جس میں یہ سب مفاہیم داخل ہو جائیں۔(تفسیر صافی)

پس جو شخص شیطان کو اپنا ولی و سرپرست بنائے گا وہ کھلا ہوا گھاٹا اٹھائے گا اور انجام کار سیدھا جہنم میں جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآية

قبل ازیں کئی بار اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں جو کہ دین فطرت ہے نجات دارین اور فلاح کونین کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے اور اس حقیقت کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے۔ جس نے قرآن وحدیث کو پڑھا نہیں ہے اور اگر پڑھا ہے تو پھر انہیں سمجھا نہیں ہے۔

آیات القرآن

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو) نہ تمہاری تمناؤں سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو بھی برائی کریگا۔ اس کو اس کی سزا دی جائیگی۔ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی سرپرست پائے گا

اور نہ کوئی حامی و مددگار (۱۲۳) اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت درآنحالیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۱۲۴) اور اس شخص سے بڑھکر کس کا دین اچھا ہوگا۔ جو اللہ کے لئے اپنا چہرہ جھکا دے (اپنے کو اللہ کے سپرد کردے) اور وہ احسان کرنیوالا ہو اور اس ابراہیم حنیف کی ملت کا پیرو ہو جسے اللہ نے اپنا خلیل بنایا تھا (۱۲۵) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے (۱۲۶) اے رسول! لوگ عورتوں کے معاملہ میں آپ سے فتوی طلب کرتے ہیں کہ دیجئے! کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہے اور متوجہ کرتا ہے ان آیات کی طرف جو کلام الٰہی کے اندر ہیں اور تمہیں ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھ کر سنائی جارہی ہیں۔ جن کا تم مقررہ حق تو ادا نہیں کرتے مگر چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو۔ اور متوجہ کرتا ہے ان (آیات) کی طرف جو ان کمزور و بے بس لڑکوں کے بارے میں ہیں اور جو (آیات) اس بارے میں ہیں کہ یتیم بچوں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کروگے تو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے (۱۲۷)

تفسیر الآیات

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ ...الآية

جاگیر جنت صرف امید و خواہش پر نہیں ملتی بلکہ ایمان و عمل پر ملتی ہے

''امانی، امنیه'' کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں جھوٹی امید۔ تمام ادیان عالم سے تعلق رکھنے والے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ صرف اور صرف وہی جنت الفردوس کے حقدار اور اس میں جانے کے روادار ہیں، یہود کہتے ہیں جنت میں وہ جائے گا، جو یہودی ہوگا، نصاری یہ کہتے ہیں جنت میں وہ جائے گا جو نصرانی ہوگا ''لن يدخل الجنة الا من كان هودا او نصارى'' ان کے بالمقابل یہود اور مجوس اپنے جنتی ہونے کا ناقوس بجا رہے ہیں اور مسلمان اپنے جنتی ہونے کا الگ ناد پھونک رہے ہیں سچ ہے کہ ''كل حزب بما لديهم فرحون'' خداوند عالم سب خواب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کی خاطر اعلان کررہا ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی سن لو اور اے اہل کتاب! تم بھی کان کھول کر سن لو کہ جنت صرف امیدوں پر اور

خواہشوں پر نہیں ملے گی کہ جو اس کی خواہش کرے وہ اس میں داخل ہو جائے یہ تمہارے خیالات خام ہیں حقیقت حال اس طرح نہیں ہے بلکہ جنت اسے ملے گی جس کا دامن ایمان اور نیک کام کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ لہٰذا جو برائی کرے گا وہ ضرور اس کی سزا پائے گا۔ اور جو کوئی مرد ہو یا زن جو بھی اچھے عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ بشرطیکہ اس میں ایمان ہو کیونکہ نیک عمل کی قبولیت کی بنیادی شرط بلکہ شرط اولین ہی ایمان ہے جس کے بغیر عمل ایک ایسا بدن ہے جس میں روح نہ ہو یا ایک ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ بلکہ سرزمین عمل کے بیج کا نام ہی ایمان ہے۔ جس کے بغیر کاشت کا سب ساز و سامان از قسم ہل چلانا، آبپاشی کرنا اور نگرانی کرنا محض بے کار ہے۔ بلکہ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ کوئی بھی عمل صالح اس وقت تک عمل صالح کہلا ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے پیچھے ایمان کا جذبہ کار فرما نہ ہو، کیونکہ ایمان ہی وہ طاقت ہے جو ہر کام و اقدام کا رخ خالق دو جہاں کی طرف پھیرتی ہے اور ایک صاحب ایمان مالک کون و مکان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لئے کام کرتا ہے۔ ورنہ اگر قوت ایمان نہ ہو تو عمل کے کئی اور بھی سفلی جذبے محرک ہو سکتے ہیں۔ جیسے عزت، شہرت اور کوئی دنیوی منفعت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ جس کام کے محرک یہ سفلی جذبات واحساسات ہوں وہ عمل صالح کہلائے جانے کا سزاوار نہیں ہے۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ یہ مرد اور عورت کی تعمیم کے اظہار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اسلام سے پہلے عورت کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہ جو چاہے کرے اسے بہشت سے کیا تعلق! اسلام نے اس نظریہ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا، ایمان و نیک کام کی ذمہ داری مرد و عورت پر مشترکہ طور پر عائد ہوتی ہے۔ اور اس کار خیر کا جوصلہ ہے یعنی بہشت وہ بھی دونوں پر مشترک ہے اور ان دونوں میں تل بھر ظلم نہ ہوگا۔ الغرض سابقہ آیت میں برے کام کرنے پر سزا اور اس آیت میں نیک کام کرنے پر جزا کا اعلان ایک بندہ مومن کیلئے رجاء و خوف کی ملی جلی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو جوہر ایمان بھی ہے اور بندہ مومن کی پہچان بھی ہے۔

تنبیہ

شیطان کی سب سے بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو طرح طرح کی امیدوں میں مبتلا رکھتا ہے تاکہ انسان حقیقت و عمل کی جگہ محض باطل آرزوؤں کا بندہ بنا رہے اور وہ سعادت دارین کے حصول کے لئے ایمان و عمل کی راہ اختیار نہ کرے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ...الآیۃ۱۲۵

اس شخص سے بڑھ کر کس کا دین اچھا ہوگا جو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردے؟ اور اس کے آگے سر تسلیم خم کردے اور وہ احسان کرنے والا بھی ہو اور جناب ابراہیم کی پیروی کرنے اور خودسری اور خودمختاری چھوڑ دے اور خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کو اپنا شیوہ و شعار بنائے

احسان کے مفہوم کی وضاحت

محسن اور نیکوکار اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو نیکیوں کو بجالائے اور برائیوں سے اپنے دامن کو بچائے اور اس کے ایک دوسرے معنی بھی حضرت رسول خداؐ سے منقول ہیں وہ یہ ہیں ''ان تعبد الله كانك تراه وان لم تراه فانه يراك'' تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو پھر یقین رکھ کہ وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے (مجمع البیان) اور وہ جناب ابراہیم حنیفؑ جن کو خدا نے اپنا خلیل بنایا کی ملت اور ان کے طریقہ پر جو کہ دین اسلام ہے پر چلنے والا ہو اپنے خودساختہ طریقہ کار پر عمل کرنے والا نہ ہو۔

حنیف کے مفہوم کی وضاحت

لفظ حنیف کی قبل ازیں سورہ بقرہ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ حنیف اسے کہا جاتا ہے جو تمام ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر خدا کے دین حق یعنی صراط مستقیم پر قائم ہو (مجمع البیان، تفسیر جلالین)

جناب ابراہیمؑ کے خلیل خدا ہونے کا مفہوم؟

خلیل جو خلت سے مشتق ہے اس خالص و مخلص محب و محبوب کو کہا جاتا ہے جس کی محبت ہر قسم کی آلائش ونقائص سے پاک وصاف ہو۔ کیونکہ خلۃ اس خالص اور گہری محبت کو کہا جاتا ہے جو انسانی جسم و جان میں رچ بس جائے اگر چہ ہر بندہ مومن خدا کا دوست ہوتا ہے مگر سب انبیاء و مرسلین تو اس کے خالص دوست تھے لیکن خدا نے ابراہیمؑ کو خصوصی طور پر اپنا خلیل ہونے کا لقب عطا فرمایا ہے۔ جو یقیناً ان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

جناب ابراہیمؑ کے خلیل خدا ہونے کا سبب کیا تھا؟

اس سلسلہ میں کئی مختلف اخبار و آثار کے اندر مختلف علل واسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ا۔ آپ بڑے مہمان نواز اور مسکین پرور تھے اگر کبھی دسترخوان پر کوئی مہمان نہ آتا تو اسے ڈھونڈ کر لاتے تھے۔ اللہ کو ان کی یہ

ادا پسند آئی اور انہیں اس معزز لقب سے نوازا (مجمع البیان)

۲۔ خدا کے وہ بڑے اطاعت گزار اور اخلاص شعار تھے

۳۔ اللہ کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے میں بہت جلدی کرتے تھے (ایضاً)

۴۔ حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے کہ خلیل (خلہ بفتح الخاء) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی فقر و حاجت کے ہیں یعنی آپ اس طرح اللہ کے محتاج تھے کہ کبھی اللہ کے سوا کسی سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ جب ان کو آتش نمرودی میں جھونکا جارہا تھا اور جبرئیل نے اپنے خدمات کی پیشکش کی تھی، تو جناب ابراہیمؑ نے یہ کہہ کر آپ کی پیشکش ٹھکرادی تھی کہ ''اما الیك فلا'' محتاج ضرور ہوں مگر تمہارا نہیں (جس کا محتاج ہوں وہ خود دیکھ رہا ہے) ان کے اسی اعتماد و توکل کی بنا پر خدا نے آگ کو حکم دیا تھا کہ ''کونی بردا'' (احتجاج طبرسی)

۵۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ خدا نے آپ کو اس لئے خلیل بنایا تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ لوٹایا نہیں تھا اور خود کبھی اللہ کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا نہیں تھا۔ (عیون الاخبار)

۶۔ نیز انہی جنابؑ سے مروی ہے کہ خدا نے آپ کو زمین پر بکثرت سجدہ کرنے کی وجہ سے اس اعزاز سے معزز فرمایا تھا (علل الشرائع)

۷۔ حضرت امام علی نقیؑ سے مروی ہے کہ خدا نے ان کو سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر بکثرت دورد پڑھنے کی وجہ سے اس ممتاز لقب سے ملقب فرمایا تھا (تفسیر صافی)

۸۔ حضرت رسولؐ سے مروی ہے فرمایا ان کے مہمانوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے اس وقت نماز پڑھنے کی وجہ سے خدا نے ان کو اس لقب جلیل سے نوازا تھا (ایضاً)

واضح رہے کہ ان علل و اسباب میں کوئی باہمی منافات نہیں لہٰذا عین ممکن ہے کہ ان تمام وجوہ و اسباب کی وجہ سے خداوند عالم نے جناب ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا ہو۔ وما ذلك علی اللہ بعزیز۔ امامؑ سے مروی ہے فرمایا

''ان اللہ اتخذ ابراھیم عبدا قبل ان یتخذہ نبیا و ان اللہ اتخذہ نبیا قبل ان یتخذ رسولا و ان اللہ اتخذ رسولا قبل ان یتخذ خلیلا و ان اللہ اتخذ خلیلا قبل ان یتخذہ اماما'' (اصول کافی)

خدا نے جناب ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے عبد خاص بنایا، رسول بنانے سے پہلے نبی بنایا، خلیل بنانے سے پہلے رسول بنایا اور امام بنانے سے پہلے خلیل بنایا

وَلِلّٰهِ مَا ...الآیۃ ۱۲۶

مطلب واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد نہ کرے اور خودسری اور خودمختاری سے باز نہ آئے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا وہ خدا کا تو کچھ بھی نقصان وزیاں نہیں کرسکتا۔ وہ تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کا مالک ومختار ہے اور ہر چیز پر محیط ہے لہٰذا یہ سرکش اس کی گرفت سے بچ کر کہاں جائے گا؟ لانہ الا مفر منہ ولا مھرب!

یَسۡتَفۡتُوۡنَكَ فِی النِّسَآءِ...الآیۃ ۱۲۷

اسلام سے پہلے اور اوائل اسلام میں بھی عام عرب عام عورتوں اور یتیم بچیوں اور بچوں کے ساتھ بہت ہی برا اور انسانیت سوز سلوک کیا کرتے تھے نہ انہیں میراث میں سے کوئی حصہ دیتے اور حتی الامکان نہ ان سے شادی کرتے اور نہ ہی انہیں اپنے عقد ازدواج کے بارے میں کچھ اختیار دیتے اور اگر ان کے حسن وجمال یا ان کے مال ومنال کی وجہ سے ان سے نکاح کر بھی لیتے تو پھر ان کے حقوق کما حقہ ادا نہیں کرتے تھے اور یونہی ان کے مال وجمال سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور اگر بدصورت ہوتیں تو پھر نہ خود ان سے نکاح کرتے اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیتے۔ اسلام نے اس معاملہ میں بڑی مفید اور دوررس اصلاحات کی ہیں جن کا فی الجملہ تذکرہ اسی سورہ کے آغاز میں ہو چکا ہے۔ جیسے "واتوا الیتمی اموالھم" یتیموں کو ان کا مال دو۔ "ولا تاکلوا اموالھم" اور ان کا مال اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ اور اپنے ردی مال کو ان کے عمدہ مال سے نہ بدلو۔ "وان خفتم الا تقسطوا" اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم بچیوں کے معاملہ میں انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو۔ "واتوا النساء صدقاتھن نحلۃ" اور اپنی عورتوں کے حق مہر خوشی خوشی ادا کرو۔ وغیرہ وغیرہ اور بعض اصلاحات کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔

گویا یہ آیات ان سابقہ آیتوں کا تتمہ ہیں۔ انہی حقوق واصلاحات کے بارے میں لوگ مختلف سوالات کرتے تھے مگر یہاں سوال کی تصریح نہیں کی گئی۔ کہ لوگوں نے کیا سوال کیا؟ ہاں البتہ جواب سے فی الجملہ سوال کی نوعیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ بہر حال نئے سوال وجواب سے پہلے ایک بار پھر پروردگار عالم مسلمانوں کو ان احکام خداوندی کی پابندی کرنے کی تاکید کر رہا ہے جو اس نے یتیم لڑکیوں اور لڑکوں کے بارے میں اس سورہ کی ابتداء میں بیان کئے ہیں۔ اور ان حقوق کی ادائیگی میں سہل انگیزی سے کام نہ لینے کا حکم دے رہا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ خالق کون ومکاں کی نگاہ اقدس میں یتیموں کے حقوق کا مسئلہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور ان کے حقوق پائمال کرنے کے نتائج کس قدر سنگین ہو سکتے ہیں؟ خلاصہ کلام یہ کہ خدائے علیم وحکیم ان حقوق کے

پائمال کرنے والوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم جوان یتیم بچیوں کا وہ حق مہر جو مقرر کیا گیا ہے وہ تو دیتے نہیں ہو؟ اور چاہتے یہ ہو کہ ان سے نکاح کرلو۔ اور زر مہر اور نان و نفقہ ادا کئے بغیر ان کے مال و جمال سے فائدہ اٹھاؤ۔ خبردار کمزور اور بے بس بچوں کے بارے میں عدل و انصاف پر قائم رہو۔ اور یاد رکھو کہ تم جو بھی بھلائی کرتے ہو۔ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ لہٰذا وہ ضرور تمہیں اس کا پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ ''فان الله لا يضيع اجر المحسنين'' مخفی نہ رہے کہ آیت نمبر ۱۲۷ میں جو ''ترغبون ان تنكحوهن'' آیا ہے اس کے معنی میں مفسرین نے فی الجملہ اختلاف کیا ہے کہ آیا اس کے معنی یہ ہیں کہ تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرو یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے؟ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''رغب'' عربی میں اضداد میں سے ہے۔ اگر اس کا صلہ ''في'' کیساتھ ہو جیسے ''رغب فيه'' تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز میں رغبت کرنا اور اگر اس کا صلہ ''عن'' کے ساتھ ہو جیسے ''رغب عنه'' تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز سے روگردانی کرنا۔ یہاں نہ فی ہے اور نہ عن اسلئے اختلاف رونما ہوا ہے والا ول اوفق۔ اسی لئے ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ والله الموفق۔

آیات القرآن

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا

حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر کوئی عورت اپنی شوہر سے حق تلفی یا بے توجہی محسوس کرے تو ان دونوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ(کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر) آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہر حال بہتر ہے اور نفوس میں بخل موجود رہتا ہے(تنگ دلی پر آمادہ رہتے ہیں) اور اگر تم بھلائی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تمہارے اس طرز عمل سے باخبر ہے(۱۲۸) یہ ٹھیک ہے کہ تم جس قدر چاہو مگر بیویوں میں پورا پورا عدل نہیں کر سکتے۔ مگر بالکل تو ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ (دوسری کو) بیچوں بیچ لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور تقویٰ اختیار کرو تو خدا بڑا بخشنے والا ، بڑا مہربان ہے(۱۲۹) اور اگر دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل و کرم کی وسعت سے بے نیاز کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا بڑا حکمت والا ہے(۱۳۰) اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور ہم نے ان لوگوں کو بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تمہیں بھی ہدایت کی ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے اللہ بڑا بے نیاز ہے حمد و ثناء کا حقدار ہے(۱۳۱) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کا ہے اور اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے(۱۳۲) اے لوگو! اگر وہ چاہے ،تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے)اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے(۱۳۳) جو شخص صرف دنیاوی صلہ وثواب کا طلبگار ہو(تو اس کی مرضی ورنہ) اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا صلہ وثواب ہے اور اللہ بڑا سننے والا بڑا دیکھنے والا ہے(۱۳۴)۔

تفسیر الآیات

وَاِنِ امۡرَاَةٌ...الآیۃ۱۲۷

ناشزہ کا لفظ عموماً اس عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے شوہر کے واجبی حقوق ادا نہ کرے۔اس سے وہ ناشزہ (نافرمان) قرار پاتی ہے اور پھر شوہر سے نان ونفقہ حاصل کرنے کی حقدار نہیں رہتی مگر قرآن نے شوہر کے لئے ''نشوز'' کا لفظ استعمال کرکے یہ بات واضح کی ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے واجبی حقوق از قسم نان ونفقہ اور ازدواجی تعلقات وغیرہ ادا نہ کرے تو وہ بھی ''ناشز'' قرار پاتا ہے۔

''فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما'' ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آپس میں صلح کرلیں اس حکم میں ''فلا جناح'' کی وہی حیثیت ہے جو ''فلا جناح ان یطوف بھما'' ''لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوۃ'' میں ہے کہ جو حج بیت اللہ کرے،اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان سات چکر لگائے'' جبکہ یہ طواف (سعی) واجب ہے اور مسافر کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ نماز قصر کرے۔حالانکہ قصر کرنا واجب ہے۔تو بالکل اسی طرح اگر میاں بیوی میں نزاع ہوجائے اور شوہر سے حق تلفی وبے اتفاقی کا اندیشہ دامن گیر ہوجائے،تو ان کے لئے صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کی بنا پر باہمی صلح وصفائی کرنا واجب ہے کیونکہ بموجب ارشاد قدرت ''الصلح خیر''۔صلح بہر حال بہتر ہے۔کیونکہ۔ ع

درعفو لذتے است کہ در انتقام نیست

اس آیت کی تفسیر حضرت امام رضاؑ سے یوں مروی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور جب عورت کو اس کا علم ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تو مجھے طلاق نہ دے اور مجھے شریکوں کی شماتت سے بچا اور اس کے عوض میں تجھے اپنے حقوق معاف کرتی ہوں اگر اس قسم کے شرائط پر میاں بیوی صلح کرلیں تو یہ جائز ہے (تفسیر عیاشی، برہان وغیرہ)

وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ...الآیۃ۱۲۷

شح کا مفہوم

حرص وآز تمام نفوس کے سامنے ہمیشہ حاضر رہتا ہے۔وہ حرص ولالچ جس میں بخل کی بھی آمیزش ہو

اسے عربی زبان میں ''شح'' کہا جاتا ہے۔لہٰذا یہ وہ صفت رذیلہ ہے جس میں بخل اور حرص ہر دو کی رذالتیں یکجا جمع ہیں۔بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا وسزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں اسلئے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔بخل کا انجام جہنم ہے بنابریں ظاہر ہے کہ جو شح کی پیروی کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔''ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون'' اور جو شخص اپنے نفس کے حرص و بخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔یہاں متعلقہ مسئلہ میں ''شح'' سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی بھی خود غرض اور مفاد پرستی سے خالی نہیں ہے اور کوئی فریق بھی اپنے فائدہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔یہ اپنا فائدہ تلاش کرتا ہے وہ اپنا نہ بیوی اپنا حق معاف کرنے پر آمادہ ہے اور نہ شوہر اسے رکھنے اور اس کے حقوق ادا رکرنے پر تیار۔مگر مصالحت جہاں کچھ لینا پڑتا ہے۔وہاں کچھ دینا بھی پڑتا ہے۔چنانچہ صلح ہمیشہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ہوتی ہے۔لہٰذا جب کچھ حقوق بیوی چھوڑ دے گی اور کچھ حقوق شوہر ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے گا تو مصالحت کی کوئی سبیل پیدا ہو جائیگی۔اور جب خاوند حسن سلوک کا مظاہرہ کرے گا اور پرہیزگاری اختیار کرے گا، تو یقیناً اصلاح احوال ہو جائیگی۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡٓا...الآية ۱۲۹

عدل کی دو قسمیں ہیں ایک ممکن ہے اور دوسری ناممکن

قدیم الایام سے مخالفین اسلام یہاں یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس سورہ کے آغاز میں خدا فرماتا ہے کہ تم بے شک دو دو تین تین اور چار چار پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرو۔بشرطیکہ ان میں عدل کرو۔اور اگر اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کرو گے تو پھر ایک بیوی پر اکتفا کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر عدل کر سکتے ہیں مگر یہاں اللہ کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ خاوند جس قدر حرص کریں وہ عدل کر سکتے ہی نہیں ہیں۔اس طرح قرآن میں اختلاف ہو جائے گا حالانکہ خداوند نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل ہی یہ پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے ''ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا'' تو اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں۔ایک ممکن اور دوسری ناممکن اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو اس کے لئے ایک عدل تو ممکن ہے اور وہ ہے ازدواجی حقوق کی مساوی طور پر ادائیگی جیسے راتوں کی تقسیم، نان ونفقہ کی ادائیگی اور اس میں بھی مساوات و یکسانیت کہ روٹی ایک ہی قسم کی ہو اور کپڑا بھی ایک ہی قسم کا۔یہی وہ عدل ہے جو ایک سے زائد عقد وازدواج کے جواز کے لئے ضروری ہے اور یہ ممکن ہے اور وہ عدل جو ناممکن ہے وہ

ہے قلبی محبت اور دلی لگاؤ میں یکسانی۔ جو بیویوں کی عقل وشکل، سیرت وصورت، صحت ومرض، عمل وکردار اور روش ورفتار کے اختلاف وتفاوت کی وجہ سے قلبی میلان اور طبعی رجحان کا اختلاف تو ایک فطری چیز ہے۔ کہ ایک طرف رغبت زیادہ ہوگی اور دوسری طرف کم۔ جس پر کسی طرح بھی قابو نہیں پایا جاسکتا۔ خالق فطرت نے یہاں اسی فطری تفاوت کا تذکرہ کیا ہے کہ اگرچہ تم بڑی خواہش بھی کرو۔ مگر تم اس قسم کا عدل نہیں کرسکتے پس یہ عدل ممکن نہیں ہے تو پھر یہ شرعاً واجب بھی نہیں ہے بنا بریں بعض تجدد پسند لوگوں کا پہلی آیت کے حکم کے ڈانڈے اس آیت سے ملانا اور یہ کہنا کہ تعدد ازدواج کا جواز عدل سے مشروط ہے اور عدل ناممکن ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پس اسلام میں تعدد ازواج جائز نہیں ہے۔ یہ استنتاج واستنباط بالکل غلط ہے بلکہ یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ جو عدل تعدد ازواج کے لئے لازمی ہے وہ اور ہے اور وہ ممکن ہے اور جو عدل ناممکن ہے وہ اور ہے اور یہ تعدد ازواج کی شرط نہیں ہے۔ بہر حال خداوند حکیم یہاں یہ حکم دے رہا ہے کہ قلبی محبت اور دلی لگاؤ میں یکسانی تو تمہارے لئے ممکن نہیں ہے تو پھر ایسا تو نہ کرو۔ کہ بالکل ایک طرف یعنی پسندیدہ بیوی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری یعنی ناپسندیدہ کو درمیان میں لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اور اس کے ظاہری حقوق زوجیت اس طرح پائمال کردو کہ وہ یوں معلق ہوکر رہ جائے کہ اپنے کو شوہر دار محسوس کرے اور نہ غیر شوہر دار؟ یہی وہ تفسیر ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابوجعفر احول (مومن طاق) کے سوال پر بیان فرمائی ہے۔ جب کہ ابوجعفر کے سامنے ایک دھریہ نے ان دو آیتوں کو پیش کر کے تضاد کا الزام لگایا تھا۔ اور امام نے اس طرح اس کا ازالہ فرمایا تھا۔ (تفسیر قمی ومجمع البیان)

مروی ہے کہ حضرت امیرؑ کی دو بیویاں تھیں جس دن ایک بیوی کی باری ہوتی تھی تو آپ دوسری کے گھر میں وضو بھی نہیں کرتے تھے (مجمع البیان)

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا...الآية

اس آیت میں خدائے رحیم وکریم باہمی نزاع کرنے والے میاں بیوی کو تسلی دے رہا ہے کہ اگر صلح وصفائی کی ہر کوشش وکاوش ناکام ہوجائے اور اب طلاق وجدائی کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آئے۔ تو پھر وہ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ وہ قادر مطلق ایسے حالات واسباب پیدا فرمادے گا کہ دونوں مطمئن ہوجائیں گے۔ خاوند کو اپنی پسند کی بیوی مل جائیگی اور بیوی کو اپنی پسند کا خاوند مل جائے گا۔ جس سے دونوں کی زندگی خوشگوار ہوجائیگی۔ اور سابقہ زحمت وکلفت دور وکافور ہوجائیگی۔ وما ذالك على الله بعزيز۔ کیونکہ وہ بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے اور آسمان وزمین کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ ذلک اللہ رب العالمین۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ...الآیۃ ۱۳۰

تمام انبیاء ومرسلین کی تعلیمات کا حاصل تقویٰ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم اس حقیقت کا اظہار کررہا ہے کہ اس نے مختلف ادوار واعصار میں مختلف انبیاء ومرسلین پر جو کتابیں نازل فرمائیں ان میں بھی تمام امتوں کوتقویٰ وخدا ترسی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنا بریں یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر ہم تمام انبیاء ومرسلین کی تعلیمات کا بالعموم اور سرکار خاتم النبین کی تمام تعلیمات کا بالخصوص خلاصہ صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو ہم اس کوتقویٰ سے ادا کرسکتے ہیں۔ اسلام کی ہر تعلیم اور اس کی ہر عبادت اور اس کے ہر امر ونہی کا مقصد اقصیٰ لوگوں میں تقویٰ کی روح کو بیدار کرنا ہے پورے دین کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ اگر آدمی کے اندر خوف وخشیت الٰہی پیدا ہوجائے تو اس سے ظاہر وباطن کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ کیونکہ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو ہمیشہ خدا کے حاضر وناظر اور قادر ہونے پر یقین پیدا کرکے دل میں خیر وشر کی تمیز اور پھر خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کردیتی ہے اور اس کی ظاہری پہچان یہ ہے کہ واجبات کو ادا کیا جائے اور محرمات سے اجتناب کیا جائے الغرض تقویٰ آدمی کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور سارے عبادات کی جان ہے اور دینداری کی روح رواں ہے۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا...الآیۃ ۱۳۰

مطلب یہ ہے کہ اس تقویٰ وخدا ترسی اختیار کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ خدا کا کوئی مفاد نہیں ہے اور اگر تم تقویٰ وبندگی کی بجائے کفر اختیار کرو تو خدا کا کیا بگاڑ لوگے؟ وہ تو مطلق بے نیاز ہے وہ تمہارے ایمان وعمل کا محتاج نہیں ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ...الآیۃ ۱۳۳

آئین قدرت ہے کہ وہ نافرمان قوموں کو ہٹا کر فرماں بردار قوموں کو لاتا ہے

خداوند عالم جہاں قادر وقدیر ہے وہاں عالم وخبیر بھی ہے۔ وہ جو کام بھی اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے وہ حکمت ومصلحت کے تحت کرتا ہے وہ نہ بلاوجہ کچھ بناتا ہے اور نہ بلاسبب کچھ بگاڑتا ہے اس نے اپنی حکمت بالغہ

سے اس عالم کی ہر ہر چیز کو علل واسباب کی مختلف کڑیوں کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔ انہی علل واسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو قوم خدا کی اطاعت کرتی ہے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی ہے اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارتی ہے وہ اسے عزت وعظمت اور بقائے دوام کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے اور جو قوم اس کی اطاعت سے سرتابی کرتی ہے کفران نعمت کرتی ہے اور شیطانی احکام کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے آخر کار خدا اسے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ اور اس کی جگہ کسی اچھی قوم کو لا کھڑا کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے کئی امتوں کے ساتھ ایسا سلوک کر چکا ہے جنہوں نے بغاوت وسرکشی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بنابریں خداوند جبار اس آیت میں عام لوگوں کو دھمکی دے رہا ہے کہ اگر تم نے دین چھوڑ دیا تو کیا دین ختم ہو جائے گا؟ تم نے اس کی اطاعت نہ کی تو کیا اس کی شان گھٹ جائیگی؟ یا اگر تم نہ رہے تو دنیا کی چمک ودمک اور اس کی رونق ختم ہو جائیگی؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اگر تم نے دین کا دامن تھاما خدا ورسول کی اطاعت کی تو اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر اس اصول کی خلاف ورزی کی تو پھر کیا ہوگا؟ خدائے جبار وقہار تمہیں ہٹا کر اور تمہیں مٹا کر کسی دوسری قوم کو لائے گا اور اسے سربلندی اور کرامت کی نعمت سے سرفراز کریگا۔ وکان اللہ علی ذلک قدیرا۔

مَن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا ...الآية

دعا واستدعا کرنے والوں کے مختلف اقسام؟

قبل ازیں ربنا آتنا کی تفسیر میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دعا واستدعا کرنے والے لوگ مختلف ہوتے ہیں اور اپنے ظرف کی وسعت اور نگاہ کی بلندی یا اپنی کم ظرفی وکوتاہ نظری کے مطابق سوال کرتے ہیں لہٰذا جو بڑے بالغ النظر ہوتے ہیں وہ دنیا وآخرت کی فوز وفلاح اور ان کی بے پایاں نعمتیں طلب کرتے ہیں اور جو ان سے کم ہمت ہوتے ہیں وہ صرف آخرت کی نعمتیں مانگتے ہیں اور جو بالکل ہی کوتاہ اندیش اور بے حوصلہ ہوتے ہیں وہ خدا سے صرف دنیا کی دولت، دنیا کی شہرت اور دنیا کے چندروزہ جاہ وجلال اور اس کے عارضی مال ومنال کا سوال کرتے ہیں۔ بہرحال خداوند جلیل ان کوتاہ ہمت اور پست حوصلہ لوگوں سے فرما رہا ہے کہ جو شخص (اپنی کوتاہ نظری سے) صرف دنیا کا صلہ وثواب چاہتا ہے تو خدا اسے وہی دے گا ورنہ اس قادر وقیوم اور رحیم وکریم خدا کے پاس تو دنیا وآخرت کا صلہ وثواب موجود ہے۔

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

سچ ہے کہ

بقدر الکد تنقسم المعالی
یغوص البحر من طلب اللئائی

اس سے یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے کہ آخر بہت سے کافروں اور اللہ کے نافرمان بندوں کو اس دنیا کی نعمتیں کیوں بہت زیادہ ملی ہوئی ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ آخرت کا تصور ہی نہیں رکھتے لہٰذا ان کو جو کچھ ملنا تھا وہ اسی دنیا میں مل گیا ہے۔ اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لیکن اہل ایمان کا نصب العین ہی دنیا سے زیادہ اخرت ہے لہٰذا دنیاوی زندگی ان کی اکثر تکالیف میں بسر ہو تو انہیں اس کا غم نہیں ہونا چاہیے جبکہ آخرت کی منزل میں جو ان کا اصل نصب العین ہے انہیں کامیابی نصیب ہو۔ (فصل الخطاب)

آیات القرآن

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ؕ

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! مضبوطی کے ساتھ انصاف کے علمبردار ہو جاؤ۔ اور محض اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو خواہ تمہیں اپنے یا اپنے والدین کے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی گواہی دینا پڑے۔ وہ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) چاہے امیر ہو چاہے فقیر ہو بہر حال اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے پس اس طرح خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم نے ہیر پھیر کیا یا (حق سے) منہ موڑا تو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے (۱۳۵) اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری ہے اور جو کوئی اللہ کا اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں کا اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے وہ گمراہ ہوا اور اس میں بہت دور نکل گیا (۱۳۶) جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے اللہ ہرگز نہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ تک پہنچائے گا (۱۳۷)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...الآیۃ ۱۳۵

عدل وانصاف کرنا اور سچی گواہی دینا واجب ہے

قوام مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ بڑی مضبوطی کے ساتھ عدل وانصاف کے علمبردار بنو اور محض خدا کے واسطے اس طرح گواہ بنو کہ اپنے اور بیگانے میں تفریق نہ کرو۔ اور امیر وفقیر میں تمیز نہ کرو۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا مومن کے مومن پر سات حق ہیں اور سب سے زیادہ لازمی حق یہ ہے کہ وہ حق بات کہے خواہ خود اس کے یا اس کے والدین کے خلاف ہو الغرض کسی کی خاطر حق سے عدول نہ کرے (تفسیر قمی وعیاشی)

غرضیکہ تمہاری گواہی صرف خدا کے لئے ہونی چاہیے اور اس میں کسی کی غلط رورعایت نہیں کرنی چاہیے

اور نہ ہی اس میں اپنے ذاتی مفاد کا کوئی دخل رہل ہونا چاہیے۔فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب و نادار، کوئی اجنبی ہو یا قریبی رشتہ دار عموماً یہی وہ امور ہیں جو ایک انسان کو سچی گواہی دینے سے مانع ہوتے ہیں۔خالق اکبر ایک مسلمان گواہ کو یہ تاکید فرمارہا ہے کہ عدالت میں کھڑے ہوکر ان تمام جذبات اور احساسات کو دل و دماغ سے نکال دے اور محض خدا واسطے اور اس کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کی خاطر، مظلوم کی دادرسی اور اسے اس کا حق دلوانے کی خاطر سچی گواہی دے۔کیونکہ تم اہل ایمان ہو۔عدل اسلامی کے علمبردار ہو اور تم شہداالله (اللہ کے لئے گواہ) ہو۔اسی بناء پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ سچی گواہی دینا واجب ہے اور گواہی کا چھپانا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ارشاد قدرت ہے ''وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ'' (معارج...... ۳۳) مومن اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔دنیا کا کوئی خوف وڈر یا طمع ولالچ انہیں ادائے شہادت سے روک نہیں سکتا۔کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ''ومن یکتمها فانه اثم قلبه'' جو شہادت کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار سمجھا جائے گا۔ایسا ہی خدائے حکیم نے سورہ انعام میں حکم دیا ہے ''وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى وَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا'' (انعام...... ۱۵۲) جب بولو تو انصاف کرو۔اگر چہ فریق معاملہ قریبی رشتہ دار ہو اور اللہ کے عہد و پیمان کا پاس کرو۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دین و دیانت ہر چیز پر مقدم ہے۔لہٰذا جب کبھی شخصی اور دینی مفاد میں تصادم ہو تو ہمارا قومی و ملی فریضہ ہے کہ ہم دین کو ترجیح دیں اگر چہ اس میں نہ صرف ہمارے مال کا بلکہ جان کا بھی نقصان کیوں نہ ہو جیسا کہ سرکار سید الشہداء اور خامس آل عبا علیہ افضل التحیہ والثناء نے میدان کربلا میں اس کی عملی مثال پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰۤى...الآیۃ ۱۳۴

سورہ مائدہ اور حدید کی بعض آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا کے انبیاء و مرسلین پر کتابیں نازل کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ارشاد رب العزت ہے ''لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ'' (حدید آیت۔۲۵) ہم نے اپنے رسولوں کو آیات بینات دے کر بھیجا اور ان پر کتاب و میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔خداوند عالم سورہ مائدہ میں سورۃ النساء جیسا حکم دینے کے بعد کہ (کونوا قوامین شهداء بالقسط) فرماتا ہے۔ولا یجر منکم شنان قوم علی الاتعدلوا اعدلو هواقرب

للتقوی''(تمہیں کسی قوم سے ذاتی عداوت اس سے انصاف نہ کرنے پر آمادہ نہ کرے۔انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام بالاتفاق لکھتے ہیں کہ نظام عدل قائم کرنا ہر حکومت کا فرض اولین ہے کیونکہ ''یبقی الملك مع الکفر ولا یبقی مع الظلم '' ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ہر مکلف کا فرض ہے کہ وہ انصاف کرے اور دوسروں کو اس کی رغبت دلائے اسی لئے خداوند عالم نے اس آیت میں مسلمانوں کو عدل وانصاف کرنے اور سچی گواہی دینے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں جو چیزیں مانع ہوسکتی تھیں ان موانع کو دور کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اگر خواہش نفس کی پیروی کی یا ہیر پھیر کیا یا حق سے منہ موڑا تو یاد رکھو اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔وہ ضرور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا وسزا دے گا۔اس کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا کہ ہیر پھیر سے گواہی کا تبدیل کرنا اور منہ موڑنے سے گواہی کا چھپانا مراد ہے۔بہر حال یہ حقیقت طے شدہ ہے کہ عدل وانصاف جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور عدالت میں سچی گواہی جب ہی دی جاسکتی ہے کہ جب آدمی کے دل میں خوف خدا ہو اور جزا وسزا پر کامل ایمان ہو۔

یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...الآیة

اس آیت میں خدائے بزرگ وبرتر نے ایمان لانے والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا؟ یعنی چہ؟ جب کہ تحصیل حاصل محال ہے! تو پھر اہل ایمان کو ایمان لانے کا حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا جواب مفسرین اسلام نے یہ دیا ہے کہ خدائے حکیم ایمان کے ان دعویداروں کو حکم دے رہا ہے جو زبان وکلام سے ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں مگر قلبی تصدیق اور اپنے عمل وکردار سے اس کا ثبوت فراہم نہیں کرتے۔فرماتا ہے اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اپنے دل ودماغ اور عمل وکردار سے بھی ایمان لاؤ (تفسیر صافی)

اور اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بعض لوگ شرک والحاد کو ترک کرتے ہیں اور خدا پر ایمان لاتے ہیں مگر نبیوں پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے اور کچھ لوگ بعض انبیاء اور بعض کتابوں پر تو ایمان لاتے ہیں مگر دوسرے بعض پر نہیں لاتے یا باقی سب چیزوں پر ایمان لاتے ہیں مگر فرشتوں پر اور قیامت پر نہیں لاتے، اس آیت مبارکہ میں خداوند علیم وحکیم نے ان تمام ارکان ایمان کا تذکرہ فرمادیا ہے جن پر ایک مومن کو ایمان لانا چاہیے تو اس طرح اس ارشاد خداوندی، کا مطلب یہ ہوگا کہ اے وہ لوگو جو شرک والحاد کو ترک کرکے خدا پر ایمان لائے ہو حقیقی معنوں میں ایمان لاؤ۔یعنی خدا پر اس کے (آخری) رسول پر اس کی کتاب (قرآن مجید) پر ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور جس شخص نے ان ارکان کا انکار

کیا وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا (تفسیر کاشف)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...الآیۃ

اس آیت میں خدائے علیم نے کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو کبھی اسلام لاتے ہیں اور کبھی کفر اختیار کرتے ہیں یعنی اسلام کی کامیابی کے آثار دیکھتے ہیں تو اسلام لاتے ہیں اور پھر تلبیس ابلیس کا شکار ہو کر کافر بن جاتے ہیں اور اسی کشمکش اور ادھیڑ پن میں رہتے ہیں اور بالآخر کفر میں راسخ ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کی اللہ ہرگز مغفرت نہیں فرمائیگا۔ کیونکہ ان کا یہ جرم شنیع ناقابل معافی ہے۔ بظاہر ان لوگوں سے مراد منافقین کی وہ جماعت ہے جو ہمیشہ ایمان وکفر کی دوعملی میں رہی اور انجام کار بالکل مرتد ہوگئی جس کا ذکر پہلے ہوا اور بعد میں بھی جاری ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے زبان سے ایمان کا اظہار کیا پھر دل سے کفر اختیار کیا پھر کبھی رسولؐ کے اخلاق عالیہ اور معجزات دیکھ کر مائل بایمان ہوئے۔ پھر شیطان یا شیطان صفت انسانوں نے ورغلایا اور کافر ہوگئے اور کفر میں سخت ہوگئے تو ایسے لوگ جنہوں نے دین کو ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی بنایا ہوا ہے یا ایسا کھلونا بنایا ہوا ہے جس سے کھیلتے رہتے ہیں اس پر خدا فرماتا ہے اللہ کبھی ایسے لوگوں کو نہیں بخشے گا اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ تک پہنچائے گا (تفسیر تبیان)

بروایت ابو بصیر امامینؑ میں سے ایک امام سے اس آیت کی یوں تفسیر مروی ہے فرمایا۔ ”من زعم ان الخمر حرام ثم شربھا ومن زعم ان الزنا حرام ثم زنی ومن زعم ان الزکوۃ حق ولم یودھا“ جو یہ اعتقاد رکھے کہ شراب حرام ہے اور پھر خود پیئے، جو عقیدہ رکھے کہ زنا حرام ہے پھر خود زنا کرے اور جو یہ ایمان رکھے زکوۃ واجب ہے پھر خود ادا نہ کرے یعنی جس کے قول وفعل میں تضاد ہو۔

آیات القرآن

بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ۞۱۳۸ الَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا ۞۱۳۹ وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡكُمۡ فِی الۡكِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكۡفَرُ بِهَا وَیُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡكٰفِرِیۡنَ فِیۡ

جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾

ترجمۃ الآیات

منافقوں کو سنا دیجئے! کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۱۳۸) وہ (منافق) جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے (اسکے اختیار میں ہے) (۱۳۹) اور اس نے کتاب (قرآن) میں تم پر یہ حکم نازل کر دیا ہے کہ جب سنو کہ (کسی جگہ) آیات الٰہیہ کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں (ورنہ) اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بے شک خدا سب منافقوں اور سب کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے (۱۴۰) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام) کے منتظر رہتے ہیں۔ پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح وفیروزی حاصل ہوگئی تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو (فتح کا) کچھ حصہ مل گیا تو (کافروں سے) کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے؟ اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ اب اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کریگا۔اور اللہ کبھی کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں رکھے

گا(۱۴۱) منافق (بزعم خود) خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے (انہیں ان کی دھوکہ بازی کی سزا دینے والا ہے) اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بے دلی اور کاہلی کے ساتھ وہ بھی خلوص نیت سے نہیں بلکہ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا (۱۴۲) وہ (کفر و اسلام کے) درمیان ڈانواں ڈول ہیں نہ پورے اس طرف نہ پورے اس کی طرف جسے اللہ بھٹکنے دے (اس کی کج رفتاری کی وجہ سے توفیق ہدایت سلب کرلے) تو اس کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ نہیں پائے گا (۱۴۳)

تفسیر الآیات

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ...الآیۃ۱۳۸

بشارت کے معنی کی تحقیق

بشارت کا لفظ عام طور پر خوشخبری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تو اس بنا پر دردناک عذاب کی خبر کو بشارت کہنا بطور طنز و تشنیع ہوسکتا ہے اور بشارت کے دوسرے معنی ہر ایسی اچھی یا بری خبر کے بھی ہیں جس کا اثر لینے والے کے چہرہ سے ظاہر ہو۔ چنانچہ مفسر قرطبی نے لکھا ہے ”التبشیر الاخبار بما یظھر اثرہ علی البشرۃ“ (قرطبی)۔

بہرحال خداوند قہار ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر سنا رہا ہے جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست بناتے ہیں۔ چونکہ منافقوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے پاس فقر و فلاکت، غربت و مسکنت اور مجبوری و مقہوری کے سوا اور کیا رکھا ہے؟ مال و دولت ہے تو کفار کے پاس، شوکت و تمکنت ہے تو مشرکین کے پاس، اور عزت و عظمت ہے تو ان کے پاس اسی لئے خداوند عالم ان سے پوچھ رہا ہے کہ آیا وہ یہ سب کچھ عزت کی تلاش میں کر رہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر عزت تو ساری کی ساری خدا کے لئے ہے یا اس کے رسولؐ کے لئے ہے یا پھر کامل الایمان مومنین کے لئے ہے۔ قل للہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون“ (المنافقون) عزت تو بس خدا کے لئے ہے یا اس کے رسول کے لئے یا پھر اہل ایمان کے لئے ہے مگر منافق اس حقیقت کو جانتے نہیں ہیں۔ ان حقائق سے واضح ہوجاتا ہے کہ عزت کا حقیقی مالک و متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت کا کچھ حصہ عطا کر دیتا ہے اور وہ انبیاء و مرسلین اور مومنین کاملین ہیں

لہٰذا عزت خدا سے طلب کرنی چاہیے اور اسی کے پاس تلاش کرنی چاہیے نہ کہ کسی اور کے پاس۔

وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ ...الآیة

اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مکہ میں کچھ مسلمان یہود کے پاس جا کر بیٹھتے تھے اور وہ اسلام، قرآن اور پیغمبرؐ اسلام کی مذمت کرتے تھے۔ تو خداوند عالم نے ان لوگوں کو یہود کے پاس بیٹھنے سے یوں منع فرمادیا'' وَ اِذَا رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِيۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ'' (انعام آیت۔۶۸) جب دیکھو کہ کچھ لوگ ہماری آیات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو ان سے روگردانی کرو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ یہ حکم تو سورہ انعام میں ہے جو سورہ نساء سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ یہ اس بات کا ایک شاہد ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن تنزیل کے مطابق نہیں ہے اور جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں بھی یہود و منافقین موجود تھے۔ تو بعض مسلمان حسب سابق ان لوگوں کے پاس آتے جاتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے اس لئے خداوند عالم نے سابقہ حکم کی تجدید کرتے ہوئے فرمایا'' اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَ يُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِيۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖۤ'' (نساء آیت۔۱۴۰) جب سنو کہ کسی جگہ آیات الٰہیہ کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے (مجمع البیان، تفسیر کاشف)

غلط محافل میں شرکت کرنا حرام ہے

بموجب المورد لا یخصص الوارد۔ یہ بات صرف مکہ و مدینہ کے مسلمانوں اور مکہ و مدینہ کے منافقین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جب اور جہاں بھی یہ صورت حال پیش آ جائے کہ دین اور اس کے مقدسات، دین اور اس کے احکام، دین اور اس کے مسائل حلام و حرام دین اور اس کے عقائد حقہ دین اور حقیقی علماء دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور بدعات کو پھیلایا جا رہا ہو۔ غلط عقائد کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہو۔ باطل و بدعملی کی ترویج کی جا رہی ہو تفسیر بالرائے کی جا رہی ہو۔ غنا و موسیقی کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور خدا و معصومین علیہم السلام پر افتراء پردازی کی جا رہی ہو۔ تو اہل ایمان پر ایسی مجالس و محافل میں شرکت کرنا اور ان میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر بالفرض شرکت کریں تو ان پر بطور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسے لوگوں کو اس روش و رفتار پر روکنا ٹوکنا واجب ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے، یعنی اگر وہ ایسی محفل میں شریک ہوں گے اور فریضہ امر و نہی ادا نہیں کریں گے تو پھر بنص

قرآن یہ لوگ بھی ان لوگوں جیسے سمجھے جائیں گے کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ ''من رضی بفعل قوم فھو منھم''(حدیث نبوی)

جو شخص کسی قوم کے کسی فعل پر راضی ہو وہ اسی قوم میں سے شمار ہوتا ہے جو کفر پر راضی ہوگا وہ کافر متصور ہوگا اور جو گناہ وعصیان پر راضی ہوگا وہ گنہگار سمجھا جائے گا۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ الراضی بفعل قوم کالداخل فیہ وعلی کل داخل اثمان اثم العمل بہ و اثم الرضا بہ'' جو شخص کسی قوم کے کسی فعل پر راضی ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسا اس میں داخل ہونے والا اور داخل ہونے والے پر دو گناہ ہوتے ہیں۔ ایک اس کے کرنے کا اور دوسرا اس پر راضی ہونے کا (نہج البلاغہ)

اس بات پر تمام فقہاء وعلماء کا اتفاق ہے کہ ظلم کرنیوالا، اس کی مدد کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا سب برابر کے شریک ظلم ہوتے ہیں۔ حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا ''اذا سمعت الرجل یجحد الحق ویکذبہ ویقع فی اھلہ فقم من عندہ ولا تقاعدہ'' (عیاشی وصافی)۔

جب سنو کہ کوئی آدمی حق کا انکار کر رہا ہے اور اس کی تکذیب کر رہا ہے اور اہل حق کے بارے میں بکواس کر رہا ہو تو وہاں سے اٹھ جاؤ اور اس کے پاس نہ بیٹھو۔

جب بیہودہ گو غلط گفتگو ختم کر دیں تو پھر ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے یا ناجائز؟

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ (اس صورت میں وہاں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے) مگر بعض محتاط علماء یہ فرماتے ہیں کہ بموجب ارشاد قدرت ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' کہ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو (انعام آیت ۶۸) اس آیت مبارکہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ظالوں کی مجالست سے بہرحال اجتناب لازم ہے۔ ''ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار'' ظالموں کی طرف میلان بھی نہ کرو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھو جائے گی۔ اس سے بھی ظالموں اور ایسے لوگوں کی مجالست وہم نشینی کی ممانعت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بلاضرورت ایسے لوگوں کی صحبت سے احتراز کیا جائے ویسے بھی اچھی یا بری صحبت کا اثر نا قابل انکار ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعٌ...الآیۃ۱۴۰

جس طرح دار دنیا میں منافقین اور کافرین ایمان اور اہل ایمان کی عداوت ودشمنی پر متفق تھے اسی طرح قیامت کے دن خدا ان کو دوزخ میں بھی اکٹھا ڈالے گا۔ ''وھم فیھا خالدون'' اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اَلَّذِیۡنَ یَتَرَبَّصُوۡنَ...الآیۃ

اس آیت میں خدائے علیم وحکیم نے منافقوں کی دوغلی پالیسی اور دورنگی چال ڈھال کر بڑے دلکش انداز میں تصویر کشی کی ہے کہ جب مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تھی، تو منافقوں کی حالت زار دیدنی ہوتی تھی وہ بظاہر تو اہل اسلام کی نصرت کی خاطر ان کے ساتھ نکلتے تھے۔ مگر بباطن ان کا مطمع نظر دھوکہ دہی اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ہوتا تھا۔ بایں ہمہ وہ اس انتظار میں رہتے کہ میدان کارزار میں کس فریق کا پلہ بھاری ہے؟ پس اگر مسلمانوں کو فتح ہوجاتی تو یہ ان سے یہ کہ کر کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مال غنیمت میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتے اور اگر کافروں کو کامیابی میں سے کچھ حصہ مل جاتا تو یہ ان سے کہتے کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے؟ اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ لہٰذا تمہاری اس کامیابی میں ہمارا بھی حصہ ہے۔

ہر دور کے منافقوں کی روش

ہر دور کے منافقوں ابن الوقتوں اور مفاد پرستوں کا یہی شیوہ وشعار رہا ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا کہ

چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

چڑھتے سورج کی پرستش کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے

۔اور ہر ڈوبنے والے آفتاب سے منہ موڑنا ان کا شعار ہوتا ہے۔ ملک میں جو سیاسی جماعت کامیاب ہوکر اقتدار پر قابض ہوجائے تو اسے سلام کرنے اور مبارک دینے میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں اور وزارتوں کی خاطر پروانے کی طرح ان کی کوٹھیوں کا طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جب اس کے اقتدار کا سورج غروب ہوجائے تو وہ اس طرح وہاں سے غائب غلہ ہوجاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس سلسلہ میں ان کی نگاہ میں کفر واسلام اور نیکی اور عصیان میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، بقول حضرت امیر علیہ السلام ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ''اعدو الکل حق باطلا ولکل قائم زائلاً ولکل باب مفتاحا ولکل

لیل مصباحا''ان کے پاس ہر حق کے بالمقابل باطل ہر ثابت کے بالمقابل زائل اور ان کے پاس ہر دروازے کے لئے کنجی اور ہر رات کے لئے چراغ ہوتا ہے (نہج البلاغہ) دعا ہے کہ خداوند عالم ہم سب کو آستین کے ایسے سانپوں سے بچائے۔قیامت کے دن اللہ ان کے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریگا۔وھو احکم الحاکمین۔

وَلَنۡ يَّجۡعَلَ الله...الآیة

اہل ایمان کی سربلندی کا خدائی وعدہ

اللہ کا اہل ایمان سے پختہ وعدہ ہے کہ''انتم الاعلون ان کنتم مومنین''اگر تم نے ایمان سے منہ نہ موڑا تو تم ضرور سر بلند ہو کر رہو گے۔(اور دنیا پست) تم حاکم بن کے رہو گے (اور دنیا محکوم)''وان الله لا یخلف المیعاد'اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اگر مسلمان خود قانون اسلام اور ایمان سے منہ موڑیں اور فتح وشکست

کے قانون قدرت کو نہ توڑیں اور ذلت ورسوائی اور شکست وپسپائی کے اسباب خود اکھٹے نہ کریں تو دنیائے کفروشرک کی کوئی طاقت مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتی۔

انہیں جب بھی اور جہاں بھی کفار کے مقابلہ میں شکست ہوئی ہے تو ان کے اتحاد کا دامن چھوڑنے ،انتشار کا شکار ہونے اور وسائل حزب وضرب مہیا نہ کرنے کی وجہ سے اور جنگ کیلئے پوری طرح مستعد نہ ہونے کی وجہ سے۔سچ ہے۔

ان الله لا یغیرو مابقوم حتی یغیروا مابانفسھم''
یعنی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
از ما است کہ برما است
وما ربک یرید ظلما للعباد

اس آیت سے استنباط کردہ چند احکام

فقہاء اسلام نے اس آیت مبارکہ''اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں رکھے گا'' سے کئی احکام استنباط کیئے ہیں مثلا۔ا۔یہ کہ جب کسی بچہ کا باپ مسلمان ہو اور ماں غیر مسلمان (زن

کتابیہ) تو ماں کو بچہ کی تعلیم و تربیت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچے اسلام میں اپنے باپ کے تابع ہوگا۔ ۲۔ کوئی مسلمان اپنی اولاد کا وصی وولی کسی غیر مسلمان کو نہیں بنا سکتا۔ ۳۔ جب اولاد مسلمان ہو اور باپ کافر تو اس سے باپ کی ولدیت ختم ہو جاتی ہے۔ ۴۔ غیر مسلمان حاکم کا حکم مسلمان کے حق میں نافذ نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ (تفسیر کاشف)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ...الآية

سورہ بقرہ کی ابتداء میں منافقوں کے خدا اور سول کو دھوکہ دینے کا مفہوم اور خدا کے ان کے دھوکے کی جزا و سزا دینے کا مطلب تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ کس طرح اپنے دل و دماغ میں کفر چھپا کے اور زبان سے اسلام کا اظہار کر کے خدا اور سولؐ کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور جواب میں خدا دنیا میں ان پر اسلام کے احکام لاگو کر کے اور آخرت میں ان کے ساتھ کفار والا سلوک کر کے کسطرح ان کو ان کی اس روش ورفتار کی سزا دے گا؟ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ...الآية

نماز جمعہ و جماعت میں شرکت کی اہمیت

پیغمبر اسلام کے عہد معدلت انگیز میں کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک وہ نماز کی پابندی نہیں کرتا تھا اور جمعہ و جماعت میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ جس طرح دنیوی جماعتیں کسی رکن کو بلا عذر اپنے اجتماعات میں مسلسل شریک نہ ہونے والے کو رکنیت سے خارج کر دیتی ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں کسی شخص کے بلا عذر مسلسل جمعہ و جماعت کے اجتماعات میں شامل نہ ہونے والے کو غیر مسلمان تصور کیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں منافقوں کی کیفیت ان حالات میں بڑی عجیب تھی۔ ان کو جماعت میں حاضری تو پانچ وقت دینی پڑتی تھی مگر ان کو دل پر جبر کرنا پڑتا اور جسم پر زور ڈالنا پڑتا اور اپنے کو کشاں کشاں مسجد میں لاتے اور نماز کے ختم ہوتے ہی اس طرح بھاگ جاتے جیسے کسی قیدی کو رہائی مل جائے۔ مگر مخلص اہل ایمان بڑے شوق وذوق سے مساجد میں جاتے سب سے پہلے پہنچ جاتے اور سب کے آخر میں جاتے۔ بہر حال منافقوں کی اس چال ڈھال سے پتہ چلتا تھا کہ یہ لوگ دلی رغبت اور قلبی لگاؤ سے خدا کی عبادت نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی ان کی عبادت میں للّٰہیت کی کوئی خوبو ہوتی تھی۔ اور نہ ان میں کیف وسرور اور شوق وذوق ہوتا تھا۔ اور نہ ہی وہ سکون واطمینان جو ایک مخلص مسلمان کو ذکر خدا میں محسوس ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

مومن اور منافق کی پہچان

آج بھی مساجد میں حاضری اور نماز ہائے پنجگانہ اور جمعہ میں شرکت اور عدم شرکت سے مومنوں اور منافقوں کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ''المومن فی المسجد کالسمکۃ فی الماء والمنافق فی المسجد کالسمکۃ فی البر''۔ مومن مسجد میں یوں لذت محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی پانی میں تیر رہی ہو۔ اور منافق مسجد میں یوں کوفت محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی خشکی پر آ گئی ہو۔ (سابع عشر بحار الانوار) خدا فرماتا ہے کہ منافق لوگ لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ دراصل ذکر خدا بہت کم ہی کرتے ہیں۔

ریا کار کی علامات

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔ فرمایا۔ ''للمرائی ثلاث علامات یکسل اذا کان وحدہ وینشط اذا کان الناس عندہ یحب ان یحمد بمالم یفعل''۔ ریا کار کی تین علامتیں ہیں۔ ۱۔ جب تنہا ہو تو سستی کرتا ہے۔ ۲۔ جب لوگ موجود ہوں تو خوشی محسوس کرتا ہے۔ ۳۔ اور چاہتا ہے نہ کردہ کام پر اس کی تعریف کی جائے (کتاب الخصال، شیخ صدوق)

ریا کاری کا انجام

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسولؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا قیامت کے دن ریا کار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر! اے فاجر! اے غادر اور اے خاسر تیرا عمل حبط اور تیرا اجر ضبط ہے آج ان لوگوں سے اپنا اجر طلب کر جن کو دکھانے کے لئے تو عمل کیا کرتا تھا (مجمع البیان)۔

مُّذَبۡذَبِيۡنَ...الآیۃ

نہ وہ جماعت مومنین میں داخل ہیں اور نہ زمرہ کافرین میں وہ درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں اور ہمیشہ دوغلی پالیسی رکھنے والوں اور دورنگی اختیار کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ۔ ع۔

نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے

بقول شاعر ے

تیری وہ مثل ہے اے رب رضی
نہ الی الذی ہیں نہ الا الذی

خدا سب کو ایسے انجام بد سے بچائے اور قول و فعل کی ہم آہنگی عطا فرمائے۔

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کو کھلی ہوئی دلیل مہیا کر دو (۱۴۴) بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقہ میں ہوں گے۔ اور تم ان کے کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے۔ (۱۴۵) سوا ان کے جنہوں نے توبہ کی، اپنی اصلاح کر لی۔ اور اللہ سے وابستہ ہو گئے اور اللہ کے لئے اپنا دین خالص کر دیا (خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنے لگے) تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور اللہ اہل ایمان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا (۱۴۶) اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب کر کے کیا کرے گا؟ اور اللہ تو بڑا قدر دان ہے (اور) بڑا جاننے والا ہے (۱۴۷)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...الآیة

اے ایمان والو! اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی نہ بناو لہٰذا اگر تم نے کافروں اور منافقوں سے مراسم ولایت استوار کئے رکھے اور ان سے دنیاوی روابط قطع نہ کئے تو یہ تمہاری منافقت کا بین ثبوت ہوگا۔ اور اسی طرح خداوند عالم کو تمہارے ساتھ کافروں اور منافقوں والا سلوک کرنے کے جواز کی واضح دلیل مل جائیگی۔ اور پھر تمہارا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا بے شک مومن ومتقی جنت میں جائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا مومن ہیں۔ اور کافر جہنم میں جائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا کافر ہیں مگر منافقین کا انجام سب سے بدتر ہوگا کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھ کر جلائے جائیں گے۔ کیونکہ ان آستین کے سانپوں کا کردار اوران کی روش ورفتار سب سے زیادہ ابتر وبدتر تھی۔ کیونکہ وہ ظاہر تو اسلام کرتے تھے مگر چھپاتے کفر تھے اور دونوں سے اپنا مفاد اٹھاتے تھے اور سب کو دھوکہ دیتے تھے۔ نہ کھلے ہوئے مومن تھے اور نہ کھلے ہوئے کافر۔ اسلئے تم ان کا کوئی یارومددگار نہیں پاؤ گے۔

وذلك هو الخسران المبين

اِلَّا الَّذِیۡنَ ...الآیة

مگر وہ منافقین جنہوں نے ۱۔ توبہ کرلی۔ ۲۔ اپنی اصلاح احوال کرلی۔ ۳۔ خدا کے دامن توحید کو مضبوطی سے تھام لیا۔ ۴۔ اور اپنا دین خدا کے لئے خالص کرلیا اور ریا کاری سے پاک کرلیا تو بے شک خدائے تواب ان کی توبۃ النصوح قبول فرمائے گا اور ان کا حشر ونشر ایمان والوں کے ساتھ فرمائیگا۔ اور اہل ایمان کو اجر عظیم عطا فرمائیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفاق کا وہ برا انجام جو اوپر بیان ہوا ہے وہ اس وقت ہوگا جب کوئی منافق اپنے آخری لمحات حیات تک اپنے نفاق پر قائم رہے گا لیکن جس طرح کافر کے مسلمان ہوجانے سے پہلے والا کفر اور اس کے آثار ختم ہوجاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی منافق نفاق سے توبہ کرکے مخلص مومن بن جائے تو اس سے وہ جماعت مومنین کا فرد بن جائے گا اور سابقہ برے نفاق کے برے آثار ونتائج کا خاتمہ ہوجائے گا۔ کما لایخفی۔

مَا یَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمۡ ...الآیة ۱۴۷

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت تو لوگوں کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے بہانے تلاش کرتی ہے۔ کوئی قیمت طلب نہیں کرتی۔ رحمت حق بہانہ می جوید لہٰذا اگر تم کفر اور گمراہی چھوڑ کر ایمان لے آؤ اور نافرمانی

وناشکری چھوڑ کر نیکوکار وشکر گزار بندے بن جاؤ تو اللہ تمہیں عذاب کر کے کیا کریگا؟ اللہ تو بڑا قدرداں اور بڑا جاننے والا ہے وہ بڑا بے نیاز ہے وہ کسی کو سزا دینے یا اس سے انتقام لینے کا محتاج نہیں ہے۔ وہ شاکر اور علیم بھی اور رحیم و کریم بھی ہے

ایضاح

اس آیت میں ایک اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ثواب وعذاب اس لئے نہیں ہے کہ خدا بادشاہوں یا بت پرستوں کے دیوتاؤں کی طرح جب خوش ہوجائے تو انعام دینے لگتا ہے اور جب ناراض ہوجائے تو جوش انتقام میں عذاب میں ڈال دیتا ہے بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ جزا وسزا انسانی عمل وکردار اور اس کی روش ورفتار کا قدرتی خاصہ ونتیجہ ہے یا اس کا وہ اثر وضعی ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا خدائے علیم نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ اور اثر قرار دیا ہے اسی طرح انسان کے ہر عمل کا جو وہ دنیا میں کرتا ہے ایک خاصہ اور اثر قرار دیا ہے جو جزا یا سزا کی صورت میں اس سے الگ نہیں ہوتا جو حضرات اس موضوع کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ کتاب ''علم الکلام'' کا مطالعہ کریں

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار بجاه النبی واله الاطهار

آیات القرآن

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ

اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴿۱۵۲﴾ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ اعلانیہ بدگوئی کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو (کہ اس کے لئے ظالم کی بدگوئی جائز ہے) اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۱۴۸) اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ۔ یا کسی برائی سے درگذر کرو تو بے شک اللہ (بھی) بڑا معاف کرنے والا، بڑا قدرت والا ہے (۱۴۹) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ (ایمان وکفر کے) درمیان کوئی راستہ نکالیں (۱۵۰) یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۵۱) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں وہ (اللہ) ان کا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا (۱۵۲) آپ سے اہل کتاب مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی (لکھی لکھائی) کتاب اتروادیں سو یہ تو جناب موسیٰ سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں یعنی کہا تھا کہ ہمیں کھلم کھلا اللہ دکھا دو پس اُن کے اسی ظلم کے سبب ان پر بجلی گری تھی پھر بعد اس کے کہ ان پر کھلی نشانیاں آچکی تھیں بچھڑا پوجنے

لگے پھر ہم نے اس سے درگزر کیا اور موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا کیا (۱۵۳)۔اور ہم نے ان سے (فرمانبرداری کا) پختہ عہد لینے کے لئے ان کے اوپر کوہ طور کو بلند کیا اور ہم نے ان سے کہا کہ سجدہ ریز ہو کر دروازہ • شہر) میں داخل ہو جاؤ اور ان سے کہا کہ قانون سبت کے بارے میں زیادتی نہ کرو (حد سے نہ بڑھو) اور ہم نے ان سے پختہ عہد و پیمان لیا تھا (۱۵۴)

تفسیر الآیات

اِنْ تُبْدُوْا ...الآیۃ ۱۴۹

عفو و درگذر کی ترغیب

تم نیکی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ۔ یا کسی برائی سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔نیکی میں ہر قسم کی نیکی داخل ہے خواہ وہ نیکی ہو جو تم نے کسی سے کی ہو یا وہ جو کسی دوسرے نے تم سے کی ہو اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی کی برائی سے درگزر کرو۔ اللہ تو بہر حال اسے جانتا ہی ہے۔گویا اس انداز میں جس مظلوم کو ظالم کی شکایت اور لوگوں سے اس کے ظلم کی حکایت کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔اسے عفو و درگزر کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد قدرت ہے ''وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ'' (نحل آیت۔۱۲۶) اگر تم (ظالم سے) بدلہ لینا چاہو تو اتنا لو جتنا اس نے ظلم کیا ہے اور اگر صبر کرو (معاف کر دو) تو یہ چیز صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھی ہے وہاں صبر و ضبط سے کام لینے کی اور یہاں عفو و درگزر کرنے کی بہتری و برتری بیان کی جا رہی ہے بے شک قانون مکافات کے تحت اور ظلم و جور کا خاتمہ کرنے کی خاطر مظلوم کو شکایت کرنے اور عدالت میں ظالم کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق حاصل ہے۔اور اس طرح ظلم رک جاتا ہے اور اس کا انسداد ہو جاتا ہے مگر ظالم و مظلوم کے دلوں میں اس ظلم اور اس کے نتیجہ میں قانونی کاروائی، کا اثر باقی رہ جاتا ہے جو آئندہ کسی وقت بھی لڑائی جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے مگر عفو و درگذر کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم و تلقین کا یہ دیرپا اور فطری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دو سخت دشمن دو مخلص دوست بن جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوۃ كانه ولی حمیم'' تم احسن طریقہ پر دشمن کا دفاع کرو اس طرح تم اور تمہارا دشمن مخلص دوست بن جاؤ گے۔سچ ہے۔ع۔در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

جس طرح خدا باوجود انتقام کی قدرت رکھنے کے عفو و درگذر کرتا ہے اسی طرح اگر تم بھی ظالم کی شکایت وحکایت کا حق رکھتے ہوئے بھی اسے معاف کر دو تو یہ بہت بہتر ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ...الآیۃ ۱۵۰

کفار و مشرکین کی مختلف اقسام کا بیان

اس آیت مبارکہ میں کفار و مشرکین کی مختلف قسموں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے

۱۔ایک قسم ان کفار کی ہے جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ اس کے رسولوں کو۔ ۲۔ دوسری قسم ان کافروں کی ہے جو بظاہر خدا کو تو مانتے ہیں مگر اس کے کسی نبی و رسول کو نہیں مانتے۔ ۳۔اور تیری قسم ان کافروں کی ہے جو بظاہر خدا کو بھی مانتے ہیں اور بعض انبیاء کو بھی مگر دوسرے بعض کو نہیں مانتے جس طرح یہود و نصاری کہ اول الذکر جو خدا کو ماننے کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے سابقہ انبیاء کو مانتے ہیں مگر جناب عیسی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے اور ثانی الذکر خدا کے علاوہ جناب عیسیؑ اور ان سے پہلے انبیاء کو مانتے ہیں مگر حضرت محمد رسول اللہؐ کو نہیں مانتے اور اس طرح وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں۔جیسا کہ ہر دور میں کفر و اسلام کو باہم ملانے والے اور ان کی معجون مرکب بنانے والے لوگ رہے ہیں۔اور اب بھی ہیں مگر خالق و مالک نے دوٹوک لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ یہاں یہ دورنگی اور دوعملی نہیں چل سکتی۔اللہ کے رسولوں کا انکار کر کے توحید کا اقرار کرنا یا بعض انبیاء کا انکار کر کے دوسرے بعض کا اقرار کرنا ایسے لوگوں کو کفر کے دائرہ سے نکال کر حلقہ بگوش اسلام نہیں بنا سکتا یہ سب حقیقی اور پکے کافر ہیں۔لہٰذا ماننا ہے تو سب کو مانو اور انکار کرنا ہے تو سب کا انکار کرو۔ع۔دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا۔کیونکہ وحی و نبوت کا انکار کر کے خدا کی ذات وصفات کی صحیح معرفت اور اس کی عبادت کے صحیح طریقہ کار کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔لہٰذا ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ایمان بالرسل بھی ضروری ہے اور پھر خدا کے مقرر کردہ ایک نبی و رسول کا انکار کرنا سب کے انکار کے مترادف ہے لہٰذا ایسے سب لوگ پکے کافر ہیں اور کافروں کے لئے خدا نے ذلت آمیز عذاب مہیا کر رکھا ہے کیونکہ بے شک اسلام غیروں کے ساتھ بھی عدل وانصاف اور احسان و رواداری کرنے کا علمبردار ہے مگر وہ اصولوں پر سودا بازی کرنے کا قائل نہیں ہے۔وہ برملا کفر اور اس کے غلط رسم ورواج سے جہاں اپنی برات و بیزاری کا اعلان عام کرتا ہے وہاں مسلمانوں کو اپنے قومی تشخص کے برقرار رکھنے اور اسلامی شعائر کی حفاظت کرنے اور قرآنی عبادات و معاملات پر قائم رہنے کا سختی سے حکم بھی دیتا ہے۔کیونکہ دنیا و آخرت کی فوز وفلاح اور

نجات ونجاح کا دارومدار اسلام پر ہے۔''ان الدین عند اللہ الاسلام''۔ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین''۔جو بھی اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا دین ہرگز قبول نہیں کرے گا اور آخرت کے دن اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ...الآیۃ ۱۵۲

ان اہل ایمان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو پیغمبر اسلام کے فرمان کے مطابق جہاں خالق دو جہاں اور مالک کون مکان پر ایمان رکھتے ہیں وہاں اس کے تمام انبیاء ومرسلین پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے درمیان تفریق کے قائل نہیں ہیں۔وہ''یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك'' کے قائل ہیں اور اسی پر عامل ہیں وہ جانتے ہیں کہ نجات کا دارومدار اسلام پر ہے اور اعمال کی قبولیت کا انحصار عقائد وایمان کی صحت پر ہے۔انہی کو خداوند عالم ان کے ایمان وعمل کے مطابق اجر وثواب عطا فرمائیگا۔کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔لہٰذا وہ ایسے لوگوں کے حساب کتاب میں عفو وصفح سے کام لے گا اور سخت گیری نہیں کریگا۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ یہاں خدا نے کفار کی جو اس بات پر مذمت فرمائی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ پر تو ایمان لاتے ہیں مگر اس کے پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان حضرات کے مقام ومرتبہ میں فرق نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ سب کا الگ الگ ہے۔خدا اور رسول تو کیا برابر ہوں گے وہ خالق ہے اور یہ اس کی مخلوق،ہم تیسرے پارہ کی ابتداء میں تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت بیان کر چکے ہیں کہ خالق حکیم نے کائنات میں کوئی بھی دو چیزیں برابر پیدا نہیں کی ہیں لہٰذا سب رسول ونبی بھی برابر نہیں ہیں۔'' تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعض''۔خدا نے رسولوں کے درجے بھی مختلف بنائے ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''وھذا اوضح من ان یخفی''۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ...الآیۃ ۱۵۳

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے کہ کعب بن اشرف اور چند دوسرے یہود بارگاہ خاتم الانبیاء میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو پھر ایک لکھی لکھائی کتاب آسمان سے ان پر اتاریں۔چونکہ تورات مکتوبی صورت میں یکبارگی نازل ہوئی تھی۔جبکہ قرآن تدریجا یعنی رفتہ رفتہ نازل ہوا۔لہٰذا یہود نے کٹ حجتی سے کام

لیتے ہوئے انکار کا ایک بہانہ بنایا کہ اگر قرآن اللہ کی کتاب ہے تو پھر لکھی لکھائی صورت میں کیوں نہیں اتری؟ (مجمع البیان)۔

یہ محض ان کی حجت بازی تھی ورنہ انجیل تو مکتوبی صورت میں اتری تھی۔ یہ لوگ اس پر کب ایمان لائے تھے؟ خداوند عالم ان کے اس غیر معقول مطالبہ کے جواب میں پیغمبر اسلامؐ کے تعجب کو دور کرنے کے لئے فرمارہا ہے کہ آپ ان لوگوں کی اس فرمائش پر حیران نہ ہوں یہ تو اس سے پہلے اس سے بھی زیادہ غیر معقول فرمائشیں کر چکے ہیں۔ انہوں نے تو جناب موسیٰؑ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں کھلم کھلا خدا دکھائیں۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ...الآیة

یہودیوں کے جرائم اوران کی سزاؤں کی مختصر فہرست

ان آیات میں خدائے علیم وحکیم نے یہودیوں کے بعض جرائم اور ان کی پاداش میں اپنی بعض سزاؤں کی فہرست پیش کی ہے

۱۔ ان کی اس زیادتی کی وجہ سے انہیں آسمانی بجلی نے پکڑلیا اس واقعہ کی تفصیل جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت ۵۵ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ خدا کی وحدانیت اور جناب موسیٰؑ کی نبوت کی صداقت کی کھلی کھلی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد ایک گوسالے کو معبود بنالیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس تفسیر کی جلد اول سورہ بقرہ کی آیت ۵۱ میں گذر چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے واضح رہے کہ اس آیت کے آخر میں خدا تعالیٰ نے جناب موسیٰؑ کو جس غلبہ کے عطا کرنے کا تذکرہ کیا ہے اس سے دنیوی اقتدار والا غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے باطل کے بالمقابل دلائل و براہین حقہ سے غلبہ عطا کرنا مراد ہے۔

۳۔ کوہ طور کو ان پر اٹھا کر ان سے پختہ عہد و پیمان لیا مگر وہ اس سے منحرف ہو گئے اس کی تفصیل بھی تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۳ کی تشریح میں گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۴۔ ان کو حکم دیا گیا کہ حطۃ حطۃ کہتے ہوئے اور سجدہ ریز ہوتے ہوئے، دروازہ میں داخل ہوں مگر انہوں نے اس حکم کو تبدیل کر دیا اس واقعہ کی تفصیل بھی جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۸ تا ۵۹ کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے

۵۔ اس سے پختہ عہد لیا کہ سبت والا قانون نہ توڑنا مگر انہوں نے اسے توڑ ڈالا جس کی پاداش میں ان کو مسخ کرکے بندر بنا دیا گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۵ کی توضیح کے ضمن

میں بیان ہوچکی ہے مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۶۔ان کی عہد شکنی کرنے

۷۔آیات الٰہیہ کو جھٹلانے

۸۔انبیاءؑ کو ناحق قتل کرنے

۹۔ان کے اس قول کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔

۱۰۔جناب مریم پر بہتان عظیم باندھنے۔

۱۱۔اور جناب عیسیٰؑ کو قتل کرنے کا دعوی کرنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں پر مہر کردی اس لئے وہ بہت کم ہی ایمان لائیں گے۔نمبر ۹ کی وضاحت بھی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۸۸ کی ذیل میں کی جاچکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اور دلوں پر مہر لگانے کا صحیح مفہوم ومطلب سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ کے ذیل میں بیان کیا جاچکا ہے۔مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝۱۵۶ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝۱۵۹ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

سو (ان کو جو سزا ملی وہ) ان کے عہد شکنی کرنے، آیات الٰہیہ کا انکار کرنے، نبیوں کو ناحق قتل کرنے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے (دلوں) پر مہر لگا دی ہے۔ اس لئے وہ بہت کم ایمان لائیں گے۔ (۱۵۵) نیز ان کے ساتھ یہ جو کچھ ہوا یہ ان کے کفر کیوجہ سے ہوا۔ اور جناب مریم پر بہتان عظیم لگانے کی وجہ سے (۱۵۶) اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے خدا کے رسول مسیح عیسے بن مریمؑ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان پر اصل معاملہ مشتبہ کر دیا گیا، اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے (۱۵۷) وہ یقیناً اس کے متعلق شک میں ہیں اور انہیں گمان کی پیروی کرنے کے سوا کوئی علم نہیں ہے۔ اور انہوں نے یقیناً ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے (۱۵۸) اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں، جو اپنی موت (یا ان کی موت) سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے اور وہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہ ہوں گے (۱۵۹) یہودیوں کے ایسے ہی مظالم اور زیادتیوں کی وجہ سے ہم نے وہ بہت سی پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کر دیں، جو پہلے ان کیلئے حلال تھیں نیز ان کے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے بکثرت روکنے کی وجہ سے (۱۶۰) اور ان کے سود لینے کے سبب سے، حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کا ناحق مال کھانے کے باعث (یہ سب کچھ ہوا)۔ اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۶۱)

تفسیر الآیات

قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ...الآیة

یہود کے جن جرائم کی اوپر اجمالی فہرست پیش کی گئی ہے یہ تو وہ ہے جس کا تذکرہ قبل ازیں سورہ بقرہ میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس فہرست میں اضافہ کرتے ہوئے خداوند عالم ان لوگوں کے چند اور انتہائی گھناونے جرائم کا تذکرہ کر رہا ہے جن میں پہلا جرم جناب مریم بتول پر بہتان عظیم باندھنا ہے۔ اگرچہ کسی بھی پاکدامن مرد یا عورت پر بہتان باندھنا گناہ کبیرہ ہے مگر خدائے تعالیٰ نے جناب مریم پر بہتان سازی کو کفر قرار دیا ہے کیونکہ وہ خود بھی معصومہ ہیں اور ایک نبی معصوم کی مادر گرامی بھی ہیں۔ جس سے دنوں کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ جناب عیسٰیؑ کی معجزانہ ولادت اور اس سے متعلقہ غیر معمولی واقعات کی تفصیل سورہ مریم رکوع ۲ میں مذکور ہے۔ کہ جب بن بیاہی جناب مریم کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بی بی گھبرائیں کہ لوگوں کی طعن و تشنیع کا کیا جواب دیں گی؟ ارشاد قدرت ہوا کہ جب کوئی زبان اعتراض دراز کرے تو آپ چپ رہنا اور نومولود کی طرف اشارہ کر دینا۔ چنانچہ آپ جب یروشلم پہنچیں تو لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا اور مختلف سوالات کی بھرمار کر دی۔ مگر جناب مریم حسب الحکم خاموش رہیں اور نومولود بچے کی طرف اشارہ کر دیا، مطلب یہ تھا کہ مجھ سے نہ پوچھو کہ میں یہ بچہ کس طرح اور کہاں سے لائی ہوں۔ بلکہ اس بچے سے پوچھو کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ بپھرے ہوئے لوگوں کے غصہ کا پارہ اور چڑھ گیا۔ بولے۔ كيف نكلم من كان فى المهد صبيا۔ بھلا ہم گہوارہ میں لیٹے ہوئے بچہ سے کس طرح پوچھیں؟ اس وقت چند گھنٹوں کے مولود مسعود نے بزبان فصیح جواب دیا۔ انى عبدالله اتانى الكتب وجعلنى نبيا۔ میں اللہ کا بندہ (خاص) ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے (مریم۔ رکوع ۲) اسکے بعد معترضین کی زبانوں پر تالے لگ گئے اور جو زبانیں چندمنٹ پہلے قینچی کی طرح چل رہی تھیں وہ بستہ ہو گئیں اور اس طرح خدائے قدیر نے یہود کے اتہام کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیا اور مخالفین کو ماننا پڑ گیا کہ جس ماں کا بچہ نبی ہو وہ بدکار نہیں ہو سکتی۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا...الآیة ۱۵۷

ان کا تازہ اور دوسرا جرم خدا نے یہاں یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسٰیؑ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ غلط کہتے ہیں نہ انہوں نے آپ کو قتل کیا ہے اور نہ صلیب پر چڑھایا ہے بلکہ حقیقت حال ان کے لئے مشتبہ کر دی گئی ہے اور جو لوگ اس سلسلہ میں اختلاف کر رہے ہیں وہ درحقیقت

شک میں مبتلا ہیں اور گمان کی پیروی کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔

وَمَا قَتَلُوْہ...الآیۃ

ہم اسی جلد دوم میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ ''یاعیسیٰ انی متوفیك'' کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ جناب عیسیٰ کی وفات پر گفتگو کر چکے ہیں اور وہیں اس متعلقہ آیت پر بھی مختصر سا تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ یہود جو کہ حضرت عیسیٰ کے ازلی دشمن ہیں یہی کہتے تھے کہ ہم نے عیسی کو قتل کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ نہ انہوں نے جناب عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ حقیقت حال ان لوگوں پر مشتبہ کر دی گئی اور خدا نے حضرت عیسی کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اب صورت حال کسطرح مشتبہ ہوئی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ جب یہود حضرتکو قتل کرنے کے لئے اکھٹے ہوئے تھے اور مکان کے اندر موجود تھے تو جناب عیسی کے حوارین میں خدا نے کسی کو جناب عیسیٰ کا مشابہ بنا دیا اور ظالموں نے اسے سولی پر چڑھا دیا اور خدا نے جناب عیسیٰ کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا، مگر وہ سمجھے کہ انہوں نے جناب عیسیٰ کو مصلوب کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہود میں سے کسی یہودی کو جناب عیسیٰ کا ہم شکل بنایا گیا اور انہوں نے اسے سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا اب رہی یہ بات کہ اس یہودی کا نام کیا تھا؟ طیطانوس یا یہودا؟ فریقین کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جب قرآن صرف یہ کہ ''ان لوگوں نے جناب عیسی کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر لٹکایا۔ بلکہ اصل حقیقت ان پر مشتبہ ہو گئی، خاموش نظر آتا ہے اور روایات صحیحہ ومتواترہ موجود نہیں ہیں تو پھر ہمیں زیادہ باریکی میں جانے کی ضرورت کیا ہے؟ بس قرآنی ارشاد کے مطابق قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے جناب عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور کسی اور شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا، جسے ظالموں نے سولی پر چڑھا دیا۔ اور بعد ازاں شک میں پڑ گئے کہ اگر ہم نے عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا تو وہ ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر ہمارا آدمی سولی پر لٹکا ہے تو پھر عیسیٰ کہاں ہے؟ اس سلسلہ میں نصاریٰ کے بڑے فرقے تین ہیں

ا۔ نسطوریہ۔ ۲۔ ملکانیہ۔ ۳۔ اور یعقوبیہ۔ سب کے نظریات جدا جدا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جناب عیسی کا ناسوت مصلوب ہوا اور لاہوت آسمان پر پہنچ گیا اور کوئی کہتا ہے کہ ناسوت کے ساتھ لاہوت بھی مصلوب ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ ان کے پاس اس دعوی کی کوئی دلیل اور اس معاملہ میں کوئی علم موجود نہیں ہے۔ وہ صرف ظن وگمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ ''وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً''۔ ہم سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں کہ اس رفع سے جناب عیسیٰ کے درجہ اور ان کی روحانی بلندی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے ان کی حیات جسمانی کے ساتھ جسمانی بلندی مراد ہے۔ اگر یہ لفظ ''رفع'' تنہا ہوتی تو شاید

اس احتمال کی کوئی گنجائش ہوتی مگر جب یہ صلب اور قتل کی نفی کے مقابلہ میں استعمال ہوئی ہے تو پھر اس سے زندگی کی حالت میں رفع جسمانی ہی مراد ہوسکتی ہے۔کما ہو اوضح من ان یخفی

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ...الآیۃ ۱۵۹

قبل موتہ کی ضمیر کے مرجع میں قدرے اختلاف ہے۔بعض مفسرین نے اس کا مرجع اہل کتاب کو قرار دیا ہے کہ ہر اہل کتاب مرنے سے پہلے جناب عیسیٰؑ پر ایمان لا کر مرتا ہے اور اکثر نے جناب عیسیٰؑ کو اس کا مرجع قرار دیا ہے کہ آپ کے آسمان سے نزول کے بعد اور موت کی آغوش میں جانے سے پہلے جو اہل کتاب زندہ ہوں گے۔وہ آپ پر ایمان لا کر مریں گے۔اس طرح یہ آیت بھی منجملہ دیگر شواہد و دلائل کے جناب عیسیٰؑ کی حیات پر ایک اور شاہد و دلیل ہے۔کہ کچھ لوگ ان کے بارے میں افراط کرتے تھے اور بعض تفریط مگر آپ کی وفات سے پہلے ان پر صحیح طور پر مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں گے اور جو ایسا نہیں کریں گے وہ قتل کر دیے جائیں گے۔

حتی لاتکون فتنة۔ ویکون الدین لله۔یہ اسی وقت ہوگا جب حقیقی دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔ لیظھرہ علی الدین کله۔اور تمام ادیان باطلہ حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ حضرت مہدی کے ظہورؑ اور جناب عیسیٰؑ کے نزول کے بعد ہوگا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت سے بھی اسی آخری قول کی تائید ہوتی ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف راجع ہے کہ ان کی موت سے پہلے سب اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور یہ تب ہوگا کہ جب حضرت مہدی ظہورؑ فرمائیں گے اور جناب عیسیٰؑ ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے (تفسیر قمی)

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ...الآیۃ ۱۶۰

حماقت کی انتہاء ہے؟

فرد جرم جو کہ آیت نمبر ۱۵۳ سے شروع ہوئی تھی یہاں تک بہت لمبی ہوگئی تھی اور سلسلہ کلام بہت طویل ہوگیا تھا تو خدا نے ان کے قدیم و جدید جرائم کی فہرست میں مزید چند جرائم کا اضافہ کر کے یہاں حکم سنایا ہے اور وہ مزید جرائم یہ ہیں

۱۔ان کی ظالمانہ روش و رفتار اختیار کرنے

۲۔خود تو گمراہ تھے ہی اب دوسرے لوگوں کو بھی خدا کی راہ سے روکنے اور انہیں گمراہ کرنے

۳۔سود جیسی مغلظ حرام چیز کو لینے

۴۔اور ناحق لوگوں کا مال کھانے کی وجہ سے ان پر بہت سی حلال نعمتیں حرام قرار دے دی گئیں اور ان کے لئے دردناک عذاب مہیا کیا گیا ہے وہ نعمتیں کونسی ہیں؟ اس کی وضاحت دوسری آیت میں کر دی گئی ہے۔'' حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ''(انعام آیت۔۱۴۶) ہم نے ان پر ناخن والے سب جانور حرام کر دیے اور گائے، بیل اور بھیڑ، بکری کی چربی حرام کر دی یا پیٹ کے اندر کی چیزیں یا جس میں ہڈی کی آمیزش ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔ذلك جزينا هم ببغيهم۔ یہ ہم نے ان کو ان کے ظلم وعدوان کی سزا دی ہے۔وما كنا الظلمين۔

آیات القرآن

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾

ترجمۃ الآیات

البتہ ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان دار ہیں وہ سب اس پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم بہت بڑا اجر وثواب عطا کریں گے۔(۱۶۲) بے شک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح (جناب) نوحؑ اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی تھی (۱۶۳) کچھ پیغمبر وہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے پہلے بیان کر دیے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے آپ سے بیان نہیں کئے اور اللہ نے موسیٰؑ سے اس طرح کلام کیا جیسا کہ کلام کرنے کا حق ہے(۱۶۴) اور (ہم نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور اللہ زبردست، بڑا حکمت والا ہے (۱۶۵) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ پر نازل کیا وہ اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے (بھی) اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اگرچہ گواہی کے لئے اللہ کافی ہے(۱۶۶)

تفسیر الآیات

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ ... الآية ۱۶۲

مگر یہود کے وہ لوگ جو علم میں راسخ اور مضبوط ہیں اور جو کچھ آپ پر اتارا گیا اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا سب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں یعنی جو یہودی اسلام قبول کر کے اہل ایمان کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور شریعت محمدی کی پیروی

کرتے ہیں ہم ان کو اجر عظیم عطا کریں گے۔ لان السعادة لیست وقفا علی قوم دون قوم۔ سعادت وخوش بختی کسی قوم کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ "ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئك هم اصحب الجنة هم فیها خالدون"۔ جو لوگ بھی ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی اصحاب الجنت ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْن

ایضاح

والمقیمین الصلوة۔ اس کا عطف المومنون پر ہے اور نحوی قانون کے مطابق المقیمون ہونا چاہیے تھا۔ تو پھر المقیمین کیوں لایا گیا؟ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں بظاہر سیبویہ کا جواب بہتر ہے یعنی منصوب علی المدح ہے اور وہ فعل محذوف ہے۔ ای امدح المقیمن الصلوة۔ یعنی میں نماز قائم کرنے والوں کی مدح وثنا کرتا ہوں اور نماز قائم کرنے والوں کو اس لئے مدح کے لئے منتخب کیا گیا ہے تاکہ نماز کی قدر و قیمت اور اس کی عظمت وجلالت اجاگر ہو جائے جس پر دوسرے تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے۔ اور المؤتون الزکوہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو کہ "ہم" کی ضمیر ہے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَا ...الآیة ۱۶۳

وحی کے لغوی اور شرعی مفہوم کی وضاحت

لغت عرب میں "وحی" کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے

۱۔ اشارہ جیسے "اوحی الیهم ان سبحوا بکرة وعشیا" جناب زکریاؑ نے ان کو اشارہ کیا کہ صبح وشام خدا کی تسبیح کرو۔ ۲۔ قلبی الہام جیسے "اوحینا الی ام موسی" ہم نے مادر موسیٰؑ کو وحی کی یعنی ان کے دل میں یہ چیز ڈالی۔ ۳۔ فطری ہدایت۔ جیسے "اوحی ربك الی النحل" تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔ یعنی اسے فطری فرائض انجام دینے کی ہدایت کی۔ ۴۔ کلام خفی جیسے "شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض" کہ انسی وجنی شیطان ایک دوسرے کو وحی کرتے ہیں یعنی مخفی طریقے پر ایک دوسرے کو تعلیم دیتے ہیں۔ ۵۔ وہ وحی جو انبیاء ومرسلین کے ساتھ مخصوص ہے اس سے مراد شرعی علوم واحکام کی وحی ہے جو خداوند عالم کبھی بواسطہ فرشتہ اور کبھی بلاواسطہ اپنے انبیاء مرسلین کی طرف کرتا ہے۔ اس معنی میں کسی ولی، وصی اور امام کو وحی نہیں ہوتی، یہ صرف اور صرف نبیوں اور رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہود اس زعم باطل میں گرفتار تھے کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے بعد کسی کو اس وحی نبوت سے مشرف نہیں فرمایا تو خداوند عالم ان کی رد میں فرما رہا ہے کہ جس طرح ہم نے جناب نوحؑ اور ان کے بعد والے

نبیوں کی طرف وحی کی ہے جیسے جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ وامثالہم۔ بالکل اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی وحی کی ہے تو جب یہ لوگ ان حضرات کو نبی تسلیم کرتے ہیں تو آپ کی نبوت کے انکار کرنے کا ان کے پاس جواز کیا ہے؟

ایضاح

اسباط سبط کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں اولاد کی اولاد۔ یہاں جناب یعقوبؑ کے بارہ (۱۲) بیٹوں کی نسل سے ہونے والے انبیاء مراد ہیں۔ بعض اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح جناب اسماعیلؑ کی اولاد کی اولاد کو قبائل کہا جاتا ہے اسی طرح جناب اسحاقؑ کی اولاد کی اولاد کو اسباط کہا جاتا ہے۔ جن میں سے بہت سے نبی ہوئے ہیں۔ جیسے جناب یوسفؑ، جناب داؤدؑ، جناب سلیمانؑ، جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ الغرض جب معیار نبوت وحی ربانی کا نزول اور معجزات کا ظہور ہے تو اس معیار پر پورا اترنے کے باوجود بعض انبیاء کا اقرار کرنا اور بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ بنابریں دوسرے انبیاء کی نبوت کا اقرار کرنے والوں کے لئے حضرت ختمی مرتبت کی نبوت کا اقرار کرنا ناگزیر ہے کیونکہ اللہ نے ان کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح دوسرے نبیوں کی طرف کی ہے اور ان کے مقدس ہاتھوں پر اسی طرح معجزات ظاہر کئے ہیں جس طرح دوسروں کے ہاتھوں پر کئے ہیں۔

وَرُسُلاً قَد...الآیة

خدا نے بعض انبیاء کے حالات بیان کئے ہیں اور بعض کے نہیں کئے

قرآن مجید میں نام بنام تو چھبیس، ستائیس انبیاء کا ذکر خیر کیا گیا ہے جب کہ ان کی مجموعی تعداد کے بارے میں اسلامی روایات اور اقوال و آراء میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے؟ تین سو تیرہ، آٹھ ہزار، ایک لاکھ چوبیس ہزار، مگر جو قول فریقین میں زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ جن میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور باقی نبی ہیں اور پھر ان تین سو تیرہ میں سے پانچ اولی العزم ہیں۔ ۱ جناب نوحؑ۔ ۲ جناب ابراہیمؑ ۳۔ جناب موسیٰ ۴۔ جناب عیسیٰؑ ۵۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ''واللہ اعلم بعدتھم وحقیقتھم ''اس لئے فرمایا کہ ہم نے بعض کے واقعات بیان کئے ہیں اور بعض کے حالات بیان نہیں کئے۔ اس سے غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انبیاء بس صرف اتنے ہی تھے جن کا صراحۃً قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

کیا سارے انبیاء شرق اوسط سے ہی تعلق رکھتے تھے؟

بے شک مشہور انبیاء و مرسلین کا تعلق تو اسی خطہ ارضی سے معلوم ہوتا ہے مگر کیا سارے انبیاء اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے اور مغربی ممالک یا چین و جاپان اور سندھ و ہند سے کبھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا؟ جبکہ قرآن کہتا ہے۔ ''وان من قرية الا وقد خلا فيها نذير'' (فاطر۔) ہر قریہ میں کوئی نہ کوئی نذیر گزرا ہے۔

''ولقد بعثنا فى كل امة رسولا'' (نحل۔۳۶) ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے۔ رسلا مبشرين ومنذرين'' ہمیشہ بشارت و نذارت کا فریضہ انجام دینے والے رسول آتے جاتے رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی نا قابل انکار ہے کہ بلا بیان اور اتمام حجت کے بغیر لوگوں کو سزا دینا خدا کی عدالت کے خلاف ہے اسلئے بعض مفسرین نے دوسرے بعض اقوام میں بعض مذہبی پیشواؤں جیسے ایران کے زرتشت اور ہند کے مہاتما بدھ وغیرہ کے متعلق یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ شاید وہ منصب نبوت و رسالت پر فائز ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان پر آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہوں۔ جن کی مقدس تعلیمات کو بعد میں اسی طرح مسخ کر دیا گیا ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی تعلیمات کو بھلا دیا اور ان کو خدا کا اوتار وغیرہ مان کر اسی طرح ان کے منصب کو فراموش کر دیا گیا ہو جس طرح نصرانیوں نے جناب عیسیٰؑ کے ساتھ کیا کہ انہیں نبی اللہ کے بجائے ابن اللہ تسلیم کر لیا (فصل الخطاب و تفسیر کاشف وغیرہ) علاوہ بریں یہ بشارت ہو یا نذارت، حجت کا اتمام ہو یا حق و حقیقت کا بیان۔ یہ کام نبی و رسول کے ذاتی وجود میں منحصر نہیں ہے کہ وہ ہر قریہ، ہر ملک اور ہر علاقہ میں بنفس نفیس موجود ہوں بلکہ یہ کام ان کے قائم مقام علماء، اعلام، ان کی کتب ان کی شریعت مقدسہ کے ذریعے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ''كما لا يخفى على اولى الافهام''۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔ لم يخل سبحانه خلقه من نبى مرسل او كتاب او حجة لازمة او حجةٍ قائمة۔ (نہج البلاغہ) کہ خدائے علیم و حکیم نے اپنی مخلوق کو کبھی نبی مرسل، یا کتاب منزل یا حجت (نبی کے قائم مقام) یا واضح راستہ یعنی شریعت مقدسہ کے بغیر نہیں چھوڑتا۔ ''بَلۡ هُوَ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا وَّ لٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ'' (سورہ سبا آیت۔۲۶،۲۸)۔ ''وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ'' (سورہ انبیاء آیت۔۱۰۷) صدق الله العلى العظيم

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى ...الآية

خدا کے جناب موسیٰؑ سے ہمکلام ہونے کا مفہوم

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خداوند عالم کے متکلم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ زبان ودہان سے کلام کرتا ہے تاکہ اس کے بارے میں جسم وجسمانیات کا وہم وگمان ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجد کلام ہے۔یعنی وہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کرکے مطلب برآری کرے وہ آسمان میں پیدا کرے یا زمین میں حجر میں پیدا کرے یا شجر میں، ہوا میں پیدا کرے یا فضاء میں وہ قادر وقدیر بھی ہے اور علیم وخبیر بھی۔ارشادقدرت ہے ''وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ''(شوری آیت۔۵۱) کسی بندہ کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے،سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعے سے ہو یا پس پردہ سے یا کسی پیغمبر کو بھیج کر پھر جو چاہے اپنے حکم سے وحی فرمائے کیونکہ وہ بلند مرتبہ اور بڑا حکمت والا ہے کوہ طور پر خدا نے جو حضرت موسی علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ بھی پس پردہ سے تھا کیونکہ یہ کلام ایک درخت میں پیدا کیا تھا۔بہرحال جناب موسیٰؑ سے خدا کے ہمکلام ہونے سے نہ دوسرے انبیاء کی تنقیص مقصود ہے اور نہ جناب موسیٰؑ کی برتری کا اظہار مطلوب ہے بلکہ صرف ایک امر واقعی کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ورنہ ظاہر ہے کہ اس کا خاتم النبین پر روح الامین کو بھیج کر خدا کا ان سے کلام کرنا یا شب معراج بلا واسطہ آنحضرت سے ہمکلام ہونا اس کلام سے بدرجہا بہتر وبرتر ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ...الآية

انبیاء ومرسلین کی بعثت کا مقصد؟

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے انبیاء ومرسلین کی بعثت کا فلسفہ اور اصلی مقصد بیان کیا ہے کہ خدائے حکیم نے ان کو مبشر (اچھے کام کرنے والوں کو جنت کے اجروثواب بے حساب کی خوشخبری دینے والا) اور منذر (برے کام کرنے والوں کو جہنم کے عذاب وعقاب سے ڈرانے والا) بنا کر بھیجا۔تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور کوئی شخص فردائے قیامت خدا کی بارگاہ میں یہ نہ کہہ سکے کہ ''ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع اٰیاتك ''(طٰہٰ آیت۔۱۳۴) اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے! بہرحال اس آیت اور اس جیسی بیسیوں آیات اور سینکڑوں روایات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہے کہ انبیاء ومرسلین لوگوں تک اللہ کا دین پہنچانے کے لئے اور ان کو صراط مستقیم بتانے کے لئے۔ثواب وعقاب بیان فرمانے کے لئے اور حق وحقیقت واضح کرنے کیلئے اور اس طرح لوگوں پر

حجت تمام کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور خدا نے بھیجے ہیں۔ وہ نظام ربوبیت چلانے میں خدا کی مدد کرنے، یا لوگوں کو اولاد و جائیداد دینے کے لئے یا خلق ورزق اور موت وحیات جیسے امور تکوینیہ کی انجام دہی کے لئے نہیں آئے۔ لہٰذا ان سے وہی فیض حاصل کرنا چاہیے جس کے لئے وہ تشریف لائے ہیں۔ اور ان سے ان چیزوں کا سوال نہیں کرنا چاہیے جو ان کے منصب سے وابستہ ہی نہیں ہیں۔ اسی قرآنی بیان سے ان کے اوصیا کی حیثیت کا تعین بھی ہو جاتا ہے کہ وہ بعثت انبیاء کی تکمیل میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں اور نظام ربوبیت چلانے میں خدا کے قائم مقام اور اس کے شریک نہیں ہوتے

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ...الآیة ۱۷۳

اس آیت کی شان نزول میں وارد ہے کہ کچھ یہودی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا تم تو جانتے ہو کہ میں رسول ہوں مگر انہوں نے انکار کیا تو خداوند عالم نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ آپ کے رسول برحق ہونے کی گواہی نہیں دیتے تو نہ دیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اللہ گواہی دیتا ہوں اور میرے فرشتے گواہ ہیں کہ تو میرا رسول ہے (مجمع البیان)۔

بے شک خدا نے مختلف اعصار وادوار میں مختلف نبیوں اور رسولوں پر مختلف آسمانی والہامی کتابیں نازل کی ہیں مگر ان کی حیثیت دلائل نبوت اور معجزہ نبوت کی نہ تھی۔ مگر قرآن تو اپنی غیر معمولی فصاحت وبلاغت اور دیگر وجوہ اعجاز کی وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت خاتمیہ کا معجزہ خالدہ ہے۔ جو اپنے نزول سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک معجزہ تھا، معجزہ ہے اور معجزہ رہے گا۔ لہٰذا اللہ سبحانہ نے اپنے قول وفعل سے اور جبرئیل امین وغیرہ فرشتے جو اس معجز نظام کو لے کر اترے ہیں سب گواہ ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام حق ترجمان ہے اور آپ اس کے نبی مرسل ہیں۔ وکفی باللہ شہیدا۔ اور گواہی کے لئے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔ ع

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں اسے۔

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۟﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا گمراہی میں بہت دور نکل گئے (۱۶۷) بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ظلم وستم کیا، اللہ انہیں بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں کوئی راستہ دکھائے گا (۱۶۸) سوا جہنم کے کوئی راستہ کہ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (۱۶۹) اے لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے رسول حق لے کر آ گیا ہے پس ان پر ایمان لاؤ۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر انکار کرو گے تو (اللہ کا کیا نقصان کرو گے) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے (۱۷۰) اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں نہ کہو مگر سچی بات جناب عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اس نے مریم کی طرف بھیجا۔ اور اللہ کی طرف سے ایک خاص روح ہیں۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور تثلیث (یعنی تین خداؤں) کے قائل نہ ہو۔ اس سے باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تو صرف ایک ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے

سب اسی کا ہے اور اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے(۱۷۱)

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا...الآیۃ

مفسرین اسلام نے لکھا ہے کہ یہ علامات کہ ''خود دین اسلام کا انکار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کی سیدھی راہ سے روکا'' اسلئے بہت سخت گمراہ ہیں اور اپنی گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ چونکہ یہود میں بدرجہء اتم پائے جاتے ہیں لہٰذا اس کے مصداق وہی ہیں (تفسیر کبیر رازی وغیرہ) مگر بموجب المورد لا یخصص الوارد۔ یہ بات صرف یہود میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی قوم وقبیلہ حق کا انکار کرے اور مختلف شکوک وشبہات پیدا کرکے اللہ کے بندوں کو قبول حق سے روکے وہ یہود ہوں یا ہنود نصرانی ہوں یا مجوسی یا کوئی اور قوم وہی اس وعید وتہدید کے مصداق ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا...الآیۃ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور خود کفر کرکے اور لوگوں کو راہ راست سے روک کر اپنے اوپر اور دوسروں پر بھی ظلم کیا۔ یقینا خدا ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں جہنم کے راستہ کے سوا اور کوئی راستہ دکھانے والا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے تمام کفار ومشرکین اور دشمنان اسلام مراد ہیں مگر بعض مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سابقہ آیت یہود سے متعلق ہے جو شکوک وشبہات پیدا کرکے لوگوں کو قبول حق سے منع کرتے تھے مگر یہ آیت ان مشرکین سے متعلق ہے جنہوں نے پیغمبر اسلام اور دوسرے اہل ایمان کے خلاف اعلان جنگ کرکے اور پھر مسلسل جنگیں لڑ کے لوگوں پر ظلم کیا اور بزور شمشیر ان کو حلقہ بگوش اسلام ہونے سے روکا اور ''قد ضلوا واضلوا کثیرا'' کے مصداق قرار پائے۔ یعنی خود گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو گمراہ کیا۔'' اعاذنا اللہ من ھذہ السبحیۃ الغیر المرضیۃ''۔ اور ظاہر ہے کہ جو ضال ہونے کے ساتھ ساتھ مضل بھی ہو خدا ہرگز اسے نہیں بخشتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاس...الآیۃ

پیغمبر اسلام کی آمد کا اعلان

اس آیت مبارکہ میں خالق کون ومکان ہر زمان اور ہر مکان کے انسان کو خطاب کرکے اعلان عام کر رہا

ہے کہ آخری پیغمبرؐ برحق آچکا ہے ان پر ایمان لاؤ۔ان کی اطاعت کرو۔ان کے امر ونہی کے سامنے گردنیں خم کرو۔اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ''۔اور اگر ان پر ایمان نہیں لاؤ گے اور ان کی اطاعت نہیں کرو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔خدا کا اس میں کوئی ضرر وزیاں نہیں ہے۔کیونکہ وہ مالک الملک اور خالق الخلق ہے۔اور تمام کائنات سے بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔اور وہ علیم ہے اسلئے لوگوں کی اطاعت گذاری ومعصیت کاری اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور پھر چونکہ حکیم بھی ہے۔لہٰذا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہر شخص کے ساتھ اس کی روش ورفتار کے مطابق سلوک کرے گا۔یعنی نیکوکاروں کو جزا دے گا اور بدکاروں کو سزا دے گا۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ...الآیۃ ۱۷۱

غلو کے لغوی اور شرعی مفہوم کی وضاحت

غلو کے لغوی معنی ہیں کسی کے جوش محبت وعقیدت میں اسے اس کے مقررہ مقام سے بڑھانا اور حد اعتدال سے تجاوز کرکے بہت دور تک چلا جانا اور اسے خدا کے درجہ تک پہنچانا۔جبکہ اس کے بالمقابل تقصیر کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی عداوت ودشمنی کی وجہ سے اسے اس کے اصلی مقام سے نیچے گرانا۔

ہمیشہ لوگ بزرگوں کے بارے میں افراط وتفریط میں گرفتار رہے ہیں

اقوام عالم کی ''تاریخ'' گواہ ہے کہ ہمیشہ لوگ بزرگان دین کے بارے میں افراط وتفریط میں مبتلا رہے ہیں۔ہمیشہ عقیدت مند جوش عقیدت کی بنا پر ان کو ان کے حقیقی منصب ومقام سے بڑھاتے رہے ہیں۔اور دشمن جوش عداوت کی بنا پر انہیں ان کے اصلی مقام سے گراتے رہے ہیں۔یہی جذبہ عقیدت تھا۔جس نے یہود کو آمادہ کیا کہ وہ جناب عزیز۔کو ابن اللہ کہیں اور اسی جذبہ نے عیسائیوں کو آمادہ کیا کہ وہ جناب عیسیٰؑ کو ابن اللہ قرار دیں اور یہی جذبہ عداوت تھا جس نے یہود کو آمادہ کیا کہ وہ جناب عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ماجدہ مریم بتول پر غلیظ ترین اتہام لگائیں اور انہیں ایک عام شریف آدمی تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیں اور یہی سلوک حضرت پیغمبر اسلامؐ اور ان کے حقیقی جانشین حضرت علیؑ کے ساتھ کیا گیا۔چنانچہ نادان چاہنے والوں نے جوش عقیدت میں انہیں خدا، اور خدا کا اوتار مان لیا اور مخالفین نے نبیؐ کی نبوت اور علیؑ کی ولایت کا بھی انکار کردیا جوش عقیدت والوں نے حضرت علیؑ کو خدا سے بھی بڑھا دیا اور جوش عدوات والوں نے ان کو امیر شام سے بھی گھٹا دیا۔اسی لئے حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''سیھلك فی اثنان ولا ذنب لی محب غال مبغض قال۔دو

قسم کے آدمی میرے بارے میں ہلاک وبرباد ہوجائیں گے مگر میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے ایک (نادان) دوست جو جوش عقیدت میں مجھے میرے مقام سے بڑھائے گا اور دوسرا (نادان) دشمن جو جوش عداوت میں مجھے میری منزل سے گرائے گا۔ (نہج البلاغہ) چونکہ ہر چیز میں اعتدال اچھا ہوتا ہے اور یہی صراط مستقیم ہے اس لئے خدا نے عیسائیوں سے فرمایا کہ اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اس کے عبد ہو کر اس کے رسول ہیں وہ فرزند مریم ہیں، ابن اللہ نہیں ہیں۔ وہ کلمۃ اللہ ہیں، یعنی باپ کے بغیر صرف خالق اکبر کے کلمہ کن سے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ روح اللہ ہیں، یعنی ان کی روح اللہ کی خاص مقدس روح ہے۔ بہر حال تثلیث کے قائل نہ بنو اور تین خداؤں، باپ، بیٹا اور روح القدس کا اعتقاد نہ رکھو اس سے باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ خدا ایک ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اسی کا ہے اور وہ کارسازی کے لئے کافی ہے مگر اس کے باوجود بموجب۔ ع۔

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

خدا نے لوگوں کو غلو سے منع فرمایا۔ رسولؐ نے روکا اور حضرت علیؑ نے ایسا کرنے والوں کو ٹوکا مگر احمق ہیں جو برابر آج تک غلو کر رہے ہیں اور اپنی عاقبت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ اور کچھ عقل وخرد سے عاری لوگ تو جوش محبت میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کے حق میں غلو ہو ہی نہیں سکتا۔

گویند غالیم بثنائے تو یا علیؑ

حق اینکہ من زحق ثنائے تو قاصرم

غلو کے بعض اقسام کا بیان

لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ غلو کے بعض انواع واقسام کا یہاں اجمالاً تذکرہ کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو چاہ ضلالت میں گرنے سے بچایا جا سکے۔ سرکار علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے سابع بحار الانوار میں ان اقسام کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے۔ بنظر اختصار ان کے کلام وبیان کے ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ نبی وامام کے بارے میں کئی طرح غلو متصور ہوسکتا ہے۔

۱۔ ان کو خدا قرار دیا جائے

۲۔ معبود اور خالق ہونے میں انہیں شریک خدا سمجھا جائے

۳۔ یا ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہوا ہے۔

۴۔ خدا ان کے ساتھ متحد ہے

۵۔ یہ بزرگوار وحی والہام ربانی کے بغیر علم غیب پر اطلاع رکھتے ہیں

۶۔ آئمہ اہلبیت علیہم السلام کو نبی ورسول تسلیم کیا جائے۔

۷۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان کی روحیں ایک دوسرے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں

۸۔ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان ذوات مقدسہ کی معرفت آدمی کو خدا کی عبادت سے بے نیاز کردیتی ہے۔

۹۔ ان کی محبت ہوتو گناہ سے بچنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی

۱۰۔ ان ذوات مقدسہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ خدائے قدیر وخبیر نے حضرت نبیؐ وعلیؑ کو پیدا کرکے باقی تمام کائنات کے خلق کرنے، اسے روزی دینے اور مارنے وجلانے اور کائنات کا نظام چلانے کا محکمہ ان کے سپرد کردیا ہے۔ یہ آخری عقیدہ تفویض کہلاتا ہے اور مسلم ہے کہ **المفوضه صنف من الغلاة** یعنی مفوضہ فرقہ بھی غالیوں کی ایک قسم ہے (شرح عقائد شیخ صدوق از شیخ مفید۔ص ۲۱۱)

غالیوں کی مذمت

قرآن وسنت غلو اور غالیوں کی مذمت سے چھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بنظر اختصار ان ارشادات کے یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ تفصیل کے شائقین ہماری کتاب ''**احسن الفوائد اور اصول الشریعه**'' کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں صرف حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کے رسالہ اعتقادیہ سے غلات اور مفوضہ کے بارے میں صحیح شیعی نظریہ پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں ''**در اعتقاد نافی الغلاة ولمفوضه انهم کفار بالله جل اسمه وانهم شر من الیهود والنصاری والمجوس والقدریه والحروریة ومن جمیع اهل البدع ولا بواء المضلة**'' یعنی غالیوں اور مفوضہ کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ لوگ (فی الحقیقت) خداوند عالم کی ذات کے منکر ہیں اور یہ لوگ یہود، نصاری، مجوس اور خوارج وغیرہ تمام اہل بدعت اور تمام گمراہ نظریات رکھنے والے لوگوں سے بدتر ہیں۔ (رسالہ اعتقادیہ، شیخ صدوق علیہ الرحمۃ) مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ غلو سے قرآن وسنت کی اس قدر ممانعت ومناہی کے باوجود لوگوں کی اکثریت آج بھی دینی معاملات کے بارے میں اعتدال کے بارے میں راہبروں اور رہنماؤں کے بارے میں انبیاء وائمہ کے بارے میں اعتدال کا دامن چھوڑ کر غلو وافراط میں مبتلا نظر آتی ہے۔ کوئی ان کو مظہر نور خدا (خدا کا اوتار) کہتا ہے، کوئی انہیں خدائی صفات وکمالات کا حامل قرار دے رہا ہے کوئی ان کو خدا سے متحد کہہ رہا ہے اور کوئی انہیں خدا سے بھی بڑھا رہا ہے۔ الغرض بجائے اس کے کہ لوگ اپنے پیروں، فقیروں (جس کا

اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے) اور اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کی سیرت وکردار اور ان کی روش ورفتار کو قرآن وسنت پر پیش کر کے انہیں پرکھتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ آیا ان کی سیرت وروش قرآن وسنت کے مطابق ہے یا مخالف؟ سو اگر موافق ہوتی تو ان کو پیشوا مانتے ورنہ ان کو چھوڑ دیتے مگر لوگوں نے قرآن وسنت کو اپنے پیشواؤں کی پشت سے باندھ دیا ہے لہٰذا وہ قرآن وسنت کو تو چھوڑ سکتے ہیں مگر اپنی اندھی تقلید کے ماتحت اپنے نام نہاد پیروں اور پیشواؤں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

آیات القرآن

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

عیسیٰ مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں اپنے لئے عار نہیں سمجھتے اور نہ ہی مقرب فرشتے اس میں اپنے لئے کوئی عار محسوس کرتے ہیں اور جو اس کی بندگی میں ننگ وعار محسوس کرے گا اور تکبر کرے گا اللہ سب کو جلد اپنی طرف محشور فرمائیگا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے انہیں ان کا پورا پورا صلہ وثواب دے گا اور اپنے فضل وکرم سے انہیں مزید بھی عطا فرمائے گا۔ اور جنہوں نے (اس کی بندگی سے) ننگ وعار محسوس کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا ان کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی سرپرست پائیں گے اور نہ کوئی یارومددگار (۱۷۳) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نمایاں نور اتارا ہے (۱۷۴) سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور مضبوطی سے اس کا دامن پکڑا تو ضرور اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔ اور ان کو اپنے سیدھے راستہ پر لگا دے گا (۱۷۵) اے رسول یہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کا آدھا ترکہ اس کا ہوگا۔ اور اگر وہ (بہن) مرجائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو (اور ایک بھائی) ہو تو وہ اس کے پورے ترکہ کا وارث ہوگا۔ اور اگر کسی مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو ان کا اس کے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔ اور اگر کئی بھائی بہن ہوں یعنی مرد عورت دونوں ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے (۱۷۶)

تفسیر الآیات

لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ ...الآیۃ ۱۷۲

جناب عیسیٰؑ بندہ خدا ہونے میں کوئی عار نہیں بلکہ فخر سمجھتے ہیں

اس کی شان نزول میں مروی ہے کہ نصاریٰ نجران کے نمائندہ وفد نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے صاحب (ساتھی یعنی عیسیٰؑ) پر عیب کیوں لگاتے ہیں؟ آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا صاحب

کون ہے؟ عرض کیا جناب عیسیٰؑ! فرمایا کیا میں ان پر عیب لگاتا ہوں؟ کہا آپ ان کو عبد خدا کہہ کر اس کا رسول مانتے ہیں۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی (مجمع البیان) مطلب یہ ہے کہ عیسائی خواہ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہیں یا جزو خدا بنائیں خود عیسیٰ تو اپنے کو بندہ ء خدا کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے اپنے لئے سرمایہ ہزار عز وافتخار جانتے ہیں۔ جیسا کہ اپنی ولادت کے چند گھنٹے بعد آپ نے بحکم خدا اعلان فرمایا تھا کہ "انی عبداللہ" (میں بندہ خدا ہوں) حضرت امیر علیہ السلام جنہیں خدا نے قرآن میں نفس نبی کہا ہے اور پیغمبر اسلام نے انہیں دین ودنیا میں اپنا بھائی قرار دیا ہے اور امت کے جاہلوں اور گمراہوں نے آپ کو خدا ٹھہرایا ہے۔ خود بارگاہ رب العزت میں یوں اپنی عبودیت وبندگی پر فخر وناز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں "الٰھی کفی بی عزا ان اکون لك عبدا او کفی لی فخرا ان تکون لی ربا الٰھی وجدتك کما احب فاجعلنی کما تحب" (نہج البلاغہ) "اے میرے معبود میری عزت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر وناز کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے بار الٰہا میں جیسا چاہتا تھا تجھے ایسا پالیا اب تو بھی مجھے ایسا بنائے رکھ جس طرح تو مجھے دیکھنا چاہتا ہے۔

ازالہء اشتباہ

تمام امامیہ اور دیگر محققین اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں مگر اس آیت سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ نہ جناب عیسیٰؑ عبد خدا ہونے میں عار محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ملائکہ مقربین۔ ظاہر ہے کہ ایسے مقام پر ادنی سے اعلی کی طرف ترقی کی جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ اس بات میں نہ وزیر عار سمجھتا ہے اور نہ بادشاہ۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ مقربین مل کر تنہا جناب عیسیٰؑ سے افضل ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ امامیہ اور دیگر محققین کا نظریہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر انبیاء مجموعی طور پر ملائکہ سے افضل ہیں یا ہر نبی ہر ملک سے افضل ہے۔ وبس لہٰذا اگر تمام ملائکہ کسی ایک نبی سے افضل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہر حال آخر میں خدائے قہار نے دھمکی دی ہے کہ جو لوگ خدا کی بندگی میں ننگ وعار محسوس کریں گے اور غرور وپندار کا اظہار کریں گے تو وہ بہت جلد ان کو اپنی بارگاہ میں محشور فرمائے گا اور انہیں عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...الآیۃ ۱۷۳

ہاں البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو بے شک اللہ رب العزت ان کو پورا پورا صلہ وثواب

دے گا اور اپنے فضل وکرم سے (صلہ سے بھی) زیادہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نے کہیں ایک کے بدلے دس کہیں ایک کے عوض ستر کہیں ایک کے بدلے سات سو اور کہیں اضعاف کثیرہ کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک کے بدلے ایک سے زیادہ عطا کرنا خدا کا فضل وکرم ہی ہے۔ **واللہ ذوالفضل العظیم۔**

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآئَكُمْ... الاية

مفسرین اسلام کا قریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت مبارکہ میں برہان سے مراد حضرت رسولؐ ہیں اور نور مبین سے قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ سورہ مائدہ کی اس آیت سے بھی روشن ہے۔ **قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**'' خدائے علیم وحکیم نے آنحضرتؐ کی ذات جامع الکمالات، آپ کے اخلاق عالیہ اور آپ کے صفات جلال و جمال کو آپ کی نبوت ورسالت اور آپ کی صداقت کی وہ ناقابل رد دلیل و برہان قرار دیا ہے کہ جس کے بعد کسی اور دلیل و برہان کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اور قرآن مجید وہ نور مبین ہے جس سے حق کی تجلیاں پھوٹ رہی ہیں اور وہ آپ کی صداقت کا وہ معجزہ خالدہ ہے اور اس سے آپ کی حقانیت اسقدر آشکار ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزہ کی ضروت ہی نہیں رہتی تفصیل معلوم کرنے کے لئے اس تفسیر کے مقدمات میں سے دوسرا مقدمہ دیکھا جائے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... الآية ۱۷۵

جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل وکرم میں داخل کرے گا۔ (جنت الفردوس میں داخل فرمائیگا) اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والی سیدھی راہ پر لگا دے گا۔ یہ آیت ایسی واضح اور محکم آیات میں سے ہے جو اپنے مطلب ومفہوم کے واضح وآشکار ہونے کی وجہ سے مزید کسی تفسیر وتشریح کی محتاج نہیں ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ... الآية ۱۷۶

کلالہ کا مفہوم اور اس کی وراثت کا بیان

اس آیت میں کلالہ کی وراثت بیان کی گئی ہے۔ کلالہ یعنی، بھائی، بہن کی میراث کیونکہ کلالہ اسے کہا جاتا ہے جس کی اولاد لڑکا یا لڑکی موجود نہ ہو۔ اور نہ ہی والدین زندہ ہوں۔ ہاں صرف ایک بھائی یا ایک بہن یا چند بھائی بہن موجود ہوں۔ پھر یہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ پدری و مادری یعنی سگے بھائی۔ ۲۔ صرف پدری بھائی (اس طرح سوتیلے ہوں کہ باپ ایک ہو مگر مائیں

جدا جدا)۔ ۳۔صرف مادری بھائی (اس طرح سوتیلے ہوں کہ ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ) اسی سورہ نساء کی ابتداء میں پارہ نمبر ۴ کے اندر جہاں والدین، اولاد اور زن وشوہر کی میراث کے حصص واحکام بیان ہوئے ہیں وہاں کلالۃ کی میراث کا بیان بھی ہوا ہے کہ ''وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلك فھم شرکاء فی الثلث'' جس کا لب لباب یہ ہے کہ کلالہ ایک ہے۔ تو اس کا چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زائد ہو تو اسے ایک تہائی حصہ ملے گا۔ مگر یہاں کلالہ کی جو میراث بیان کی گئی ہے اس کی مقدار اور ہے؟ تو کیا قرآن میں اور اس کی بھی ایک ہی سورہ کی ابتداء اور انتہا میں اختلاف ہے؟ معاذ اللہ۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ صحیح وارثان قرآن یعنی سرکار محمد وال محمد علیہم السلام نے جو منجانب اللہ ترجمان قرآن ہیں۔ انہوں نے وضاحت فرمائی ہے کہ سورہ کی ابتداء میں جس کلالہ کی میراث بیان ہوئی ہے اس سے کلالۃ الام مراد ہے یعنی وہ اخیافی بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ مختلف ہوں۔ اور یہاں جس کلالہ کی میراث بیان کی جارہی ہے اس سے کلالۃ الابوین (وہ سگے بہن بھائی جن کے ماں باپ ایک ہوں) اور کلالۃ الاب مراد ہے یعنی وہ سوتیلے بہن بھائی جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک معلمان ربانی کی تشریح وتوضیح نہ ہو تب تک قرآنی حقائق کی سمجھ نہیں آتی اس لئے تنہا قرآن کافی نہیں ہے۔ اس لئے پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا ''انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی'' بہرحال جس کلالہ کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے اس کی چند شقیں ہیں۔ ۱۔ ایک شخص مرجائے مگر اس کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی والدین زندہ ہوں۔ ہاں البتہ صرف اس کی ایک پدری مادری یا صرف پدری بہن موجود ہو تو اسے نصف ترکہ ملے گا۔ ۲۔ بہن کا انتقال ہوا مگر اس کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی والدین موجود ہوں جبکہ صرف ایک پدری ومادری یا صرف پدری بھائی زندہ ہو تو وہ پورے ترکہ کا وارث ہوگا۔ ۳۔ ایک شخص کا انتقال ہوا نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ہی والدین زندہ ہیں مگر اس کی دو پدری ومادری یا صرف پدری دو بہنیں موجود ہیں تو انہیں دو ثلث یعنی دو تہائی ترکہ ملے گا۔ ۴۔ اور اگر مذکورہ بالا صورت میں وارثوں میں پدری ومادری یا صرف پدری بھائی بہن موجود ہوں تو وراثت میں بھائی کو دہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔

یُبَیِّنُ اللہ...الآیۃ ۱۷۶

خداوند علیم وحکیم نے وراثت وغیرہ کے احکام پوری وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنے کی غرض وغایت یہ بیان فرمائی ہے کہ تم اجمال کا بہانہ بنا کر اور اپنی مخصوص مصلحتوں کا شکار ہو کر گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہ اسلامی احکام وتعلیمات اس قدر جامع اور مکمل بلکہ اکمل ہیں کہ جن میں کسی قسم کا نقص وعیب اور کسی قسم کا کوئی خلل وریب نہیں ہے کیونکہ یہ اس خدا کے وضع کردہ ہیں جو قادر ہے اور قیوم بھی۔ عادل بھی ہے اور باذل بھی اور سب سے بڑھ کر وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ ذلک تقدیر العزیز الحکیم۔

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ

سورہ مائدہ مدینہ میں نازل ہوا

آیاتہا ۱۲۰ رکوعاتہا ۱۶۔ کلماتہا ۲۸۸۲ حروفہا ۱۲۴۶۴

سورہ مائدہ کے مضامین وعناوین کی مختصر مگر جامع فہرست

اس سورہ مبارکہ میں چونکہ حضرت عیسیٰؑ پر آسمان سے اترنے والے مائدہ (دسترخوان) کا تذکرہ موجود ہے۔ جو کسی دوسرے سورہ میں نہیں اس کی بنا پر اس کا نام مائدہ ہوا ہے۔ حالات وواقعات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس سورہ کا مدینہ منورہ میں نزول صلح حدیبیہ ۶ ھ سے شروع ہوا۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے اختتام کو پہنچا۔ چنانچہ اس کی آیت ''الیوم اکملت لکم'' کے متعلق تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بمقام غدیر خم ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ھ کو نازل ہوئی۔

یہ سورہ درج ذیل اہم مضامین وعناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ چونکہ اس خوان کے علاوہ جو جناب عیسیٰؑ پر اتارا گیا تھا خدا کا خوان نعمت دار دنیا میں بچھا ہوا ہے۔ جس سے ساری کائنات اپنے حصہ کا رزق کھا رہی ہے۔ اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اداء شکر کے طور پر خدا وخلق سے کئے ہوئے عہد وپیمان کو پورا کیا جائے۔ خاص طور پر بین الاقوامی معاہدات کی پابندی اخلاقاً لازمی ہے۔ وعدہ حلیف سے ہو یا حریف سے، دوست سے ہو یا دشمن سے، مسلمان سے ہو یا کافر سے بہر حال اس کو پورا کرنا چاہیے۔

۲۔ شکار کرنے کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر احرام کی حالت میں شکار کرنے کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے نیز اس میں شکاری کتے سے شکار کرنے کا حکم بھی بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ لوگوں سے تعلقات کی اساس اس بات پر ہونی چاہیے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں باہمی تعاون کیا جائے۔

۴۔ مردار، خون اور لحم خنزیر وغیرہ کے کھانے کی حرمت کا بیان

۵۔ بمقام غدیر خم حضرت علیؑ کی ولایت اور ولیعہدی اور دین اسلام کی تکمیل واتمام نعمت کا اعلان کیا گیا ہے۔

۶۔ وضو اور تیمم کی ترتیب اور ان کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۷۔ اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ کے روپ میں نمودار ہو رہے تھے اور طاقت کا نشہ اکثر و بیشتر آدمی کو گمراہ کر دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ دوست و دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کریں اور اپنے فیصلے کتاب الٰہی کے مطابق کریں۔ مصلحتوں کا شکار نہ ہوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کریں اور جاہلیت کے احکام کی اتباع نہ کریں۔

۸۔ نکاح دائمی و منقطع کے شرائط و احکام اور زن کتابیہ سے عقد منقطع کرنے کی اجازت

۹۔ شراب اور جوئے کی حرمت کا بیان۔ اور بغاوت و فساد پھیلانے اور چور کی سزا کہ تعیین اور قانون شہادت میں مزید اضافہ

۱۰۔ قسم توڑنے کا کفارہ

۱۱۔ بارہ سرداروں کا تذکرہ

۱۲۔ یہود و نصاری جن کا اب زور ٹوٹ رہا تھا انہیں ان کے غلط نظریات پر ٹوکا گیا ہے اور انہیں گمراہی پھیلانے سے روکا گیا ہے اور ان کو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

۱۳۔ قتل ناحق کی حرمت اور اس کا بد انجام بیان کیا گیا

۱۴۔ ہابیل و قابیل کے واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۵۔ شریعت اسلامیہ کی بعض جزئیات، مذہبی، تمدنی زندگی کے بارے میں مزید ہدایات اور حج کے آداب، شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم اور حجاج بیت اللہ سے عدم تعرض کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۱۶۔ وسیلہ اختیار کرنے کا حکم

۱۷۔ امت کے مرتد ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے۔

۱۸۔ نصاری کی رد اور عقیدۂ تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے۔

۱۹۔ یہود کے نظریے ید اللہ مغلولۃ کا ذکر اور اس کی رد اور خدا کے فاعل مختار اور قادر مطلق ہونے کا اثبات

۲۰۔ عام شہادت میں دو عادل گواہوں کی ضرورت

۲۱۔ تورات و انجیل اور قرآن کی تعلیمات علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ تمام آسمانی صحف و کتب ایک ہی آسمانی و ربانی چشمہ صافی سے سیراب ہوتی ہیں اور جو کچھ آسمانی صحف و کتب میں نور ہدایت موجود ہے۔ وہ

سب کچھ قرآن میں جمع کر دیا گیا ہے اور مزید برآں اس میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، وتمدنیات اور معاشریات وسیاسیات کا وہ جامع نظام اور مکمل ضابطہ حیات موجود ہے۔ جو ان کتابوں میں نہیں تھا۔ مسلمانوں کو اس میں جا بجا یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہود ونصاری نے تو آسمانی انوار وہدایات سے استفادہ نہیں کیا تھا۔ کہیں تم بھی ان لوگوں کے نقش قدم پر نہ چلنا بلکہ ان ربانی احکام وہدایات سے کما حقہ فائدہ اٹھانا۔ اور دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل کرنا۔

۲۲۔ حضرت عیسیٰؑ کا عیسائیوں کے غلط عقائد اور غلط نظریات سے اپنی برات ظاہر کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ

اظہار تشکر

اور ان سب باتوں سے بڑھ کر اس سورہ کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ اس میں سرکار ختمی مرتبتؐ کے مقدس ہاتھوں پر دین اسلام کی تکمیل اور خدا کی نعمتوں کے اتمام کا اعلان ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خدائے علیم وحکیم نے جناب آدم صفی اللہؑ کو اس خاکدان عالم میں انعام نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا تھا تو انہوں نے پروردگار کے حکم کے تحت دو عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ ایک دین کی عمارت، دوسری اخلاق کی عمارت جوں جوں نبی ورسول آتے رہے وہ برابر ان عمارتوں میں چند اینٹیں لگاتے رہے حتیٰ کہ جناب عیسیٰؑ تشریف لائے اور ادائیگی فرائض کے بعد زندہ آسمان پر اٹھائے گئے مگر کوئی عمارت بھی مکمل نہ ہوسکی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتبان قضا وقدر نے ان دونوں عمارتوں کی تکمیل کی سعادت عبداللہ وآمنہ کے لعل اور حسنؑ وحسینؑ کے جد بزرگوار یعنی اقلیم ختم رسالت کے تاجدار حضرت محمد مصطفی واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حصہ میں لکھ دی تھی۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس وقت تک اس عالم آب وگل سے عالم بالا کی طرف تشریف نہیں لے گئے جب تک خداوند عالم نے ان کے مقدس ہاتھوں پر ان دونوں عمارتوں کی تکمیل نہیں کرادی۔ ادھر آنحضرت کے اس اعلان کہ ''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ''۔ اخلاق والی عمارت مکمل ہوئی اور ادھر خدا کے اعلان ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا '' سے دین والی عمارت مکمل ہوئی۔ الحمدللہ علی اکمال الدین واتمام النعمة

مخفی نہ رہے کہ اس عمارت کی تکمیل کی آخری اینٹ کا نام ''ولایت علیؑ'' ہے۔ والحمد للہ الذی رزقنا ھذہ السعادہ ''حجۃ الوادع سے واپسی پر بمقام غدیر خم بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ وہ ساعت کس قدر سعید ہوگی اور وہ وقت کتنا مبارک ہوگا جب تکمیل دین کا اور اتمام نعمت کا ایمان افزا اعلان ہوا ہوگا۔ اس وقت

صحابہ کرام کے روحانی کیف وسرور کا کیا عالم ہوگا؟ اہلبیت نبوتؑ کی روحانی مسرت وشادمانی کی کیا کیفیت ہوگی؟ تمام کائنات سماوی وارضی اور تمام مخلوقات علوی وسفلی کی خوشی وخرمی کی کیا نوعیت ہوگی؟ اور پھر ساری کائنات نے اس کیف وسرور کا اظہار کس طرح کیا ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے قلم دو(۲) زبان عاجز وحیران ہے۔

ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے؟

الحمد للہ علی ھذہ النعمۃ الکبریٰ والمنحۃ العظمیٰ۔ "ذلك فضل الله یو تیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم"۔

اس سورہ کی فضیلت

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ مائدہ آخری سورہ ہے جو آنحضرتؐ پر مدینہ میں نازل ہوئی، لہذا یہ ناسخ تو ہے مگر منسوخ نہیں ہے۔(مجمع البیان)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مری ہے فرمایا جو شخص ہر خمیس (جمعرات) کے دن سورہ مائدہ پڑھے گا اس کا ایمان کبھی ظلم سے آلودہ نہ ہوگا اور وہ کبھی مشرک نہ بنے گا۔(مجمع البیان)

جناب ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرمارہے تھے کہ سورہ مائدہ یکبارگی نازل ہوئی تھی • اور اس کے ساتھ مشایعت کے لیے) ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے (ایضا)

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡكُمُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡهَدۡیَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَلَا

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو تمہارے لئے چوپائے۔ مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں۔ سوائے ان کے جن کا ذکر تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا۔ ہاں جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے (۱) اے ایمان والو! خدا کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ قربانی والے جانور کی اور نہ گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کی اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے پروردگار کا فضل و کرم اور اس کی رضا مندی کے طلبگار بن کر بیت الحرام (مقدس گھر) کی طرف جا رہے ہیں اور جب احرام ختم ہو جائے (یا حرم سے باہر نکل جاؤ) تو شکار کر سکتے ہو۔ اور خبردار تمہیں کسی قوم سے عداوت کہ اس نے تمہیں مسجد الحرام سے روک دیا تھا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس پر) ظلم

وزیادتی کرو۔ اور نیکی و پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (۲) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھٹا ہوا، یا جو چوٹ لگنے سے یا بلندی سے گر کر، یا سینگ لگنے سے مرجائے یا جسے کسی درندہ نے کھایا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے ذبح کرلیا ہو۔ اور وہ (بھی حرام ہے) جو قربان کیا جائے بتوں پر (یا کسی آستانے پر) نیز (وہ بھی حرام ہے) جو قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے۔ یہ سب کام فسق (گناہ) ہیں آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کرلیا ہے ہاں جو بھوک کی شدت سے مجبور ہوجائے (اور حرام چیزوں سے کوئی کھالے) جبکہ گناہ کی طرف راغب نہ ہو تو اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۳)

تفسیر الآیات

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ ...الآیۃ

عقود عقد کی جمع ہے اور اس کے لغوی معنی اس گرہ لگانے کے ہیں جو بآسانی نہ کھل سکے اور یہ عقد و عہد چونکہ دو آدمیوں کو کسی چیز کا پابند بنا دیتا ہے اس بنا پر اسے عقد کہا جاتا ہے جیسے عقد نکاح، عقد بیع اور عقد العہد وغیرہ، عہد و معاہدہ بھی اسی عقد میں داخل ہے۔ البتہ عقد و عہد میں ایک باریک سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ عقد ہمیشہ دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے جبکہ عہد صرف ایک شخص بھی کرسکتا ہے نیز عقد زیادہ پختہ ہوتا ہے مگر عہد اس کے مقابلہ میں غیر پختہ ہوتا ہے۔

ایفائے عقد اور وفاء عہد واجب ہے

حقیقت یہ ہے کہ وفاء عہد صدق کی جزئیات میں سے ایک اہم جزئی ہے یا یوں کہہ دیجئے کہ وفاء عہد کا درجہ صدق وعدل کے برابر ہے اور اس کی جانب مخالف کا نام غدر ہے جو کذب وظلم کے مساوی یا ان کے برے آثار میں سے ایک بدترین اثر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وفا عہد زبان وعمل کی یک رنگی اور سچائی کا نام ہے اور غدر ان دونوں کی خلاف ورزی کا نام ہے۔

وفاءعہد

انسانیت کے مخصوص فرائض میں سے ایک بہت بڑا فرض ہے اسلئے جو شخص وفاء سے خالی ہے وہ دراصل شرف انسانیت سے محروم ہے۔اس وجہ سے اللہ نے اس کو ایمان میں سے شمار کیا ہے اور لوگوں کی عملی زندگی کے لئے اس کو قوام ٹھہرایا ہے۔کیونکہ انسان ایک ایسی ہستی کا نام ہے جس کے لئے باہمی تعاون لازمی ہے اور ظاہر ہے کہ باہمی تعاون وعدہ کی رعایت اور عہد کی وفا کے بغیر ناممکن ہے اور اگر اسے درمیان سے نکال دیا جائے تو تعاون کے بجائے دلوں میں نفرت اور وحشت جاگزیں ہوجاتی ہے اور زندگی اور اس کی معیشت تباہی وبربادی سے ہمکنار ہوجاتی ہے۔ارشاد قدرت ہے۔''**اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولاً**''۔اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔کیونکہ (فردائے قیامت) تم سے ایفاء عہد کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔''**اوفوا بعهدى اوف بعهدكم**''۔تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔خداوند عالم اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''**والذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون**''۔کہ وہ اپنی امانتوں کو ادا کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کی وفا کرتے ہیں۔وفاء عہد کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے بعض جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی جلالت قدر کی خصوصیات میں سے وفاء عہد کو بھی شمار کیا ہے۔''**واذكر فى الكتب اسماعيل انه كان صادق الوعد وكان رسولا نبيا**''۔اور کتاب (قرآن)

کتاب میں اسماعیل علیہ اسلام کا ذکر کرو۔جو کہ وعدہ کا سچا نبی ورسول تھا۔(از اخلاق اور فلسفہء اخلاق)۔آیت میں عقود کا لفظ ہے جو خالق ومخلوق کے باہمی کئے ہوئے معاہدوں پر حاوی ہے یعنی اس میں وہ معاہدہ بھی داخل ہے جو کوئی بندہ بتقاضائے عبودیت وبندگی اپنے معبود سے کرتا ہے کہ وہ اس کے حکام اور اوامر ونواہی کی تعمیل کریگا۔اور وہ معاہدہ بھی داخل ہے جو کوئی انسان اپنے بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے اس کا تعلق خواہ دینی احکام سے ہو یا دنیوی معاملات سے اس میں افراد کے معاہدے بھی داخل ہیں اور حکومتوں کے بھی ہاں البتہ وہ وعدہ جو کسی خلاف شرع کام کرنے پر کیا جائے جس کی وفا سے جفا لازم آئے یعنی خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس کی ایفاء جائز نہیں ہے۔کیونکہ۔**لاطاعة لمخلوق فى معصية الله**۔جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے (نہج البلاغہ) بانی اسلام نے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے کو نفاق کی علامات میں سے ایک علامت شمار کیا ہے (جامع السعادات وکتاب الخصال)

اضطرار کی حالت میں عہد شکنی جائز ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص وفاءعہد کا پختہ ارادہ رکھتا ہے مگر کچھ واقعی مجبوریوں اور حقیقی معذوریوں کی وجہ سے وعدہ کی وفاء نہیں کرسکتا تو یہ نہ جھوٹ ہے اور نہ اس پر غدر کا الزام عائد ہوسکتا ہے۔ یہ الزام تو تب عائد ہوتا ہے کہ جب شروع ہی سے ایفاء عہد کا عزم وارادہ نہ ہوتا اور اور محض دھوکہ دہی اور دفع الوقتی کے تحت عہد کرتا۔ بہر حال اگر کوئی شخص کسی حقیقی مجبوری سے وعدہ پورا نہ کرسکے تو وہ معذور ہے اور مواخذہ کے قابل نہیں ہے۔''الضرورات تبیح المحذورات''۔

اُحِلَّتۡ لَکُم...الآیۃ

حلال جانوروں کا تذکرہ

یہاں خورد ونوش کے احکام کا تذکرہ بالعموم اور گوشت کا تذکرہ بالخصوص کیا جارہا ہے کہ ہر قسم کے مویشی تمہارے لئے حلال ہیں۔ سوا ان کے جن کا حکم تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا۔ بہیمہ جس کی جمع بہائم ہے کے معنی لغت عرب میں ہر اس جانور کے ہیں جو قوت گویائی نہ رکھتا ہو یعنی خشکی وتری کا ہر چوپایہ علاوہ درندوں اور پرندوں کے اور یہی معنی نعم کے ہیں جس کی جمع انعام ہے چونکہ نزول قرآن کے وقت عربوں میں جو باطل نظریات اور فاسد خیالات پائے جاتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے بعض جانور اپنے اوپر حرام قرار دے رکھے تھے۔ جیسے بحیرہ وغیرہ اور کچھ جانور خدا نے بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام قرار دے دیے تھے۔ تو خدائے مہربان ان سب جانوروں کا گوشت و پوست مسلمانوں کے لئے حلال قرار دے رہا ہے۔ سوا ان کے جس کا تذکرہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۳ میں کیا گیا ہے۔ بعض اخبار وآثار کے مطابق اس بھیمۃ الانعام سے مراد وہ بچے ہیں جو ذبح شدہ حیوان کے پیٹ سے نکلیں اور ان کی ماں کے ذبح ہونے کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی ہو۔ کہ وہ حلال ہیں اور اگر ذبح شدہ ماں کے پیٹ سے زندہ برآمد ہوں تو پھر علیحدہ ذبح کئے جائیں گے (تفسیر عیاشی وصافی)

غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ...الآیۃ ا

احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہے

یہ دوسرا حکم دیا جارہا ہے کہ حج وعمرہ کے احرام کی حالت میں خشکی کے جانور کا شکار کرنا حرام ہے اور

اس کا گوشت کھانا بھی حرام اور اگر کسی اور شخص نے شکار کیا ہو تو اس کا گوشت بھی محرم کے لئے ممنوع ہے۔ ہاں البتہ جب احرام کھل جائے اور آدمی حرم سے باہر نکل جائے تو پھر شکار کرسکتا ہے اور اسی طرح اہلی (پالتو) جانوروں کے ذبح کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بلا شبہ اللہ جو چاہتا ہے وہ احکام جاری کرتا ہے۔ لہٰذا کسی بندہ کہلانیوالے کو اپنے معبود کے حکم کے سامنے چوں و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ ...الآیۃ ۲

شعائر اللہ کے مفہوم کی وضاحت

یہاں شعائر اللہ اور دوسری بعض محترم چیزوں کی ہتک حرمت کرنے کی اہل ایمان کو مناہی کی جارہی ہے۔ شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر وہ علامت جس کی نسبت اللہ کی طرف ہو اور جس سے حق و باطل کی پہچان ہوسکے۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''**والبدن جعلناھا من شعائر اللہ**''۔ کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے یہاں خدائے منان اہل ایمان کو شعائر اللہ، شہر حرام۔ ہدی، قلائد اور بیت اللہ الحرام کا قصد کرنے والے اہل اسلام کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمارہا ہے۔

۱۔ شعائر اللہ کی وضاحت ہوچکی۔ ۲۔ اشہر حرام چار ہیں (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب)۔ ۳۔ الہدی اور۔ ۴۔ القلائد کا اطلاق قربانی کے جانوروں پر ہوتا ہے اور ان کا باہمی فرق صرف یہ ہے کہ جن جانوروں کی قربانی ہوگئی ہے وہ ''الھدی'' میں داخل ہیں اور جن کی ہنوز قربانی نہیں ہوئی اور ابھی اس کی گردن میں پٹے ڈالکر ہمراہ رکھا گیا ہے اور اپنے وقت پر ان کی قربانی کی جائے گی وہ القلائد ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ''**الھدی** اور **القلائد**'' دونوں شعائر اللہ کے عموم میں داخل ہیں مگر اس تعمیم کے بعد ان کا بالتخصیص ذکر کرنا ان کی اہمیت و عظمت کی دلیل ہے۔

۵۔ بیت اللہ کا قصد کرنے والا مسلمان کیسا بھی ہو؟ اور جس رنگ و روپ میں نکلے بہر حال اس کی ہتک حرمت حرام ہے اور چونکہ اب اس کی ہر چیز شعائر اللہ میں داخل ہوچکی ہے لہٰذا اس کا احترام لازم ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**۔ یعنی شعائر اللہ کا احترام کرنا قلبی تقویٰ اور دلی خوف و خشیہ کی علامت و دلیل ہے۔ اس مقام پر علامہ سید علی نقی رقمطراز ہیں ''ان سب کی حرمت ہے اور ان کی حرمت کو برباد کرنے سے ممانعت کی جارہی ہے اور جب کہ وہ جانور جو بغرض قربانی لے جائے جارہے ہیں۔ شعائر اللہ ہیں وہ انسان کیونکر قابل حرمت نہ ہوں گے جو رضائے الٰہی کے جادہ پر سالک ہیں۔ چنانچہ صراحت کے ساتھ ان

جانوروں کے تذکرہ کے بعد ان سالکوں کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان جانوروں کا احترام مطلوب باری ہے تو ان انسانوں کی تعظیم و تکریم جو اپنی پوری زندگی راہ خدا میں صرف کر دیں اور آخر میں اسی کی راہ میں نثار ہو جائیں داخل شرک کیوں کر ہو سکتی ہے''؟ (فصل الخطاب)۔

وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ...الآیۃ

اسلام کی عادلانہ اور شریفانہ تعلیم

اہل مکہ اپنے قدیمی دستور کے مطابق حج و عمرہ کے قصد سے کسی بھی آنے والے پر کوئی پابندی نہیں لگاتے تھے بلکہ اسے مہمان حرم سمجھ کر اس کا احترام کرتے تھے اور اس کی خاطر و مدارات کرتے تھے مگر ۶ ھ میں جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ تشریف لائے تو کفار مکہ نے اپنی قدیمی روایات کے خلاف آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ مسلمانوں کے جذبات کس قدر مجروح ہوئے ہوں گے؟ اور ان کے دل و دماغ کو کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے وہ جوابی کاروائی کر سکتے تھے اور ان مشرکوں کو مکہ آنے سے روک سکتے تھے جن کے راستے مسلمانوں کے علاقے سے گذرتے تھے۔ مگر رحیم و کریم خدا نے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے اور دوست و دشمن کے ساتھ اسلامی عدل و انصاف کرنے کا عادلانہ حکم دیتے ہوئے فہمائش کی کہ دشمن جس قدر گھٹیا حرکت کرے اور جس قدر اخلاق باختگی کا مظاہرہ کرے مگر ایک مسلمان کو عدل و انصاف اور شرافت و شائستگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور کبھی دشمن پر ظلم و تعدی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ہے اسلام و قرآن کی وہ بلند مرتبہ تعلیم جس کا مقابلہ کرنے سے ادیان عالم قاصر نظر آتے ہیں۔ اسلام دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کے حقوق کی بھی نگہداشت کرتا ہے۔ ع

بخش دو گر خطا کرے کوئی

نہ کہو گر برا کہے کوئی

بہر حال حالات کے مطابق اسلام کبھی علاج بالمثل کا حکم بھی دیتا ہے۔ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ۔ (بقرہ آیت۔ ۱۹۴) اور کبھی عفو و صفح کا حکم دیتا ہے۔ الا فاعفوا و اصفحوا۔ سچ ہے کہ

نہ ہر جا بود مر کہے تاختن

کہ جاہا بود سپر انداختن

کیونکہ ع

ہر سخن جائے وہر نکتہ مقامے دارد!!

تَعَاوَنُوۡا ...الآیۃ

انسان مدنی الطبع ہے

خدائے علیم وحکیم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا فرمایا ہے کوئی بھی شخص تن تنہا اپنے تمام امور معاش ومعاد کو انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اکیلا اپنی ضروریات زندگی مہیا کرسکتا ہے بلکہ وہ ہر ہر قدم اور ہر ہر موڑ پر اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے ابناء نوع کے باہمی تعاون وتعاضد کا محتاج ہے اور مہد سے لیکر لحد تک محتاج ہے۔ اور اسی طریقہ کار پر خوشگوار زندگی گذارنے کا دارومدار ہے اور اس کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ منقول ہے کہ ایک شخص خدا سے یہ دعا مانگ رہا تھا۔ ''اللھم لا تحوجنی الی احد من خلقك''۔ یا اللہ! مجھے اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہ کر۔ جب حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس کی یہ دعا سنی تو فرمایا اس طرح دعا نہ مانگ بلکہ یوں کہہ۔ ''اللھم لا تحوجنی الی شرار خلقك''۔ یا اللہ! مجھے برے لوگوں کا محتاج نہ کر (بحار الانوار)۔ یہی وجہ ہے کہ قادر وقیوم اور علیم وحکیم پروردگار نے مختلف لوگوں کے دل ودماغ میں مختلف کام کرنے کی خواہش اور صلاحیت ودیعت فرمائی ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل اورا دردیش اند اختند

اسی پر کارگاہ ہستی کا نظام رواں دواں ہے اور ہر شخص زندگی کی دوڑ میں بھرپور حصہ لے رہا ہے

کل حزب بما لدیھم فرحون۔

اچھے کاموں میں باہمی تعاون ممدوح اور برے کاموں میں ممنوع ہے

مگر ظاہر ہے کہ کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ا۔ اچھے کام۔۔ ۲ برے کام

اگر یہ باہمی تعاون اچھے کاموں میں کیا جائے تو اس کے بڑے اچھے اور خوشگوار نتائج برآمد ہوسکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن اگر یہی تعاون برے کاموں میں کیا جائے اور جرائم پیشہ لوگ باہمی تعاون اور اجتماعی طور پر چوری چکاری، قتل وغارت، زناکاری وشرابخواری وغیرہ۔ جرائم کرنے لگیں تو پھر۔ ع

انجام گلستان کیا ہوگا؟

کیااس طرح ظلم وجور کا بازار گرم نہیں ہوجائے گا؟ اورنظام عالم درہم برہم نہیں ہوجائے گا؟ اس لئے اسلام اورقرآن اپنے ماننے والوں کو یہ حکیمانہ حکم دے رہا ہے کہ تمہارے باہمی اور بین الاقوامی تعلقات، مراسم اور روابط کی اساس اور بنیاد نیکی کے کاموں میں باہمی تعاون وتناصر پر ہونی چاہیے۔ اوراس راہنما اصول میں دوست ودشمن میں تفریق نہیں کرنی چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی دشمن کوئی اچھا کام واقدام کرتا ہے تو اس کے ساتھ ضرورتعاون کرنا چاہیے اوراگر کوئی دوست برا کام واقدام کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہرگز تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ...الآية

حرام جانوروں کا بیان

یہاں ان جانوروں کا ذکر کیا جارہا ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں اور جن کی حرمت کی طرف اس سورہ کی پہلی آیت میں اشارہ کیا گیا تھا (الا مایتلی علیکم) اور وہ چند ہیں

۱۔ میتۃ (مردار) ۲۔ خون جھندہ جو ذبح کے وقت نکلتا ہے۔ ۳۔ خنزیر کا گوشت۔ ۴۔ وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے ان چاروں کی تفسیر وتشریح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کے ذیل میں کی جاچکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ بہرحال ''قبروں اور درگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لئے بھی سوچ لیں'' (تفسیر ماجدی)

وَالۡمُنۡخَنِقَةُ...الآية

۵۔ وہ جانور جو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو یا کسی جال وغیرہ میں پھنسنے کی وجہ سے اور پھر دم گھٹ جانے کے باعث مرگیا ہو

۶۔ موقوذہ۔ وہ جانور جسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ کی ضرب شدید سے ماردیا گیا ہو

۷۔ متردیہ۔ وہ جانور جو پہاڑ یا کوٹھے کی چھت وغیرہ کسی بلندی سے نیچے گر کر مرجائے، کنویں میں گر کر مرنے والے کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ بھی حرام ہے۔

۸۔ نطیحہ۔ وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرجائے اور یہی حکم اس جانور کا ہے جو کسی ریل یا بس وغیرہ سے تصادم کی وجہ سے مرجائے۔

۹۔ وما اکل السبع۔ وہ جانور جسے کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو

اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ...الآية

یعنی یہ مذکورہ بالا پانچ اقسام (۵ سے لیکر ۹ تک) سب حرام ہیں ان کا کھانا جائز نہیں ہے، سوا اس کے کہ وہ زندہ ہوں اور انہیں ذبح کرلیا جائے تو اس صورت میں وہ حلال ہوں گے اور ان کا کھانا جائز ہوگا۔ اس استثناء کا ان پانچ قسموں سے تعلق ہے۔ لیکن یہ پہلی چار قسموں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ مردار اور خون میں تو اس بات کا امکان ہی نہیں ہے کہ انہیں ذبح کیا جائے اور جہاں تک ''لحم خنزیر'' اور ''ما اھل لغیراللہ'' کا تعلق ہے تو ان کی حرمت ذاتی ہے لہٰذا انہیں ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ان کو ذبح کرنا یا نہ کرنا برابر ہے وہ بہرحال حرام ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا اقسام میں سے نمبر ۵ سے لیکر ۹ تک سب ''میتۃ'' (مردار) میں داخل ہیں اور مردار حرام ہے تو پھر ان اقسام کا علیحدہ تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ اقسام میتۃ میں داخل ہیں اور اسی کی مختلف شکلیں ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ جاہلیت کے دور میں عرب ان پانچ قسم کے مردہ جانوروں کو کھاتے تھے حالانکہ وہ خبائث میں داخل ہیں اسلئے ضرورت تھی کہ ان کی حرمت کی صراحت کی جائے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ... الاية

نصب۔ نصاب کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ خاص پتھر ہیں جو خانہ کعبہ کے اردگرد نصب کئے گئے تھے۔ دور جاہلیت میں مشرکین ان کی پرستش بھی کرتے تھے اور ان کے لئے جانوروں کی قربانی بھی کرتے تھے۔ صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں ''اور اس سے مراد ہر ایسی جگہ ہوسکتی ہے جو مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے لئے مخصوص ہو'' (ضیاء القرآن ج ۱) ظاہر ہے کسی پتھر پر فی نفسہ جانور ذبح کرنا حرام نہیں ہے اگر حرام ہے تو خبیث نیت کیوجہ سے

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ... الآية

یعنی جوئے میں استعمال ہونے والے تیر۔ ازلام۔ زلم کی جمع ہے۔ جو لکڑی کے اس تیر کو کہتے ہیں جو اسی کام کے لئے مخصوص تھے اور یہ تین تیر ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا ''امرنی ربی'' دوسرے پر لکھا ہوتا ''نہانی ربی'' اور تیسرا خالی ہوتا تھا تو جب کوئی کام و اقدام کرنا ہوتا تو ان تینوں قسم کے تیروں کو گڈمڈ کرکے اور آنکھیں بند کرکے ایک کو اٹھاتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے خداداد عقل وخرد کو معطل کردیا تھا اور اس سے کسی کام کے نفع ونقصان کے بارے میں غور وفکر

نہیں کرتے تھے اور اسی طریقہ کار سے روزی تلاش کرتے تھے جسے خداوند عالم نے حرام قرار دیا ہے۔(مجمع البیان۔تفسیر کاشف)

جوئے کے تیروں کی تفصیل

دوسری روایت کے مطابق جو صادقین سے مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگوں نے قسمت آزمائی کے لئے دس تیر مقرر کر رکھے تھے جن میں سے سات تیروں پر مختلف حصے ملتے تھے اور تین پر کچھ نہیں ملتا تھا اس سات تیروں کے نام یہ تھے۔

۱۔فذیر۔۲۔توام۔۳۔مسبل۔۴۔نافس۔۵۔حلس۔۶۔رقیب۔۷۔معلّٰی۔پھر حصوں کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ فذیر پر ایک حصہ۔۲۔توام پر دو حصے۔۳۔مسبل پر تین حصے۔۴۔نافس پر چار حصے۔۵۔حلس پر پانچ حصے۔۶۔رقیب پر چھ حصے۔۷۔اور معلّٰی پر سات حصے اور جن تیروں پر کچھ نہیں ملتا تھا ان کے نام یہ تھے۔

۱۔سفیح۔۲۔منیح۔۳۔وعد۔پھر اونٹ وغیرہ جانور ذبح کر کے اس کے گوشت کو مختلف حصوں پر تقسیم کر دیتے تھے اور پھر جوئے کے ان تیروں کے ذریعہ سے باہم گوشت تقسیم کرتے تھے۔چنانچہ کسی کو کم حصہ ملتا تھا اور کسی کو زیادہ اور کوئی بالکل محروم رہتا تھا اور پھر ظلم بالائے ظلم یہ تھا کہ اس ذبح شدہ جانور کی قیمت وہ بدقسمت آدمی ادا کرتا تھا جسے گوشت سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا یہ تھا وہ جوا جس کو خدا نے حرام قرار دیا ہے(تفسیر قمی)ارشاد قدرت ہے''ذلك فسق'' یہ طریقہ کار فسق و فجور ہے اور اللہ کی اطاعت گذاری سے خروج اور اس کی معصیت کاری میں دخول کا باعث ہے اسلئے گناہ عظیم ہے صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں''علماء نے فرمایا ہے کہ آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے جتنے طریقے رائج ہیں خواہ جفر کے ذریعہ یا ہاتھ کے نقوش دیکھ کر یا فال وغیرہ نکال کر یہ سب طریقے استقسام بالازلام کے حکم میں ہیں''(معارف القرآن ج ۳)الغرض جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں وہ خواہ لاٹری ہو میسر ہو ازلام ہوں یا فارس وروم میں شطرنج اور چوسر کے مہرے ہوں۔

جوئے کی حرمت کیوجہ؟

یہ سب اقسام حرام ہیں اور ان کے ذریعہ سے روزی کمانا ناجائز ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ایک شخص ذہنی کاوش اور بدنی مشقت کے بغیر آنا فانا امیر کبیر بن جاتا ہے اور دوسرا چشم زدن میں قلاش و کنگال بن جاتا ہے جو اپنے گھر کا نہ صرف تمام اثاثہ بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اپنی عرض و ناموس کا سودا کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے اسلئے اسلام نے اسے حرام قرار دے کر اس عظیم خرابی و بربادی کے سامنے بند باندھ دیا ہے۔

آیات القرآن

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵﴾

ترجمۃ الآیات

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کونسی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے سب پاک و پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو جن کو خدا کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق (شکار پر چھوڑتے وقت خدا کا نام لے لو۔ اور اللہ سے (اس کی معصیت کاری سے) ڈرو۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۴)
آج تمہارے لئے سب پاک و پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور اہل کتاب کا طعام (اناج) تمہارے لئے حالا ہے اور تمہارا طعام (اناج) ان کے لئے حلال ہے اور پاکدامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں (اہل کتاب) کی پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (وہ تمہارے لئے حلال ہیں) بشرطیکہ تم ان کی اجرتیں (حق مہر) دے دو۔ اور وہ بھی

اپنی پاکدامنی کے تحفظ کی خاطر نہ کہ آزاد شہوت رانی کی خاطر اور نہ ہی چوری چھپے ناجائز تعلقات قائم کرنے کے لئے اور جو ایمان کا انکار کرے (اور کفر اختیار کرے) تو اس کے سب عمل اکارت ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔(۵)

تفسیر الآیات

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ...۳الآية

آج کے دن کافر مایوس ہو گئے اس سے آگے ہے۔**الیوم اکملت لکم**۔آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اس سے پہلے گیارہ قسم کے ان جانوروں کا ذکر ہے جن کا گوشت حرام ہے۔آخر میں ہے۔**فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم**۔جو شخص بھوک کی وجہ سے حرام کھانے پر مجبور ہو جائے جبکہ گناہ کا مرتکب نہ ہو (عمداً نہ کھائے) تو خدا غفور و رحیم ہے۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ پارہ نمبر ۲ میں خدا نے مردار، خون اور لحم خنزیر وغیرہ کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا۔**فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه**۔جو شدت بھوک سے لاچار ہو جائے جبکہ نہ باغی ہو اور نہ عادی ہو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔اول اور آخر ایک ہی مضمون ہے اور بالکل باہم مربوط بھی ہے اور یہ درمیان میں بالکل الگ تھلگ اور اجنبی مضمون آجاتا ہے۔**الیوم یئس الذین کفروا**۔**الیوم اکملت لکم دینکم**۔اس کا اول اور آخر سے کوئی ربط و تعلق معلوم نہیں ہوتا اس آیت کے موقع محل کو دیکھا جائے تو اسی مقام کی آیت محسوس ہوتی ہے اور اگر اس کے مضمون و مفاد پر غور کیا جائے تو کسی اور مقام کی مستقل آیت معلوم ہوتی ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ آیت کسی اور جگہ کی ہے اور جمع کرتے وقت کسی وجہ سے اور جگہ رکھدی گئی ہے۔اس میں کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ایسا ہوا ہے مدنی سورے پہلے اور مکی سورے بعد میں رکھے گئے ہیں اور پھر مکی سوروں میں مدنی سوروں کی آیتیں اور مدنی سوروں میں مکی سوروں کی آیتیں رکھدی گئی ہیں۔چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تفسیر ماجدی میں سورہ فاتحہ کے حاشیہ نمبر ۳ میں رقمطراز ہیں "قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانہ نزول کی گئی ہے جو سورتیں قبل ہجرت نبوی مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہے اور جو سورتیں بعد ہجرت نبوی نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدنی سورہ کے اندر مکی آیتیں رکھادی ہیں اور یا اس کے برعکس اسلئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے" (تفسیر ماجدی ص ۲ حاشیہ نمبر ۳)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ...۳الآیہ

شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں

فائدہ:

یہ جو فرمایا کہ آج پورا دین تمہارا مکمل ہو چکا۔ یہ آیت آخر کو اتری ہے کہ سب احکام اللہ کے نازل ہو چکے تھے اس کے بعد تین مہینے حضرت زندہ رہے (موضح القرآن) اور صاحب تفسیر جلالین نے اعتراف کیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں مقام عرفہ اتری ہے (جلالین)

اس آیت کی تاریخ نزول

مگر جو حقیقت فریقین کی کتب تفسیر وحدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سورہ مائدہ وہ آخری سورہ ہے جو سب کے آخر میں نازل ہوا اور یہ آیت اس آخری سورہ کی آخری آیت ہے اور اس کے بعد نہ کوئی نیا حکم نازل ہوا اور نہ کوئی آیت نازل ہوئی اور یہ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ نہیں بلکہ بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ بمقام غدیر خم نازل ہوئی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ بھی مکمل ہوگئی کہ سب احکام نازل ہو چکے اور دین بھی مکمل ہوگیا کہ اس کی حفاظت کا انتظام ہوگیا۔ جو آنحضرتؐ کے بعد صبح قیامت کے طلوع ہونے تک قائم رہے گا۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ **المائدہ آخر القران تنزیلا فاحلو احلالھا وحرموا حرامھا**۔ یعنی سورہ مائدہ آخری سورہ ہے جو نازل ہوا لہٰذا اس کے حلال کو ہمیشہ حلال اور اس کے حرام کو ہمیشہ حرام سمجھو (تفسیر روح المعانی)

آیت تکمیل دین کی شان نزول اور حضرت علیؑ کی خلافت الٰہیہ کا اعلان

فتح مکہ کے بعد ماہ ذی القعدۃ ۱۰ھ میں حضرت رسول خداؐ نے اعلان کرایا کہ جو شخص آنحضرتؐ کے ساتھ آخری حج کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے وہ تیار ہوجائے اس طرح لوگ جوق در جوق جمع ہونا شروع ہوگئے۔ چنانچہ جب آپ ۲۵ ذی القعدہ کو حج کے ارادے سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ کم از کم نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا مجمع تھا (سیر آف اسلام وتاریخ کامل وغیرہ) پھر راستہ میں برابر اس تعداد میں اضافہ ہوتا گیا بالآخر اختتام حج کے وقت یہ سارا مجمع عام آپ کے ہمراہ تھا اور جب واپسی پر آپ بمقام غدیر خم پہنچے تو اس وقت رب جلیل کے حکم سے جناب جبرئیلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ **یا ایھالرسول بلغ**

ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمك من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ وہاں نہ کوئی منزل تھی اور نہ کوئی مکان نہ کوئی سایہ دار درخت تھا اور نہ کوئی سائبان تمازت آفتاب سے ریگستان عرب قیامت کا منظر پیش کررہا تھا۔ آنحضرتؐ نے وہیں رحل اقامت ڈالدیا۔ اور جولوگ آگے نکل گئے تھا ان کو واپس بلوایا اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار فرمایا! الغرض جب سب لوگ جمع ہوگئے اور میدان غدیر لوگوں کے جم غفیر سے چھلکنے لگا تو آپ پالانوں یا بروایتے پتھروں سے بنائے گئے انوکھے منبر پر تشریف لے گئے اور ایک فصیح وبلیغ اور طویل خطبہ دیا جس میں اسلام کا خلاصہ بیان فرمایا اور اب تک نازل شدہ دین کے بلاکم وکاست لوگوں تک پہنچانے کا لوگوں سے اقرار کرایا۔ بعدازاں فرمایا! ''یا معشر المسلمین الست اولی بکم من انفسکم''۔ کیا میں تمہارے مال وجان میں تم سے زیادتصرف کرنے کا حقدار نہیں ہوں؟ سب حاضرین نے بیک زبان ہوکر کہا بلی بلی یا رسول اللہ۔ ہاں ہاں آپ یقینا ایسے ہیں تب حیدر کرار کا بازو پکڑ کر فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ بعدازاں یوں دعا فرمائی۔ ''اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ''۔ (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ اسباب النزول واحدی ۱۵۰ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳۲ عمدۃ القاری شرح بخاری، مستدرک حاکم، حلیۃ الاولیاء اصفہانی، تاریخ ابن عساکر، مطالب السوال، فصول مہمہ، مناقب ابن مردویہ، ینابیع المودت، ارجح المطالب وغیرہ)

حضرت علیؑ کی ولی عہدی کی رسم دستار بندی

مختلف اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ جب میدان خم غدیر کے مجمع عام میں حضرت علیؑ کی ولیعہدی کا اعلان ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ کو دستار بندھا کر اس تقریب سعید کو من کل الوجوہ مکمل کردیا۔ چنانچہ خود جناب امیر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ۔ عممنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ (والہ) وسلم فسدلھا خلفی وفی لفظ فسدل طرفیھا علی منکبی وقال ان اللہ امدنی فی یوم بدر وحنین بملائکۃ یعتمون ھذہ العمامۃ۔ یعنی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم والے دن میرے سر پر عمامہ باندھا اور اس کا ایک شملہ میرے پیچھے ڈال دیا۔

اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا اس کے دونوں سرے میرے کندھے پر ڈال دیے اور فرمایا کہ خدا نے جنگ بدر وحنین میں جن فرشتوں کے ذریعہ سے میری مدد کی تھی انہوں نے اسی طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو (عمدہ القاری ج ۱۰ ص ۲۳۳ کنز العمال ج ۸ ص ۶۰، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۱۷ وغیرہ)

تقریب سلام ومبارک بادی

متعدآثار سے آشکار ہوتا ہے کہ دستار بندی کے بعد آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ۔سلموا علی علی بامرۃ المومنین۔کہ حضرت علیؑ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کرو۔چنانچہ صحابہ کرام نے حکم نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے جناب امیرعلیہ السلام کو سلام کیا اور ہدیہ مبارک باد پیش کیا(ملاحظہ ہو حبیب السیر ج۱ص۷۷، ج۳ ص۷۶،و۷۷، معارج النبوۃ رکن ۴ص۱۱۳، کنزالعمال ج۸ص۶۰، شرح مواقف ص۷۳۹،تفسیر کبیر ج۳ص۶۳۶)وغیرہ

آیت تکمیل کا نزول

بہرحال جناب امیرعلیہ السلام کی خلافت کے فعلی تقریب کا یہ آخری مظاہرہ بھی ہو چکا جس فعلیت کا خداخواہاں تھا ورنہ قولی تقررکا اعلان تو اعلان نبوت والے دن سے لیکر آج تک برابر ہوتا رہتا تھا یہ اعلان آج کوئی نئی بات نہ تھی صرف رسم ولیعہدی پوری کی گئی تھی اور یہی۔وان لم تفعل فما بلغت رسالته۔کا مفاد وماحصل تھا۔

الغرض جب یہ سب کچھ ہو چکا تو خدائے علیم وحکیم نے آنحضرت کو تکمیل دین کی سند دیتے ہوئے یہ آیت مبارکہ نازل کی۔**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی رضیت لکم الاسلام دینا**۔ملاحظہ ہو(تفسیر درمنثور ج۲ص۲۵۹،طبع مصر،تفسیر ابن کثیر ج۲ص۱۲،تذکرہ سبط ابن جوزی ص۱۲وغیرہ)

بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ یہ بشارت سن کر بہت خوش وخرم ہوئے اور یوں اظہار تشکر فرمایا۔**اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی وولایۃ علی ابن ابیطالب**۔(مفتاح النجافی مناقب آل العبا فاضل بدخشی)

یَسْئَلُوْنَكَ...الآیۃ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خداوندعالم نے گیارہ قسموں کے جانوروں کی حرمت کا تذکرہ فرمایا تو لوگوں نے فطری طور پر حضرت رسول خدا سے سوال کیا کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟اس کے جواب میں خداوند علیم وحکیم نے فرمایا کہ دیجئے کہ سب پاک وپاکیزہ چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں اس اجمالی جواب سے اشیاء میں اصل حلیت کی صحت پر استدلال کیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حرمت کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے بہرحال یہ

مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض فقہا اصل حلیت اور بعض اصل حرمت اور بعض توقف کے قائل ہیں اور اس موضوع پر آیت مبارکہ۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ کی تفسیر میں جلد اکے اندر اجمالاً گفتگو کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

طیبات اور خبائث سے کیا مراد ہے؟

قرآن مجید میں قریباً پندرہ مقامات پر طیبات کے حلال ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور متعدد مقامات پر خبائث کی حرمت بیان کی گئی ہے اب قابل غور بات یہ ہے کہ طیبات سے مراد کیا ہے؟ اس کا پہلا اور مختصر جواب تو یہ ہے کہ طیب وہ ہے جو خبیث نہ ہو۔ خبیث جیسے مردار، خون، لحم خنزیر، وغیرہ جو کسی بھی وجہ سے انسان کے لئے ضرر رزیاں کا باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے خدائے حکیم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ وحرم الخبائث۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ طیب وہ ہے جسے عقل سلیم اور طبع قویم پسند کرے اور اس میں رغبت کرے۔ بنابریں خبیث وہ چیز ہوگی جسے ذوق سلیم و عقل قویم اور طبع مستقیم ناپسند کرے اور اس سے نفرت کرے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ طیب وہ ہے جسے خدا حلال قرار دے اور خبیث وہ ہے جسے خدا حرام قرار دے۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ...الآیۃ

حلال جانوروں کے گوشت کے حلال ہونے کا یک طریقہ کار تو وہ ہے۔ جو عموماً ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ حیوان کو شرعی طریقہ کار کے مطابق ذبح یا نحر کیا جائے۔ اس آیت شریفہ میں ان کی حلیت کا ایک اور طریقہ بتایا جا رہا ہے اور وہ ہے شکاری کتے کے ذریعہ سے شکار کرنا (جسے کلب معلم کہا جاتا ہے) اور اس میں چیتا، باز اور شکرا وغیرہ شکاری درندے اور پرندے داخل ہیں کہ چند شرطوں کے ساتھ ان کے شکار کردہ حلال جانوروں کا کھانا حلال ہے۔

کلب معلم وغیرہ کے شکار کے حلال ہونے کے شرائط کا تذکرہ

۱۔ شکاری جانور اس طرح سدھایا ہوا ہو کہ مالک کے ہر امر و نہی کی تعمیل کرے اس کے کہنے پر حملہ کردے اور اس کے روکنے سے رک جائے۔

۲۔ شکار کرنے کے ارادہ سے چھوڑا جائے۔

۳۔ شکار کرنے والا مسلمان ہو

۴۔ شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو یعنی اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

۵۔شکاری شکار کے پاس اس وقت پہنچے کہ وہ مر چکا ہو اور اگر اس وقت پہنچے جبکہ ہنوز زندہ ہو تو پھر ذبح کرنا واجب ہوگا۔

٦۔شکار کی موت اسی زخم کی وجہ سے واقع ہو جو شکاری کتے وغیرہ نے اسے لگایا ہے۔

۷۔شکاری جانور مسلمان کا ہو۔

۸۔شکار کے مارنے میں کسی کافر کا کتا یا مسلمان کا وہ کتا شریک نہ ہو جس کے چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔ورنہ شکار حلال نہ ہوگا (کتب فقہیہ)

وَطَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا...۵ الآیة

اہل کتاب کی طہارت ونجاست کا مسئلہ

اہل کتاب (مجوس، یہود اور نصاریٰ وغیرہ) کی طہارت ونجاست کے بارے میں فقہاء امامیہ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔اگرچہ مشہور ومنصور قول یہی ہے کہ وہ نجس ہیں اور اس قول کی صحت پر کئی دلائل وشواہد موجود ہیں منجملہ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ ارشاد قدرت ہے''انما المشرکون نجس''جو مشرک ہیں وہ نجس ہیں۔ظاہر ہے کہ اہل کتاب مشرک ہیں۔لہٰذا نجس ہوں گے یہ آیت ان کی نجاست پر نص صریح ہے علاوہ بریں وہ تو اب دین اسلام ترک کرنے اور پیغمبر خاتم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر بھی ہیں اور کافر بالاتفاق نجس ہے۔

دوسری دلیل سرکار محمد وال محمدؑ کی بکثرت احادیث صحیحہ وصریحہ موجود ہیں۔جو وافی،وسائل اور حدائق وغیرہ کتب معتبرہ میں مذکور ہیں جو بعبارۃ النص اہل کتاب کی نجاست پر دلالت کرتی ہیں مگر جو فقہا ان کی طہارت کے قائل ہیں وہ علاوہ ان بعض روایات کے کہ جن سے ان کی طہارت مترشح ہوتی ہے اور اان کی مناسب تاویل کی گئی ہے اس آیت مبارکہ سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں جس میں اہل کتاب کے طعام کو اہل اسلام کے لئے حلال قرار دیا گیا ہے

اہل کتاب کے طعام سے کیا مراد ہے؟

مگر یہ استدلال اس وقت ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے جب تفسیر اہل بیتؑ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں طعام سے ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا مراد نہیں لیا گیا بلکہ اس سے''حبوب''یعنی اناج اور''بقول'' یعنی سبزیاں مراد لی گئی ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر قمی،عیاشی اور صافی وغیرہ)

چونکہ اس وقت اناج وغیرہ کی تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔لہٰذا مسلمانوں کو انہی سے غلہ خریدنا پڑتا تھا۔اور بعض اوقات ان کے ہاتھ فروخت بھی کرنا پڑتا تھا۔تو کچھ مسلمانوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ ادھر کفار سے ترک موالات کا حکم ادھر ہم ان سے خرید وفروخت بھی کرتے ہیں۔تو اس معاملہ کا کیا بنے گا؟ تو اس تردد کا یوں ازالہ کیا گیا کہ ان لوگوں کا اناج تمہارے لئے اور تمہارا اناج ان کے لئے حلال ہے۔اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ اس حکم کا اہل کتاب کی نجاست وطہارت کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔اور اس جملہ سے یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں ہے کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا تمہارے لئے حلال ہے ورنہ اگر اس فقرہ کا یہ مطلب ہو تو پھر دوسرے جملہ کو کہ تمہارا طعام ان کے لئے حلال ہے کا کیا مطلب ہوگا؟ اور اس کا کیا محل ہوگا، مخفی نہ رہے کہ جب یہاں طعام سے اہل کتاب کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا مراد نہیں ہے بلکہ حبوب وبقول (اناج وسبزیاں) مراد ہیں تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا بھی اہل اسلام کے لے جائز نہیں ہے کیونکہ ذبیحہ کے حلال ہونے میں ذابح کا مسلمان ہونا لازم ہے کما لا یخفی

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا...الآیۃ

ماکولات ومشروبات کی حلیت بیان کرتے ہوئے معاملہ آگے بڑھ گیا اور عقد وازدواج کا تذکرہ بھی کردیا گیا۔اور بتایا گیا کہ اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔

مسلمان عورت کا نکاح کافر سے حرام ہے

اس بات پر تو سب فقہاء اسلام کا اتفاق ہے کہ ایک مسلمان عورت کا عقد نکاح کافر بجمیع الاقسام سے جائز نہیں ہے۔اسی طرح ایک مسلمان کے کافرہ عورت سے نکاح کے ناجائز ہونے پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے ہاں البتہ اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ ایک مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ عورت سے جائز ہے یا ناجائز؟ اس سلسلہ میں چھ قول ملتے ہیں۔

۱۔حرمت مطلقہ۔عقد دائمی ہو یا منقطع

۲۔حلیت مطلقہ

۳۔دائمی حرام ہے اور منقطع حلال

۴۔عقد نکاح بہرحال حرام ہے مگر ملک یمیں کے طور پر جائز ہے

۵۔عقد منقطع۔اور ملک یمین جائز ہے اور دائمی ناجائز

۶۔اختیاری صورت میں دائمی و منقطع دونوں حرام اور اضطراری صورت میں حلال اور ملک الیمین کی بنا پر مقاربت جائز ہے۔

اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

اس اختلاف آراء کا ظاہری سبب آیات وروایات کا ظاہری اختلاف ہے ایک جگہ وارد ہے۔**ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن**۔(بقرہ) جب تک مشرکہ عورتیں ایمان نہ لے آئیں اس وقت تک ان سے نکاح نہ کرو۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے عقد وازدواج جائز نہیں ہے مگر زیر بحث آیت سے جوام زمترشح ہوتا ہے ارشاد ہے۔**والمحصنت من الذین اوتوا الکتب من قبلکم**۔(المائدہ) جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں اب جو فقہاء جواز کے قائل ہیں وہ اس دوسری آیت کو پہلی آیت کا ناسخ قرار دیتے ہیں اور جو حرمت کے قائل ہیں وہ پہلی آیت کو دوسری آیت کا ناسخ قرار ددیتے ہیں۔اور بعض (جواز والی) دوسری آیت کا ناسخ اس آیت کو قرار دیتے ہیں جس میں کافرہ عورتوں کے دامن کو چھونے کی ممانعت کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ۔**ولا تمسکوا بعصم الکوافر**۔اور چونکہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسی آیت مقدم ہے تاکہ اسے منسوخ اور کونسی موخر ہے تاکہ اسے ناسخ قرار دیا جائے اسلے مسئلہ قالب اشکال میں ہے اگرچہ کئی روایات سے علی الاطلاق جواز مترشح ہوتا ہے مگر بہت سی روایات حرمت مطلقہ پر بھی دلالت کرتی ہے اور چونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عندالاختلاف ان احادیث پر عمل کیا جائے جو مخالف عامہ ہوں (فروع کافی) لہٰذا حرمت والی احادیث کو ترجیح دی جائیگی۔اور اسی قول کو جناب سید مرتضے شیخ مفید، شیخ طوسی اور شیخ بحرانی وغیرہ فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

متعہ کا جواز

ویسے ہمارے فقہا میں تیسرا قول زیادہ مشہور ہے کہ عقد دائمی سوائے اضطرار کے جائز نہیں ہے اور عقد منقطع اختیاری حالت میں بھی جائز ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آیت میں ایسی عورتوں کو ان کی اجرتیں دینے کا حکم دیا گیا ہے(**اذا اتیتموھن اجورھن**)اور ظاہر ہے کہ اجرت صرف عقد منقطع میں ہوتی ہے اسلئے اہل بیت نبوی کی فقہ میں زنا کاری وبدکاری سے بچنے کی خاطر کتابیہ عورت سے متعہ جائز قرار دیا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ زنا کاری سے احتراز کرنا اس قدر اہم ہے کہ اس اہم مقصد کے حصول کی خاطر

اہل کتاب کی حد تک عقد منقطع میں اسلام کی شرط بھی ختم کر دی گئی ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جمہور اہل اسلام نے رحمت کے اس دروازہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر کے جنسی بے راہ روی اور بدکاری کا دروازہ ہمیشہ کے لئے چوپٹ کھول دیا ہے۔ اس لئے حکیم الامہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے۔ ''لولا نہی عمر عن المتعة ما زنی الا شقی'' (او شفی) اگر جناب دوم متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو کسی شقی و بدبخت کے سوا (یا اقل قلیل کے سوا) اور کوئی زنا نہ کرتا (تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۴۰، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ وغیرہ) اور جناب عبداللہ ابن عباس کہا کرتے تھے۔ ما کانت المتعة الا رحمة من الله رحم بها امة محمد ولو لا نہیه ما احتاج الی الزنا الا شقی (ایضاً)

وَمَنْ يَّكْفُرْ... الاية

جو ایمان کا انکار کرے اور کفر اختیار کرے اس کے تمام اعمال و افعال ضائع و کارت ہو جاتے ہیں یہ آیت اپنے عموم کے ساتھ ہر قسم کے شرعی احکام و اوامر و نواہی کے انکار کو شامل ہے۔ کما لا یخفی۔

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! جب نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھوؤ۔ اور سروں کے بعض حصہ کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو پھر غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو (مل لو) اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی سختی کرے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ تمہیں پاک صاف رکھے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے تاکہ تم اس کا شکرادا کرو(۶) اور یاد کرو اللہ کا وہ احسان جو اس نے تم پر کیا ہے اور اس کے عہد و پیمان کو جو اس نے تم سے لیا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا۔ اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے(۷) اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور راستی پر قائم رہنے والے اور عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو (خبردار) کسی قوم سے دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ اور عدل سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرو بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے(۸) اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر وثواب ہے(۹) اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی دوزخ والے ہیں(۱۰)

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ...الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں سے وضو کرنے کی ترکیب بتائی گئی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے یا اس کا استعمال ضرر وزیاں کا باعث ہو تو پھر اس کے بدل تیمم کرنے کی ترکیب بیان کی گئی ہے۔

وضو کی حقیقت اور کیفیت؟

وضو کیا ہے؟ جو کچھ قرآن وسنت سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وضو کے واجبی اجزاء یہ ہیں۔ دو دھونے اور دو مسحے۔ وہ دو دھونے یہ ہیں

۱۔ پہلے منہ کا دھونا۔ ۲۔ دوسرے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا اور وہ دو مسح یہ ہیں

۱۔ سر کا مسح جس سے سر کے اگلے حصہ پر بقدر مسمی مسح کرنا مراد ہے۔

۲۔ پاؤں کا مسح۔ قرآن وسنت اور پیغمبر اسلامؐ ان کی مقدس آل اور اصحاب کی روش ورفتار سے تو پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے مگر جمہور اہل اسلام پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں اور اس کے جواز کے لئے ''ارجلکم'' کا عطف **بروئوسکم** پر کرنے کی بجائے جس سے مسح کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ **وجوھکم وایدیکم**۔ پر کرتے ہیں۔ جس سے وہ پاؤں کا دھونا ثابت کرتے ہیں مگر اس طرح غیر شعوری طور پر قرآن کو اس کی فصاحت وبلاغت سے نیچے گرا کر اس کے فطری مفہوم کے خلاف مفہوم مراد لیتے ہیں۔ یہاں **ارجلکم** کی لام پر زیر وزبر کی بحث بالکل فضول ہے کیونکہ حق یہ ہے کہ **ارجلکم** کی لام کو خواہ زیر سے پڑھا جائے یا زبر سے قرآن وسنت سے بہرحال پاؤں کا مسح کرنا ہی ثابت ہوتا ہے۔ زیر کی صورت میں تو واضح ہے کہ اس کا عطف **برؤسکم** کے لفظ پر ہے۔ جو **فامسحوا**۔ کا مفعول ہے اور زبر کی صورت میں اس کا عطف **برؤسکم** کے محل پر ہے جو کہ محل کے اعتبار سے مفعول ہونے کی بنا پر مفتوح ہے اور اگر اس کا عطف **وجوھکم** پر کیا جائے جو کہ **فاغسلوا** کا مفعول ہے تو اس طرح معطوف (ارجلکم) اور معطوف علیہ (**وجوھکم**) کے درمیان ایک اجنبی جملہ (**فامسحوا برؤسکم**) کا فاصلہ لازم آتا ہے۔ جو نحوی نقطۂ نگاہ سے بالکل غلط ہے جیسا کہ کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۱۵ طبع لاہور میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ابن عباس کہا کرتے تھے۔ **ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح**۔ یعنی عام

لوگوں نے تو (پاؤں) دھونے کے سوا انکار کر دیا ہے مگر میں تو کتاب اللہ میں مسح کرنے کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔(تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۶۲ طبع مصر) نیز انہی ابن عباس سے منقول ہے کہ کہا **الوضوء غلستان ومسحتان**۔وضو دو دھونے اور دو مسحوں کا نام ہے (تفسیر معالم التنزیل ص ۲۷۰ تفسیر خازن ج ا ص ۴۴۲)

تیمم کی ترکیب سے مسح پا کی تائید

جب پانی دستیاب نہ ہو یا دستیاب تو ہو مگر اس کا استعمال ضرر وزیاں کا باعث ہو تو پھر شریعت مقدسہ نے اس کے عوض تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اور جن دو اعضاء کو دھویا جاتا تھا۔تیمم میں ان پر صرف مٹی ملی جاتی ہے اور وہ بالاتفاق منہ اور ہاتھ، میں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کیا جاتا ہے ورنہ اگر وضو میں پاؤں دھوئے جاتے تو پھر تیمم میں جو اس کا بدل ہے پاؤں پر ضرور مٹی ملی جاتی اور ان کو نظر انداز نہ کیا جاتا

پیغمبر اسلام کے عمل و کردار سے اس کی تائید مزید

نحوی وصرفی بحث سے ہٹ کر اگر پیغمبرؐ اسلام اور ان کی عترت طاہرہ اور آپ کے اصحاب اخیارؓ کی سیرت و کردار پر نظر کی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ وہ وضو میں پاؤں کا مسح کیا کرتے تھے چنانچہ کتب فریقین میں موجود ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اس طرح وضو کیا کہ غسل وجہہ ویدیہ ومسح راسہ ورجلیہ۔کہ منہ اور ہاتھوں کو دھویا اور سر اور پاؤں پر مسح فرمایا۔(کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۸، اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ا ص ۱۸۵ بذیل ترجمہ تمیم بن زید انصاری، نیل الاوطار شوکانی ج ا ص ۱۶۴ وغیرہ)

حضرت امیر علیہ السلام کا اسی طرح وضو کرنا کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ **فغسل وجهه ويديه ومسح على راسه ورجليه** (ملاحظہ ہو فتح الباری شرح البخاری ص ۲۶۲، تفسیر کبیر ج ا ص ۵۴۵، ترجمان القرآن ص ۸۴۲)

حضرت امام محمد باقرؑ اور دوسرے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا بھی یہی مذہب تھا (دراسات اللبیب ص ۳۵ طبع لاہور)

برادران اہل سنت کی کتابوں میں ان صحابہ کرام کے نام ملتے ہیں جو وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے اور پاؤں دھونے والوں پر ایراد کیا کرتے تھے۔جیسے ابن عباس، ابن عمر اور انس بن مالک وغیرہ۔اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب ''قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ'' کی طرف رجوع فرمائیں یہاں اتنی ہی مقدار کافی وافی ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى...الآية

احکام شریعت کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنے کے لئے معلم شریعت کا بیان ضروری ہے

وضو کی ترکیب کا بیان ختم ہونے کے بعد اجمالاً غسل جنابت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر تم جنب ہوتو اس سے طہارت کرو مگر اس کا طریقہ کار نہیں بتایا گیا۔ بعدازاں تیمم کا حکم بیان کیا گیا اور اس کے موجبات میں سے صرف ایک حدث اصغر یعنی پائخانہ جانے کا نام لیا۔ دوسرے موجبات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ بعدازاں ایک حدث اکبر یعنی عورتوں سے مباشرت کرنے کا تذکرہ کیا گیا اور دوسرے اسباب کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اگر معلم قرآن وترجمان شریعت اسلام کا کلام وبیان نہ ہوتا تو ہمیں کون بتلاتا کہ غسل جنابت کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور کون بتاتا کہ حدث اکبر کے دوسرے موجبات کیا ہیں اور پائخانہ پھرنے کے علاوہ حدث اصغر کے اسباب کیا ہیں؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی وضاحت کے لے ربانی معلم قرآن اور ترجمان شریعت اسلام کے وضاحتی کلام وبیان کی ضرورت ناقابل انکار ہے اور یہ کہ اس کے بغیر حقائق قرآن ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم۔

تیمم کی ترکیب

هى اقوم بہرحال اگر غسل یا وضو کے لئے پانی دستیاب نہ ہو یا آدمی بیمار ہو اور پانی ضرر پہنچاتا ہو یا آدمی سفر کی حالت میں ہو اور سواری سے اتر کر پانی تک نہ پہنچ سکتا ہو تو ان سب صورتوں میں تیمم کیا جائے گا۔ اور یہ بات شریعت اسلامیہ کے مطابق فطرت ہونے اور سہل وآسان ہونے کی ناقابل رد دلیل ہے۔ تیمم نام ہے مخصوص طریقہ پر پاک مٹی استعمال کرنے کا جس سے ہر وہ کام مباح ہو جاتا ہے جو آبی طہارت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ یکبارگی پاک خاک وغیرہ پر مارے پھر پیشانی پر ناک کے بالائی حصہ تک پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت پر اور بعدازاں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت پر انگلیوں کے سروں تک مسح کرے۔ اس موضوع کی باقی تفصیلات وجزئیات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات فقہی کتابوں کی طرف رجوع کریں

مَا يُرِيْدُ الله...الآية

شریعت اسلامیہ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے سب احکام سہل وآسان ہیں اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور اس کے یہ احکام نہ صرف یہ کہ طاقت برداشت کے مطابق ہیں بلکہ وسعت کے مطابق ہیں، خالق مہربان جس حکم میں بعض حالات یا بعض افراد کے لئے تھوڑی سی بھی دقت محسوس کرتا ہے تو فوراً اس کا بدل مقرر کردیتا ہے۔ چنانچہ غسل اور وضو کے بدل تیمم مقرر کرنا شریعت اسلامیہ کا طغرائے امتیاز ہے پیغمبر اسلام فرماتے ہیں۔ جعلت لی الارض مسجدا وطہورا۔ میرے لئے (منجانب اللہ) زمین جائے سجدہ اور پاک و پاک کنندہ قرار دی گئی ہے۔(فروع کافی، وغیرہ) اسی لئے خداوند عالم نے از راہ لطف وکرم یہ حکم مقرر فرمایا ہے کہ جب غسل یا وضو کے لئے پانی نہ مل سکے یا مل تو سکے مگر اس کے استعمال میں ضرر وزیاں ہو تو غسل یا وضو کے عوض تیمم کرلیا جائے کیونکہ اصل مقصد تو انسان کی طہارت و پاکیزگی ہے وہ خواہ پانی سے حاصل ہو یا مٹی سے۔ اور پھر چونکہ روحانی طہارت و پاکیزگی کے حاصل کرنے کے لئے جسمانی پاکیزگی بھی ضروری ہے اسی لئے احادیث میں وارد ہے۔ النظافة من الایمان۔ صفائی ایمان میں داخل ہے اور یہ کہ۔ الطھور شطر الایمان۔ پاکیزگی ایمان کا جزء ہے بلکہ یہاں تک وارد ہے کہ۔ الطھو رنصف الایمان۔ پاکیزگی نصف ایمان ہے (نخبۃ العلوم)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ...الآیة

اللہ تعالیٰ کے وہ احسانات وانعامات جو اس نے اپنے عام بندوں پر بالعموم اور اپنے خاص بندوں پر بالخصوص کیے ہیں وہ اپنی کثرت اور وضاحت کی وجہ سے کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہیں جیسا کہ خود اس کا ارشاد ہے۔ وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها۔ ہاں ان بے پایاں احسانات میں سے ایک خاص احسان یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم دکھایا اور اس پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

اللہ کے اس عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟

البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کے اس عہد و پیمان سے کیا مراد ہے۔ جس کا خدائے منان نے یہاں تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ بعض مفسرین نے اس سے یہ عہد مراد لیا ہے جو خدا نے عالم ذر میں بنی آدمؑ کو صلب آدمؑ سے نکال کر اپنی ربوبیت کے بارے میں لیا تھا۔ اس قول کو فاضل طبرسی نے اضعف الاقوال قرار دیا ہے۔ مگر عام مفسرین نے اس عہد و پیمان سے وہ خاموش عہد مراد لیا ہے جو ایک نومسلم اسلام قبول کرتے وقت خدا اور رسول سے کرتا ہے کہ وہ ہر امر و نہی میں ان کی اطاعت کرے گا اور اسلام کی سربلندی اور کفر کی سرنگونی کے لئے کسی مالی

وجانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔اور جو قدیم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوتا ہے وہ فطری طور پر اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اس عہد و پیمان کا پابند ہوتا ہے اگر چہ اسے اس کا شعور اسوقت ہوتا ہے۔جب وہ سن شعور کو پہنچتا ہے بس جو شخص اس عہد و پیمان کو نبھائے گا وہ وفادار سمجھا جائے گا اور جو اسے نہیں نبھائے گا وہ غدار وخیانت کار سمجھا جائے گا اب اس ایفائے عہد میں اگر چہ تمام عبادات ومعاملات وغیرہ داخل ہیں مگر اس کی نمایاں فرد انسانی معاملات کو خوش اسلوبی سے نبٹانا ہے۔فان المرء یعرف بالمعاملات۔لہٰذا جو شخص لین دین، رہن سہن اور سچائی اور وعدہ وفائی غرضیکہ انسانی تعلقات ومعاملات میں کھرا نہیں ہے وہ امین ووفادار کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...الآیۃ

یہ مضمون بالکل وہی ہے جو سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ میں گذر چکا ہے۔لہٰذا اس کی تفسیر معلوم کرنے کے لئے مقام مذکور کی طرف رجوع کی جائے اور۔لا یجرمنکم شنان قوم۔اور اس کی تفسیر اسی سورہ مائدہ کے آغاز یعنی آیت نمبر ۲ کے ذیل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جائے۔

انصاف کے ساتھ گواہی دینے اور دشمن کے ساتھ عدل کرنے کا حکم

الغرض ان دونوں سورتوں کی دونوں آیتوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ معاملہ اور واسطہ خواہ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے بہر حال عدل وانصاف کرنا اور مضبوطی سے اس پر قائم رہنا واجب ولازم ہے۔اور اس معاملہ میں کسی کی بھی غلط رورعایت کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ایک مسلمان حکومت کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرح نظام عدل قائم کرے کہ ادائے حقوق اور اجرائے حدود وغیرہ کے سلسلہ میں مسلم وغیر مسلم رعایا میں کسی قسم کا امتیاز روانہ رکھے۔فان الملك یبقی مع لکفر ولا یبقی مع الظلم۔جب خدا کفار سے اس طرح عدل کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس سے مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی خود بخود وضاحت ہوجاتی ہے نیز دونوں سورتوں کے بیان سے واضح وعیاں ہوجاتا ہے کہ ہر حالت میں گواہی سچی دینی چاہیے اور بات حق کہنی چاہے اور اس سلسلہ میں دنیا کا کوئی طمع ولالچ یا کسی قسم کا کوئی خوف وڈر آڑے نہیں آنا چاہیے۔

گواہی دینے اور عدل کرنے کے مفہوم کی وسعت

مخفی نہ رہے کہ عند التحقیق اس عدل اور ادائے شہادت کا دائرہ کار عام مفہوم سے بہت زیادہ وسیع ہے

اوراس میں ممتحن کا طلبہ کونمبر دینا، ڈاکٹر کا کسی مجروح یا مقتول کے بارے میں نتیجہ کی رپورٹ دینا یا کسی ملازم کے متعلق یہ سرٹیفکیٹ دینا کہ وہ سروس کے قابل نہیں ہے۔ یا طلبہ وغیرہ کو فراغت کی سند دینا بلکہ عام انتخابات میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا یا کسی مانگت کو نوٹ دینا بھی اس میں داخل ہے کہ ایسا کرنے والے نے اگر واقع کے خلاف کارروائی کی تو وہ جھوٹی گواہی متصور ہوگی اور ایسا کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب متصور ہوگا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا فرض منصبی ہے کہ اپنے فرائض کو پوری دیانت وامانت کے ساتھ ادا کریں۔ تاکہ خالق وخلق کے مجرم قرار نہ پائیں۔ واللہ الموفق۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ ...الآية

اس گروہ کا تذکرہ جس کی نجات یقینی ہے

اس آیت میں خداوند عالم نے اس گروہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جس کی نجات قطعی اور یقینی ہے اور وہ یقینا اجر وثواب کا مستحق ہے اور یہ وہ گروہ ہے جس میں ایمان وایقان اور عمل صالح یعنی نیک کام دونوں شرطیں موجود ہوں۔ اور یہ مضمون قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور اس موضوع پر قبل ازیں متعدد مقامات پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...الآية

اس گروہ کا تذکرہ جو قطعی جہنمی ہے

اس آیت میں اس گروہ کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو کہ قطعی اور یقینی طور پر جہنمی ہے اور اس کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو کافر ہے اور اسلام سے عاری ہے یہاں حرف عطف واؤ کے ساتھ تکذیب آیات کا جو اضافہ کیا گیا ہے یہ اس گروہ کے کفر کا تتمہ ہی ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے لہٰذا یہ عطف توضیحی ہے۔

دو اور ضمنی اقسام کا بیان

ان آیتوں میں دو قسم کے گروہوں کا تذکرہ تو صراحۃ کیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ مگر تصوری طور پر دو قسمیں اور بھی اس سے سمجھی جاتی ہیں۔ ا۔ ایک قسم وہ ہے جو عقیدہ مومن ہے مگر ایمان کے تقاضوں سے خالی ہے ، یعنی عمل صالح نہیں کرتی ، یہ نہ پہلے گروہ میں داخل ہے جو قطعی اور یقینی نجات پانے والا ہے اور نہ دوسرے گروہ میں داخل ہے جو قطعی اور یقینی طور پر دوزخی ہے بلکہ یہ ایک بین بین قسم ہے جس کی مغفرت اور سزا دونوں کا برابر

امکان ہے گو یہ قسم مخلد فی النار بہر حال نہ ہو گی۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہے مگر عمل صالح کرتی ہے یہ قسم یقیناً دوزخی ہے کیونکہ یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اعمال کی صحت کی شرط اولین ایمان ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی عمل کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو اس کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل تو ہو سکتا ہے مگر اس کے صالح ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

آیات القرآن

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے اسوقت تم پر کیا جب ایک گروہ نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تمہاری طرف دست درازی کرے مگر اللہ نے (اپنی قدرت کاملہ سے) ان کو تم سے روک دیا۔ اللہ سے ڈرو۔ اور اہل ایمان کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۱۱) اور بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا تھا اور ہم نے بھی بارہ نقیب (سردار) مقرر کئے تھے۔ اور اللہ نے (ان سے) کہا تھا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تو اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے، اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا۔ (معاف کردوں گا) اور تمہیں ان بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی مگر تم میں سے جس نے اس کے بعد کفر اختیار کیا ہے وہ ضرور سیدھے راستے سے بھٹک گیا (۱۲) ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی (اپنی رحمت سے دور کردیا) اور ان کے دلوں کو سخت کردیا کہ وہ اب کلام (الٰہی) کو اس کی اصلی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (تحریف کرتے ہیں) اور جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں (اے پیغمبر) ان کے معدودے چند آدمیوں کے سوا برابر ان کی نہ کسی خیانت سے مطلع ہوتے رہیں گے لہٰذا انہیں معاف کردیجئے اور ان سے درگذر کیجئے۔ بے شک اللہ معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۱۳)

تفسیر الآیات

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ...الآیۃ

علامہ سید علی نقی النقوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں "مفسرین نے اس کو کسی خاص واقعہ سے متعلق قرار دیا ہے جو اس کی شان نزول کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس میں اتنا اختلاف ہے کہ گویا جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہودیوں کا قبیلہ نضیر تھا جس کے قلعہ میں پیغمبر خدا کچھ اصحاب کے ساتھ تشریف لے

گئے۔تو اس موقع پر آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔مگر خداوند عالم نے اس کی اطلاع رسول کو دے دی اور حضرت واپس تشریف لے گئے اور اسطرح بال بال بچ گئے۔کوئی کہتا ہے کہ قریش نے ایک آدمی کو حضرت کے قتل کرنے کے لئے بھیجا وہ جب واپس آیا تو حضرت کے ہاتھ میں ایک کھینچی ہوئی تلوار تھی اس نے کہا ذرا مجھے تو دکھایئے آپ نے وہ تلوار اسے دے دی جب وہ تلوار اس کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ کہنے لگا کہ اب مجھے آپ کے قتل سے کون روک سکتا ہے؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا۔اللہ بس یہ سننا تھا کہ اس پر اثر ہوا تلوار پھینک دی اور مسلمان ہو گیا۔کوئی کہتا ہے کہ مشرکین نے ایک دفعہ مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا تھا۔وہ طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہو گئے تھے اور حملہ نہ کر سکے اسے قرآن کہہ رہا ہے کوئی کہتا ہے حضرت جب ایک قبیلہ سے جنگ کے لئے تشریف لے گئے ہیں اور اس موقع پر اپنی جماعت سے جدا ہو کر تنہا جنگل میں ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے کہ ان کا سردار تلوار لے کر آ گیا اور کہا آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ جس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔اتنے شدید اختلاف اقوال کے بعد یہ فیصلہ مشکل ہوتا ہے کہ اصل شان نزول کیا ہے؟ (تبیان و مجمع البیان)

ایک اور قدیم مفسر یہ کہتا ہے کہ یہ مشرکین کے تمام رویہ کا ذکر ہے۔جو ہجرت مدینہ کے بعد رہا کہ وہ مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا چاہتے تھے۔اور پھر صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے اللہ نے ان کے ہاتھوں کو مسلمانوں کی ایذاء رسانی سے روک دیا۔(فصل الخطاب۔ج ۲)

وَاتَّقُوا اللہ...الآیۃ

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں اوپر جو واقعات نقل کیے گئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے یہ سب واقعات اس کے مصداق ہو سکتے ہیں۔آیت مذکورہ میں حضرت رسول کریمؐ اور اہل ایمان کی غیبی حفاظت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

واتقوا اللہ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انعام و احسان خداوندی آنحضرتؐ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس نصرت اور امداد غیبی کا اصلی سبب تقویٰ اور توکل علی اللہ ہے۔لہٰذا جو قوم یا قبیلہ جس زمان و مکان میں ان دو صفتوں کو اختیار کرے گا اس کی اسی طرح خدا کی طرف سے حفاظت و حمایت ہو گی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(معارف القرآن)

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللہ...الآیۃ

اگرچہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں عام کفار مشرکین کا عموما اور مشرکین قریش اور منافقین کا خصوصا کئی بار برائی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اسی طرح یہود ونصاری کی بھی جا بجا مذمت وشکایت کی ہے مگر سب سے بڑھ کر جس قوم کا تذکرہ کیا ہے وہ یہود ہیں۔ کیونکہ یہ قوم سب سے بڑھ کر حق وحقیقت کی معاند اور انسان وانسانیت کی مخالف ہے جیسا کہ سورہ بقرہ، آل عمران، سورہ نساء اور اس سورہ (مائدہ) کا اکثر وبیشتر حصہ اس امر پر مشتمل ہے۔

نقباء بنی اسرائیل کا تذکرہ۔

بنی اسرائیل بارہ خاندانوں پر مشتمل تھے۔ انتظامی حکمت اور قومی مصلحت کے تحت جناب موسیٰؑ نے بحکم خدا ہر قبیلہ سے ایک شخص کو منتخب کر کے اسے سردار مقرر کیا تھا جسے نقیب کہا جاتا تھا کیونکہ کسی کا نقیب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اس کے حالات وکوائف سے واقف وآگاہ ہو اور وہ اس کی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنے، کرانے کا ذمہ دار ہو چنانچہ خدائے علیم وحکیم نے بنی اسرائیل سے عہد وپیمان لیا تو اس پر عمل درآمد کرنے کرانے کا ذمہ دار ہر ہر قبیلہ کے نقیب وسردار کو قرار دیا۔

وہ عہد وپیمان کیا تھا؟

قرآنی آیات سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے پانچ چیزوں کی ادائیگی کا عہد وپیمان لیا گیا تھا۔

۱۔ اقامہ صلوۃ۔ ہر حالت میں نماز پڑھنے کا

۲۔ ایتاء زکوۃ۔ مقررہ شرائط کیساتھ زکوۃ ادا کرنے کا

۳۔ خدا کے رسولوں پر ایمان لانے کا

۴۔ انبیاء ومرسلین کی مدد ونصرت کرنے کا

۵۔ خدا کو قرضہ حسنہ دینے کا یعنی راہ خدا میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا (لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون) اداء زکوۃ کے معاہد کے بعد اس قرضہ حسنہ کا تذکرہ بتاتا ہے کہ اس سے دوسرے مستحبی صدقات وخیرات مراد ہیں۔ اور انہیں قرضہ کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرضہ کی ادائیگی شرعاً اور اخلاقاً واجب ہے اسی طرح اس صدقہ کا معاوضہ بھی خدا کے ذمہ لازم ہے الغرض قرض سے یہاں سے بطور استعارہ انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے

اس عہد و پیمان کی ادائیگی پر کیا ملے گا؟

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد و پیمان نبھانے والوں کو خدائے رحیم وکریم تین انعامات سے نوازے گا۔

ا۔خدا کی معیت (انی معکم) یعنی اگر تم نے اس عہد و پیمان پر عمل درآمد کیا تو میری توفیق اور میری نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔

۲۔عفو، سیٔیات یعنی اگر تم نے میثاق کی پابندی کی تو تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہوں گے وہ معاف کردئے جائیں گے اور تمہاری کوتاہیوں پر معافی کا قلم پھیر دیا جائے گا۔

۳۔جنت الفردوس میں داخلہ مل جائے گا۔وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْن

بھلا ایک مخلص کارکن کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی؟

۱۲ دوازدہ آئمہ کا اعلان

فریقین کی معتبر کتابوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث شریف موجود ہے کہ جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا وہ سب کچھ میری امت میں بھی ہوگا۔(تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۴،نہایہ ابن اثیر ج ا ص ۲۴۴، مستدرک حاکم ص ۷۳ وغیرہ)۔چنانچہ بنی اسرائیل میں بارہ نقیبوں اور سرداروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے بنا بریں امت محمدیہ میں بھی بارہ سردار ہونے چاہئیں۔چنانچہ کتب فریقین میں آنحضرتؐ کی یہ حدیث موجود ہے کہ فرمایا میرے بعد میری امت میں بارہ سردار ہوں گے جو میرے جانشین ہوں گے (صحاح ستہ) یہ پیغمبر اسلام کی زبان حق ترجمان سے بارہ اماموں کی امامت کا اعلان واجب الاذعان ہے اور جب یہ حدیث تمام مسلمانوں کی کتابوں میں موجود ہے تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ پوری امت مسلمہ اثناعشری ہے والحمدللہ۔

فَبِمَا نَقْضِهِم ....الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم اس عہد و پیمان کا انجام بیان کررہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا یعنی ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور وہ عہد و پیمان جو ان سے لیا گیا تھا اسے توڑ دیا گیا۔اور اس کی حرمت کا کوئی لحاظ نہ کیا۔جس کی وجہ سے خدائے جبار وقہار نے ان کو چند قسم کے عذابوں میں گرفتار کیا۔

ان سزاؤں کا تذکرہ جو عہد شکنی کی وجہ سے بنی اسرائیل کو دی گئیں۔

قرآن اور تاریخ عالم وعالمیان گواہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس عہد شکنی کرنے اور انبیاء پر ایمان نہ لانے ان کی مدد ونصرت نہ کرنے، نماز نہ پڑھنے اور زکوۃ وغیرہ ادانہ کرنے کی پاداش میں خدائے قہار نے ان کو کئی قسم کی سزائیں دیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ان پرلعنت کی۔قبل ازیں کئی بار اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ لعنت کوئی سب وشتم یا گالم گلوچ نہیں ہے۔ بلکہ رحمت خداوندی سے دور ہٹانے کا نام لعنت ہے۔

جو بلا وجہ خدا کسی پر نہیں کرتا بلکہ کسی شخص کی مسلسل نافرمانی اور پیہم حکم عدولی کی وجہ سے اسے اس عذاب میں گرفتار کرتا ہے۔ ۲۔ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ کہ اب کوئی موعظہ حسنہ اور کوئی پند ونصیحت ان پر اثر نہیں کرتی مخفی نہ رہے کہ ہم سورہ نساء کی آیت نمبر ۸۸ ''اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ'' کی تفسیر اور دیگر کئی مقامات پر پوری وضاحت کر چکے ہیں کہ بندوں کو گمراہ کرنے، ان کے دلوں کو سخت کرنے، ان پر مہر لگانے اور انہیں اندھا وبہرہ بنانے کی نسبت خدائے عادل کی طرف مجازی ہے۔چونکہ وہ پوری کائنات اور سب اشیاء اور ان کے علل واسباب کا خالق ہے ورنہ ان چیزوں کا قریبی سبب خود لوگوں کی اپنی خود اختیاری روش ورفتار ہے اور اس کا باعث ان کی مسلسل عصیان کاری پیہم حکم عدولی اور سرتابی ہے جس کی وجہ سے وہ اس سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔بل طبع اللہ علیھا بکفرھم۔

اس سزا کا نتیجہ؟

خداوند جبار نے بنی اسرائیل کی عہد شکنی کی وجہ سے انہیں جس لعنت اور سخت دلی سے دوچار کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ لوگ کلام اللہ میں ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہیں۔قبل ازیں سورہ نساء آیت نمبر ۴۶ کی تفسیر اور دیگر کئی مقامات پر تحریف اور اس کے مختلف اقسام پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۲۔اپنی کتاب کا بہت سا حصہ بھلا دیا ہے بالخصوص اس کا وہ حصہ جس میں سرکار ختمیؐ کی ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور آپ کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

۳۔آپ مسلسل ان کی خیانت اور بددیانتی سے آگاہ ہوتے رہیں گے۔جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ کبھی اس سے باز نہیں آئیں گے بلکہ جب بھی موقع ملے گا غدر ومکر سے کام لیتے ہوئے خیانت کریں گے۔

مگر خدا ان کی اس روش ورفتار کے بالمقابل اپنے حبیب کو یہ حکم دے رہا ہے اور آپ کو مکارم اخلاق کی یہ اعلیٰ تعلیم دے رہا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں آپ بہر حال ان سے عفو وصفح سے کام لیں۔ وہ دغا کریں تو آپ وفا کریں اور وہ جفا کریں تو آپ دعا کریں۔ الغرض وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام کریں اور زبان حال سے کہیں۔ ع

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے
ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟

الغرض مسلمانوں کو بنی اسرائیل کے حالات سے درس عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ خدا نے ان کی طرح ان سے بھی ایمان وعمل کا عہد و پیمان لیا تھا۔ مگر انہوں نے اطاعت کی جگہ شقاوت کی راہ اختیار کی تو کہیں مسلمان بھی ان کی طرح خدا سے کیا ہوا ایمان وعمل کا عہد فراموش نہ کر بیٹھیں۔ نیز یہی عہد و پیمان نصرانیوں سے بھی لیا گیا تھا مگر انہوں نے بھی اس عہد کو طاق نسیان پر رکھ دیا اور ایمان وعمل کے اس عہد کو فراموش کر دیا۔

امت مسلمہ نے دوازدہ ائمہ علیہم السلام کے ساتھ کیا کیا؟

یہ تو تھا بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا مختصر سا بیان۔ کہ انہوں نے کس طرح اپنے بارہ نقباء کی حکم عدولی کی اور کس طرح اپنے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی؟ اب آیئے ذرا تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ امت مسلمہ نے اس عہد و پیمان کو کس طرح نبھایا، جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دوازدہ امام علیہم السلام کے بارے میں لیا تھا؟ تفصیلات میں جانے کا نہ وقت ہے اور نہ ضرورت۔

اگر گویم زباں سوزد
بس اتنا سمجھ لیں

ع۔

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند
کوفے میں کربلا میں مشہد کاظمین میں
بکھرے گل ریاض پیغمبرؐ کہاں کہاں؟
دوبار نماز شہید ہوئی اک مسجد میں اک مقتل میں
قرآن لہو میں تر دیکھا اک کوفے میں اک کربل میں

آیات القرآن

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو لوگ کہتے کہ ہم نصرانی ہیں ان سے بھی پختہ عہد لیا تھا سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے تو ہم نے (بطور سزا) قیامت تک ان کے درمیان بغض وعناد ڈال دیا اور عنقریب اللہ ان کو بتائے گا کہ وہ (دنیا میں کیا کرتے تھے)۔(۱۴) اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ پیغمبر آ گیا ہے جو بہت سی ان باتوں کو کھول کر بیان کر رہا ہے جنہیں تم اس کتاب میں سے چھپاتے رہے ہو اور بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر دیتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی) اور واضح کتاب آ گئی ہے۔(۱۵) جس کے ذریعہ

سے خدا ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر چلاتا ہے جو اس کی رضا کی اتباع و پیروی کرتے ہیں اور ان کو تاریکیوں (گمراہی) سے بظاہر اپنے اذن و توفیق سے نور (ہدایت) کی طرف لاتا ہے اور انہیں سیدھا راستہ پر لگاتا ہے۔ (۱۶) یقیناً وہ لوگ (نصرانی) کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مسیح مریم ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کس کا ذرا بھی بس چل سکتا ہے؟ (کہ اس کو روک دے) آسمانوں پر، زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۱۷)

تفسیر الایات

وَمِنَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا ...۱۴ الآیۃ۔

اس سے پہلی آیات میں یہود کی عہد شکنی اور حکم عدولی کرنے اور اس کے نتیجہ میں خدا کی لعنت اور دیگر مختلف عذابوں میں مبتلا ہونے کا تذکرہ تھا اور اب اس آیت میں نصاری کی عہد شکنی اور حکم عدولی اس کی پاداش میں بعض عذابوں میں گرفتار ہونے کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

نصاری سے کیا عہد لیا گیا تھا؟۔

وہ عہد یہی تھا کہ۔ ۱۔ وہ دین الٰہی کی نصرت کریں گے اور خود انہوں نے نحن انصار اللہ کہہ کر اس عہد و پیمان کا اقرار بھی کیا تھا۔

۲۔ آخری پیغمبر کے آنے کی بشارت اور اس پر ایمان لانے کی تاکید انجیل میں آنحضرتؐ کے لئے فارقلیط کا لفظ استعمال ہوا ہے جو احمد کا ترجمہ ہے مگر وہ اس عہد و پیمان پر ثابت قدم نہ رہے دین الٰہی کی نصرت کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی بجائے خالص توحید کا دامن چھوڑ دیا اور تثلیث کے نامعقول خود ساختہ نظریہ کو اپنا لیا اور آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے عہد کو یکسر نظر انداز کر دیا اور الٹا ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے جس کے نتیجے میں خدائے جبار و قہار نے بطور سزا ان کے درمیان ایسی مذہبی و سیاسی عداوت اور دشمنی ڈال دی جو قیامت تک برقرار رہے گی اور ان کا مذہبی و سیاسی افتراق و اختلاف کبھی ختم نہ ہوگا۔

نصاریٰ کے مذہبی فرقے؟

جناب عیسیٰؑ کا دین جو وہ منجانب اللہ لائے تھے ایک تھا۔ مگر نصاریٰ نے اس کے حصے بخرے کر دے۔ اور دین مسیح کے نام پر تین فرقے وجود میں آ گئے۔

(۱) نسطوریہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے

(۲) یقوبیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا سے متحد مانتے تھے۔

۳) ملکائیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو تین خداؤں میں سے ایک خدا قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں ان کے بڑے بڑے دو گروہ ہیں۔

(۱) پروٹسنٹینٹ

(۲) کیتھولک ظاہر ہے کہ جہاں عقائد و نظریات میں اختلاف ہو وہاں باہمی عداوت و دشمنی تو ضرور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر و ملحد کہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے درمیان اسقدر جنگ و جدال اور قتل و قتال ہو چکا ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے اپنے ہاتھوں میں سے اتنا خون بہہ چکا ہے کہ جتنا دوسروں سے جنگ و جدال میں بھی نہیں بہا اور پھر ان کے باہمی سیاسی اختلاف اور باہمی رقابتیں اس پر مستزاد ہیں ''جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ روس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے اور امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے وغیرہ'' (دریابادی)۔ اس باہمی رقابت و عداوت کا ثمرہ دنیا ماضی قریب میں دو عالمگیر جنگوں کی شکل میں دیکھ چکی ہے جن میں لاکھوں نہیں کروڑوں لوگ لقمہ اجل بن گئے ایک ہی دین کے ماننے والوں کا اس طرح مختلف فرق و مسالک میں بٹ جانا اور پھر ہر فرقہ کا دوسرے کو کافر و ملحد قرار دینا اور پھر مذہب کے نام پر ایک دوسرے کا خون بہانا یہ اللہ کا عذاب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ فاعتبروا یا اولی ''ابصار! بہر حال ان لوگوں کا پہلے باہمی جنگ و جدال مذہبی فرقہ آرائی پر تھا اور آج سیاسی و اقتصادی فرقہ بندی پر جنگ آرائی جاری و ساری ہے۔

تازیانۂ عبرت:

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن نے یہود و نصاری کے یہ واقعات و انحرافات اس لئے بیان کئے تھے کہ مسلمان ان سے درس عبرت حاصل کریں اور فرقہ آرائی کی گمراہی سے اپنے تئیں بچائیں اور ہوشیار ہو جائیں اور کہیں ایسے جرائم کا ارتکاب نہ کریں، جن کی سزا یہود و نصاری بھگت رہے ہیں ورنہ ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہوگا کیونکہ ع۔ سخت ہیں قدرت کی تعزیریں؟ مگر آہ! ما اکثر العبر وما اقل اعتبار؟ عبرتیں کس قدر زیادہ ہیں اور

عبرت حاصل کرنے والے کس قدر کم ہیں؟

کاخ جہان پر است ز ذکر گذشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہدایں صدا کم است

بڑے قلبی دکھ اور درد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ اگر آج ایک اسلام کے تہتر اسلام بن چکے ہیں اگر آج مسلمان مختلف فرق اور مسالک میں تقسیم ہو چکے ہیں اور پھر ایک دوسرے کو کافر و ملحد قرار دیکر ایک دوسرے کا خون ناحق بہا رہے ہیں اور غیر مسلم عالم کو تماشہ دکھا رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باہم لڑ جھگڑ کر اپنے آپ کو کمزور سے کمزور تر اور دشمن کو طاقتور تر سے طاقتور بنا رہے ہیں اور اسے یہ کہنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں کہ ع۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تو یہ ان کی عہد شکنی بے راہ روی اور شامت اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے۔

ع۔

آزما ست کہ برمااست!

سچ ہے! ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

وسوف ینبئھم اللہ بما کانو یصنعون۔

قَدْ جَآئَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ... الآیۃ

یہاں نور اور کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟

مفسرین اسلام میں قدرے اختلاف ہے کہ اس نور اور کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ آیا یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو عنوان ہیں یا یہ دو مختلف حقیقتیں ہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ نور سے حضرت رسولخداؐ مراد ہیں اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے قرآن مجید مراد ہے پہلے قول والے اپنے نظریہ پر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نور اور کتاب مبین کے درمیان حرف عطف (واوٗ) موجود ہے جو مغائرت کا تقاضا کرتا ہے معطوف علیہ اور ہے اور معطوف اور؟ اور دوسرے قول والے اپنے نظریہ

پر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے اگلی آیت میں مفرد کی ضمیر لائی گئی ہے یھدی بہ اللہ (جس کے ذریعہ سے اللہ ہدایت وراہنمائی کرتا ہے)۔

لہٰذا اگر نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو پھر خدا علیم وحکیم یھدی بھما فرماتا (کہ اللہ ان دونوں کے ذریعہ سے ہدایت وراہنمائی کرتا ہے۔) بنابریں اس عطف کو عطف تفسیری تسلیم کرنا پڑے گا جس میں حرف عطف کے بعد والی چیز (معطوف) اس کے ماقبل (معطوف علیہ) کی تفسیر وتشریح کرتی ہے چونکہ یہاں وارثان علم قرآن کی بیان کردہ کوئی مستند تفسیر موجود نہیں ہے اور اگر مفسر قمی یا دوسرے بعض مفسرین نے اس سے حضرت رسولؐ خدا یا حضرت امیرؑ اور دوسرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو مراد لیا ہے تو انہوں نے اس پر کسی معصومؑ کا کوئی فرمان پیش نہیں کیا اگرچہ مشہور قول یہی ہے مگر مرجح قول دوسرا ہے۔ واللہ العالم

نور کی حقیقت اور نبیؐ وقرآن پر اس کے طلاق کی وجہ؟

یہاں نور کی حقیقت اور قرآن وسنت میں نبی وقرآن پر نور کے اطلاق کی وجہ پر فی الجملہ تبصرہ کردینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ سو واضح ہو کہ عام طور پر نور کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ ''الظاہر بنفسہ والمظہر لغیرہ'' جو خود (بخود) ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے'' مگر ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ یہ نور کی تعریف لفظی ہے جو صرف شرح اسم کا کام دیتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ حقیقی تعریف تو وہ ہوتی ہے جو جامع جمیع افراد اور مانع از دخول غیر ہو جبکہ مذکورہ بالا تعریف نور تو نار پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی خود بخود ظاہر ہوتی ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتی ہے تو پھر نور کی حقیقی تعریف کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت نور مستور است تا حال نہ کسے اور افہمیدہ ونخواہد فہمید۔ یعنی۔ ع۔ کس نکشود ونکشاید بحکمت این معمارا۔ (رسالہ شرح آیت النور مطبوعہ ایران) یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء اعلام نے آیات وروایات نور کو ان متشابہات میں سے قرار دیا ہے جن پر اجمالی ایمان رکھنا اور ان کی اصل حقیقت کے سمجھنے کو راسخون فی العلم کی طرف لوٹانا ضروری ہوتا ہے (مراۃ العقول مجلسی، انوار نعمانیہ جزائری وغیرہ) اور نور کے ایک معنی ہدایت کے بھی ہیں جیسا کہ آیت مبارکہ انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور (پ ٦ مائدہ ع ١) وغیرہ آیات میں اس سے مراد ہدایت ہے بنابریں اگر پیغمبر خداؐ یا آئمہ ھدیٰ علیہم السلام پر قرآن وسنت میں نور کا اطلاق کیا گیا ہے تو وہ دو وجہ سے ہے۔

۱) چونکہ ان کے ارواح مقدسہ نورانی ہیں اور ان کے بشریٰ اجسام ان ارواح کے حامل ہیں اس لئے من باب المجاز ان کو نور کہہ دیا گیا ہے۔

۲) نور کے معنی ہدایت کے ہیں اور یہ بزرگوار حقیقی ہادی وراہنما ہیں اس لئے ان کو نور کہا گیا

ہے اور قرآن پر نور کا اطلاق نور کے انہی دوسرے معنی کے لحاظ سے ہے کہ چونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا جاتا ہے اس موضوع کی دیگر تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب ''اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ'' کے دوسرے باب کی طرف رجوع فرمائیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ... الآية

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جناب عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خالص توحید لے کر آئے تھے جیسا کہ متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث معصومیہ سے روز روشن کی طرح واضح آشکار ہے اور آپ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بہت عرصہ بعد نصاری نے غلط جذبات محبت کی رو میں بہہ کر ان کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہا جیسا کہ ہمیشہ سے دنیا والوں کا وطیرہ رہا ہے کہ جس سے وہ محبت کرتے اور عقیدت رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں افراط سے کام لیتے ہیں اور جس سے عداوت رکھتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں اس کے بارے میں تفریط کرتے ہیں جبکہ حق اور راہ راست ہمیشہ افراط اور تفریط کے درمیان ہوتا ہے۔

یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم۔ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور تثلیث والے باطل اور غیر معقول نظریہ سے باز آجاؤ اور توحید خالص اختیار کرو کسی بھی مخلوق کو خالق والہ قرار دے کر کافر نہ بنو سب ارضی وسماوی کائنات کی بسط وکشاد اور اس کی باگ دوڑ اللہ رب العزۃ کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ عیسیٰؑ ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو فنا کرنا چاہیے اور موت کی نیند سلانا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ اور اس کے فیصلے کے سامنے کون چوں وچرا کرسکتا ہے؟ مطلب واضح ہے کہ جناب عیسیٰ۔ ہوں یا ان کی والدہ گرامی وہ خدا کے بالمقابل اسی طرح بے بس ہیں جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ تو پھر انہیں اللہ کہنا یا انہیں اللہ سے متحد ماننا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ اللہ ملك السموات والارض۔ واللہ علی کل شیء قدیر۔

''عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ باپ بھی خدا ہے، بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں ہے بلکہ ایک خدا ہے یہ معمہ ہے، نہ سمجھنے کا، نہ سمجھانے کا'' (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا۔ بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن)

آیات القرآن

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں ان سے کہو (پوچھو) پھر خدا تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے (نہیں) بلکہ تم بھی اس کی مخلوقات میں سے محض بشر (انسان) ہو وہ جسے چاہتا ہے، بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے، سلطنت آسمانوں کی، زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔ (۱۸) اے اہل کتاب ہمارا رسول جو کھول کر (ہمارے احکام) بیان کرتا ہے ایسے وقت تمہارے پاس آیا کہ جب کچھ عرصہ سے رسولوں کی آمد کا سلسلہ بند تھا تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا تو لو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (۱۹) وہ وقت یاد کرو، جب جناب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم اللہ کا وہ احسان یاد کرو، جو اس نے تم پر کیا اس نے تم میں نبی بنائے اور تمہیں فرمانروا اور خود مختار بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیا (۲۰)

تفسیر الآیات

وَ قَالَتِ الۡیَہُوۡد ...الآیۃ

اہل کتاب کے دعوائے ابنیت ومحبوبیت خدا کا مفہوم کیا ہے؟

یہود ونصاریٰ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ان کا اللہ سے کوئی خاص رشتہ ہے جس کی وجہ سے ان کے اعمال کا کوئی محاسبہ نہ ہوگا اور دنیا وآخرت میں ان کو کوئی عذاب وعقاب نہ ہوگا جب یہ بتانا مقصود ہو کہ فلاں شخص کا بیٹا ہے تو اس کے لئے دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

۱) ابن اور۔ ۲) ولد اور ان دو لفظوں میں باہمی فرق یہ ہے کہ ولد صرف اسے کہا جاتا ہے جو کسی کی صلب سے پیدا ہوا ہو مگر ابن عام ہے جس کا صلبی بیٹے پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور خصوصی تعلق والے پر بھی یعنی جس کا کسی سے خصوصی ربط وضبط ہو، جیسے مسافر کو ابن سبیل اور جنگجو کو ابن الحرب کہا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہود ونصاری اس معنی میں اپنے کو ابناء اللہ نہیں کہتے تھے کہ وہ خدا کی صلب سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ وہ اللہ کے مقرب اور اس کے چہیتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کی خصوصی نظر کرم عنایت ہے۔ (تفسیر کبیر وضیاء القرآن)

یہود ونصاریٰ کے اس دعوی کی رد:

خدائے علیم وحکیم بڑے احسن انداز میں ان لوگوں کے اس زعم کی رد کر رہا ہے اگر تم واقعی خدا کے پیارے اور لاڈلے ہو تو پھر خدا تمہیں گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بھلا کوئی شفیق باپ بھی اپنی اولاد اور اپنے چہیتوں کو اس طرح سزا دیتا ہے خدا نے یہود کو دنیا میں فرعون اور فرعونیوں، بخت نصر اور رومیوں کے ہاتھوں سے اور نصاری کو خود ایک دوسرے کے ہاتھوں سے اور باہمی قتل وقتال سے دی ہے؟ اور آخرت میں بھی انہیں سخت سزا دے گا جس کا خود ان کو بھی اس قدر تو اقرار ہے کہ وہ کم از کم اس قدر ایام معدودۃ تک ان کو سزا دے گا جتنے دنوں تک انہوں نے سامری کے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔ اس لیئے خدا واضح فرما رہا ہے کہ اس زعم میں مبتلا نہ ہو کہ تم خدا کے لاڈلے ہو بلکہ تم عام بشر وانسان ہو اور دنیا وآخرت میں کامیاب یا ناکام ہونے کا جو عام قانون اور آئین فطرت ہے اور سب انسانوں کے لئے ہے وہی تم پر بھی لاگو ہوگا اور وہ عمومی قانون قدرت جو دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کی کلید ہے وہ سعی پیہم اور جہد مسلسل ہے **ولیس للا نسان الا ماسعیٰ** جو آخرت میں نجات

حاصل کرنے کی کنجی ہے وہ ایمان اور نیک کام ہے پس جو اخلاص کے ساتھ یہ کام کرے وہی اخروی فوز وفلاح سے بہرہ ور ہوگا۔ کائنات کا ان اور جو کام نہیں کرے گا اور جو صرف اپنی مزعومہ بزرگی و برتری کے کھوکھلے دعوے کرتا رہے گا نہ ایمان لائے گا اور نہ عمل صالح کرے گا وہ خائب وخاسر ہوگا اور انجام کار ہاویہ اس کا زاویہ ہوگا اور سقر اس کا مقر ہوگا۔ وذلك هو الخسر ان المبين۔ حضرت امام باقرؑ ایک مستند اور طویل الذیل حدیث کے اندر فرماتے ہیں کہ لیس بین الله وبین احد قرابة۔ خدا سے کسی بندہ کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ ولا ینال ماعند الله الا بالطاعه۔ خدا کے پاس جو کچھ اجر وثواب ہے وہ تقویٰ واطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ فمن کان لله مطیعاً فهو لنا ولی ومن کان لله عاصیاً فهو لنا عدو۔ پس جو شخص خدا کا مطیع وفرمانبردار ہے وہ ہمارا ولی وحبدار ہے اور جو اللہ کا عاصی ونافرمان ہے وہ ہمارا دشمن وبغضدار ہے (اصول کافی، باب اللفکر والا ایمان) امام عالیمقام کے اس کلام حق ترجمان سے واضح وعیان ہوتا ہے کہ کسی بھی قوم و جماعت کو اہل کتاب کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی رشتہ ہے جس کی بناء پر وہ اس کے اعمال وافعال کا محاسبہ نہیں کرے گا۔ یہ خیال محال کسی قوم وجماعت کی تباہی وبربادی کا موجب تو ہوسکتا ہے مگر اس کی فلاح کونین وسعادت دارین کا باعث نہیں بن سکتا وہ قادر مطلق ہے مالک دوسرا ہے۔ یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء ولکن لا یغفر الا لا هله ولا یعذب الا مستحقه

یٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ...الآیة

ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے

خالق حکیم نے اس عالم آب وگل کا نظام کچھ اس نہج پر چلا یا ہے کہ اس کی ہر چیز علل واسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور اگر کبھی اس کے خلاف کوئی واقعہ رونما ہوجائے تو اس کا نام ''معجزہ'' ہے جو خرق عادت اور خلاف نیچر کا دوسرا نام ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ علل واسباب سب مادی ومرئی ہوں یا کچھ مادی اور کچھ غیر مادی اور غیر مرئی ہوں۔ ہماری متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس عالم کی بقا کے علل واسباب میں سے ایک قوی سبب حجت خدا کا وجود بھی ہے خواہ نبی ورسول کی شکل میں ہو یا وصی وامام کی صورت میں الارض لا تخلو من حجته لله اما ظاهر مشهور و اما خائف مستور۔ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں ہوتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ ظاہر ومشہور ہو یا خائف ومستور ہو۔

(اصول کافی، نہج البلاغہ) لہٰذا اگر زمین حجت خدا سے خالی ہوجائے وہ اپنے اہل کو لے کر نیچے دھنس

جائے (اصول کافی)

ویسے اگر عقلی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو اتمام حجت کے لئے ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے اس لئے احادیث میں وارد ہے۔ الحجته قبل الخلق ومع الحلق و بعد الخلق (ایضاً)

زمانہ فترۃ کی تشریح؟

انبیاء و مرسلین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خدائے حکیم کبھی اپنے انبیاء کو یکے بعد دیگرے مسلسل بھیجتا رہتا ہے جیسا کہ جناب موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیانی فاصلہ میں (جو قریباً ایک ہزار سات سو سال پر محیط ہے) ایک ہزار نبی مبعوث فرمائے اور کبھی دو نبیوں کے درمیان خاصا وقفہ واقع ہو جاتا ہے جیسے جناب عیسیٰؑ کے قریباً پانچ سو سال کے بعد حضرت ختمی مرتبتؐ کی بعثت واقع ہوئی اسی درمیانی زمانہ کو زمانہ فترہ کہا جاتا ہے مگر خیال رہے کہ یہ زمانہ حجت خدا کے وجود سے خالی نہیں ہوتا بلکہ خدا سابق نبی کے اوصیاء کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت و راہنمائی اور سابقہ شریعت کی بقاء کا انتظام کرتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے لوگوں پر حجت تمام کرتا ہے چنانچہ آنحضرتؐ کی بعثت تک جناب عیسیٰؑ کے اوصیاء کا سلسلہ جاری رہا اور آپؐ کے دار دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے اوصیاء کا سلسلہ جاری ہے جو قیامت تک برابر جاری و ساری رہے گا جیسا کہ کتب فریقین میں مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ حدیث۔ یکون بعدی اثناء عشر حلیفةً۔ مروی ہے لا تقوم الساعة حتی یمضی اثنا عشر خلیفةً اور وہ بعض طرق وسناد میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ لا تقوم الساعة حتی یضی اثنا عشر خلیفةً۔ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک میرے بارہ خلیفہ گذر نہیں جائیں گے۔ (صحاح ستہ وغیرہ)

بارہویں امام کا ذکر خیر؟

اور یہ موجودہ دور بارہویں لعل ولایت حضرت مہدی و ہادیؑ کا دور ہے جس کے بارے میں پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا۔ لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول الله ذلك الیوم حتی یبعث رجلاً من اهلبیتی اسمه اسمی یملاء الارض عدلا وقسطا كما ملئت ظلماً وجورا۔ اگر زندگانی دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کبریٰ کے قائم ہونے میں صرف ایک دن باقی رہ جائے تو خدا اسی ایک دن کو اس قدر طولانی کر دے گا کہ میرے اہلبیت میں سے میرے ایک ہمنام جانشین کو بھیجے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی (سنن ابوداؤد۔ وغیرہ) عجل اللہ فرجہ الشریف۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلہ عالم افکار

بہرحال زمانہ فترہ کے بعد وہ آخری بشیر ونذیر نبی رحمت آ گیا جس کی آمد سے کفر وشرک کے تاریک بادل چھٹ گئے اور پورا عالم اسلام وقرآن رحمۃ العالمین کی رحمت کے ضیاء پاشیوں سے مطلع انوار بن گیا وہ آ گیا جس کا مدت سے تمہیں انتظار تھا لہٰذا کل فردائے قیامت بارگاہ رب العزت میں یہ نہ کہنا کہ ما جائنا من بشیر ولا نذیر۔ کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا تھا لو تمہارا عذر قطع ہو گیا بشیر و نذیر آ گیا تمہاری ہدایت کا انتظام اور بخشش کا اہتمام ہو گیا بس ان پر ایمان لاتے جاؤ ان کی اطاعت کرتے جاؤ اور اپنی نجات کا سامان مہیا کرتے جاؤ۔ وما علینا الا البلاغ۔ ع

بررسولاں بلاغ باشد وبس

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی ...الآیۃ

جناب موسیٰ نے اپنی قوم کے دشمن کے ساتھ جہاد پر آمادہ کرنے کی خاطر یہاں منعم حقیقی کے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں

۱) تم میں سے انبیاء بھیجے جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسف علیہم السلام۔

۲) غلامی کی زنجیریں توڑ کر تمہیں بادشاہت اور آزادی کی دولت عطا فرمائی حضرت یوسفؑ کے دور اور ان کے بعد مصر میں اُن کو بڑا اقتدار حاصل ہوا اور ویسے آزادی کی نعمت تو سب کو ملی۔

۳) اور تمہارے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی اور کے ساتھ نہیں کیا۔ جدال وقتال کے بغیر تمہارے سب سے بڑے دشمن فرعون کو ہلاک و برباد کیا تم پر من وسلوی نازل کیا، پتھر سے میٹھے پانی کے چشمے جاری کئے اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان نعمتوں کا تفصیلی تذکرہ اس تفسیر کی پہلی جلد میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۴۷ میں کیا جا چکا ہے یا بنی اسرائیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکم کی تفسیر میں کیا جائے گا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِیۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ ٭ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا ۚ فَاِنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَیۡهِمُ الۡبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۬ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً ۚ یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ الآیات

اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہوجاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور (مقابلہ کے وقت) پیٹھ دکھا کر نہ بھاگنا ورنہ نقصان اٹھا کر لوٹو گے (۲۱) انہوں نے (جواب دیا) کہا اے موسیٰ اس زمین میں تو بڑے زبردست (جابر) لوگ رہتے ہیں اور ہم وہاں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں البتہ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم ضرور داخل ہوجائیں گے۔ (۲۲) اس وقت دو شخصوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے (خصوصی) نعمت سے نوازا تھا۔ کہا۔ کہ تم ان (جباروں) پر چڑھائی کر کے دروازہ کے اندر گھس جاؤ اور جب تم اس کے اندر داخل ہوگے (تو وہ بھاگ

کھڑے ہوں گے) تم غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان دار ہو۔ (۲۳) انہوں نے کہا موسیٰ ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں ہیں لہٰذا آپ اور آپ کا خدا دونوں چلے جائیں اور جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ (۲۴) موسیٰ نے کہا پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر کوئی قابو (اختیار) نہیں رکھتا پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کردے۔ (۲۵) اللہ نے فرمایا! پھر اب وہ (زمین) چالیس سال تک ان پر حرام ہے وہ لق ودق صحراء میں سرگردان پھرتے رہیں گے پس آپ اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں۔ (۲۶)

تفسیر الایات

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا ...الآیۃ

گویا خدائے رؤف ورحیم اپنے حبیب مصطفیٰؐ کو تسلی دیتے ہوئے تاریخ یہود کا قدیم قصہ سنا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ سے ضد اور کج بحثی کرتے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، یہ تو وہ اکھڑ مزاج قوم ہے جو اپنے نبی جناب موسیٰ ۔ کے ساتھ یہی سلوک کرتی تھی۔

ارض مقدسہ شام میں داخلہ کا پس منظر:

حضرت ابراہیمؑ جب نمرود و دیگر کفار و مشرکین کے بغض و عناد اور ان کی مخاصمت و مخالفت کی وجہ سے مایوس ہو کر وہاں سے نکلے اور ملک شام کے علاقہ کنعان میں جو اب فلسطین کہلاتا ہے جا کر قیام پذیر ہوئے اور جناب یعقوبؑ کے عہد تک اس خاندان کا اسی جگہ قیام رہا اور پھر انقلاب زمانہ سے جب جناب یوسفؑ مصر پہنچے اور بازار مصر میں بحیثیت غلام فروخت کئے گئے اور بالآخر مصر کی مسند اقتدار پر بیٹھے تو انہوں نے اپنے والد جناب یعقوبؑ کو تمام خاندان سمیت مصر بلوا لیا اور ان کے جانے کے بعد کنعان (موجودہ فلسطین) پر ایک جبار اور سرکش قوم (عمالقہ) کا قبضہ ہو گیا جو قوم عاد کے بقایا میں سے تھے جو بڑے ہیبت ناک قد و قامت اور بے ہنگم ڈیل ڈول اور بے پناہ قوت و طاقت کے مالک تھے پھر جناب یوسفؑ کے جب مصر میں ملکی اور غیر ملکی کا سوال ابھر کر سامنے آیا اور اس سیاسی کش مکش میں انجام کار وہاں کی مقامی قوم قبط مسند اقتدار پر قابض ہو گئی اور اس کے ارباب اقتدار نے جو فرعون کہلاتے تھے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے اس وقت

خدا نے جناب موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا جن کے عہد میں خدائے قدیر نے فرعون اور فرعونیوں کو رود نیل میں غرق کیا اور اس طرح بنی اسرائیل کو ان کی غلامی سے نجات عطا فرمائی تب جناب موسیٰؑ نے ان لوگوں کو بشارت دی کہ تم لوگ اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین کنعان (فلسطین) واپس جاؤ گے اور وہاں خدا تمہیں بڑا اقتدار و وقار عطا فرمائے گا چنانچہ اس ارض مقدسہ سے شام کا وہی علاقہ کنعان مراد ہے۔ یہ بشارت سن کر تو لوگ بہت خوش ہوئے مگر جب اس اقتدار کے حاصل کرنے کی منزل قریب آئی یعنی جب فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو ان کے موسیٰؑ لم سے نجات ملی تو جناب موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ کنعان (فلسطین) چلو اور اس پر قابض قوم (عمالقہ) سے مقابلہ کرو اور ہرگز کسی قسم کی کمزوری نہ دکھاؤ اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ آخری فتح تمہاری ہوگی کیونکہ خدا نے یہ زمین تمہارے لئے لکھ دی ہے پس جب جہاد کا وقت آیا تو ان لوگوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا، جس کی تصویر کشی قرآن نے کی ہے اور جس چیز نے ان لوگوں کی بزدلی میں اضافہ کیا اور جلتی پر تیل چھڑکا، وہ یہ تھی کہ بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ نے فلسطین کی تازہ صورتحال معلوم کرنے کے لئے بارہ آدمی روانہ کئے تھے انہوں نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور قابض قوم کے حالات و واقعات کا جائزہ لیا اور جب واپس آئے تو باوجود یہ کہ جناب موسیٰ نے ان سے فرمایا اپنے چشم دید واقعات میں سے کوئی ایسا واقعہ بیان نہ کرنا جس سے قوم کا حوصلہ پست ہو اور مقابلہ و مقاتلہ سے جی چرائیں مگر ان بارہ اشخاص میں سے دس نے تو حکم عدولی کرتے ہوئے برملا بنی اسرائیل کے سامنے اس قوم کی قوت اور طاقت اس کی ڈیل ڈول اور قد کاٹھ اور ان قلعوں کے مضبوطی کے واقعات کچھ اس انداز سے بیان کئے کہ ان لوگوں کے چھکے چھوٹ گئے اور بالآخر بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ جناب موسیٰ سے کہہ دیا کہ ہم ایسی قوم سے نہیں لڑ سکتے اور شام کی سرسبز زمین، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشموں اور وہاں کے لہلہاتے ہوئے باغات پر قبضہ کرنے اور ان سے لطف اندوز ہونے کے ذوق شوق میں اپنی زندگیوں سے ہاتھ نہیں دھو سکتے اور اپنی بیویوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہیں بنا سکتے ہم تو بس مصر جائیں گے۔ بہرحال ان بارہ افراد میں صرف دو شخص ایسے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے لب کشائی نہیں کی تھی اور بنی اسرائیل کو عمالقہ کے اپنے چشم دید حالات نہیں بتائے تھے وہ اس موقع پر آگے بڑھے اور بنی اسرائیل کو سمجھانے اور ان کی ہمت بڑھانے کی بڑی کوشش کی مگر بے سود۔ قرآن نے ان دو شخصوں کا نام نہیں بتایا صرف ان کی دو صفتیں بیان کی ہیں۔ (۱) الذین یخافون۔ وہ جو ڈرتے تھے کس سے؟ ظاہر ہے کہ خدا سے ہی ڈرتے ہوں گے کیونکہ ساری کائنات میں ڈرنے کے لائق وہی ذات ہے۔ (۲) الذین انعم اللہ علیہما۔ اللہ نے ان پر خصوصی انعام و احسان فرمایا تھا ظاہر ہے کہ دنیا جہاں میں جس میں کوئی خوبی پائی جاتی ہے وہ پروردگار عالم ہی کا

عطیہ ہے مگر مفسرین نے ان کا نام یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا لکھا ہے بہرحال انہوں نے حتی الامکان قوم کو سمجھایا بجھایا کہ نہ ڈرو نہ مرو کمر ہمت باندھو اور قدم بڑھاؤ شہر (بیت المقدس) کے دروازہ تک پہنچ جاؤ اور دشمن پر حملہ کرو نصرت و تائید الٰہی اس طرح تمہارے شامل حال ہوگی کہ دشمن بھاگ جائے گا اور تم غالب آ جاؤ گے اور مظفر و منصور ہو کر شہر میں داخل ہو جاؤ گے مگر ان بزدلوں نے جب اپنے نبی کی بات نہیں سنی اور نہ مانی تھی تو ان کی بات کیا مانتے اس لئے بڑا اکھڑا ہوا اور بھونڈے انداز میں جواب دیا کہ (جب لڑنا نہیں ہے صرف دروازہ شہر تک جانا ہے تو پھر ہمیں وہاں جانے کی کیا ضرورت؟ **فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون** (بس آپ جائیں اور آپ کا پروردگار اور دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں) بنی اسرائیل کے اس گستاخانہ اور بے جا کانہ بے ادبانہ جواب اور سے دلبرداشتہ ہو کر جناب موسیٰؑ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ **رب لا املك الا نفسی و اخی**۔ پروردگار میں اپنی ذات اور بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا بس تو ہی ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ وانت احکم الحاکمین۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امتحان کے وقت جناب موسیٰ کے سب ساتھی ساتھ چھوڑ گئے تھے سوا ہارون یا یوشع یا ایک اور کے تو اگر کبھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی ایسی صورت حال پیش آ جائے کہ چند مخلص لوگوں کے سوا باقی سب ساتھ چھوڑ جائیں تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر دور میں خدا کے خالص و مخلص بندے کم ہی رہیں گے۔ **وقلیل من عبادی الشکور**۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ ... الآیۃ۔

خدائے تعالیٰ نے جناب موسیٰؑ کی دعا کو اس طرح شرف قبول بخشا کہ فرمایا اب وہ سرزمین (شام) چالیس سال تک ان پر حرام ہے اب یہ اس زمین (جنگل) میں سرگرداں پھرتے رہیں گے پس اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں ظاہر ہے کہ اس حرام سے وہ شرعی حرام مراد نہیں ہے جس کی خلاف ورزی آدمی کے لئے ممکن ہوتی ہے بلکہ یہ قضا و قدر کا فیصلہ ہے جو بنی اسرائیل کی مسلسل بدعملیوں نافرمانیوں اور ناشکر گزاریوں کی وجہ سے ان کے خلاف نافذ ہوا ہے اور قادر مطلق نے اس سزا کا نفاذ اس طرح کیا کہ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو لق و دق صحرا میں اس طرح مجبور و محصور اور نظر بند کیا کہ پورے چالیس سال تک نہ شام جا سکے اور نہ واپس مصر لوٹ سکے نہ کوئی فوج نہ پولیس نہ جیل خانہ اور نہ اس کی بلند دیواریں اور نہ اس کا کوئی آہنی اور مضبوط دروازہ صرف مختصر سا خالی میدان جو مصر و شام کے درمیان ہے اس میں خدا نے اس طرح ان کو قید کیا کہ چالیس سال کی مسلسل جد و جہد اور سعی و کوشش کے باوجود نہ شام جا سکے اور نہ واپس مصر لوٹ سکے۔ اصل واقعہ اس طرح تھا کہ سارے دن کے سفر کے بعد جب

شام ہوتی تو پتہ چلتا کہ صبح جہاں سے چلے تھے پھر پھرا کر اسی جگہ پہنچ گئے ہیں بہر حال اگر چہ جناب موسیٰ وہارون بھی تھے تو قوم کے ساتھ مگر وہ وادی جہاں قوم کے لئے سزا اور جیل خانہ تھی وہاں ان بھائیوں کے لئے ان انعامات غیر مترقبہ کا مرکز تھی اور انہی کی دعا و برکت سے اس زیر عتاب قوم کو بھی مختلف الطاف ونعمات سے نوازا گیا۔اس طولانی مدت کے دوران پہلے جناب ہارون وفات پا گئے اور ان کے کچھ عرصہ بعد جناب موسیٰ بھی وفات پا گئے اور وہیں مدفون ہوئے ظاہر ہے کہ اس اثناء میں بنی اسرائیل کے عمر رسیدہ لوگ بھی موت سے ہمکنار ہو گئے بعد از اں خدائے علیم وحکیم نے جناب یوشع بن نون کو جو کہ حضرت موسیٰ کے جانشین تھے عہدہ نبوت پر سرفراز فرمایا اور چالیس سال کی مدت قید ختم ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے باقیماندہ افراد اور نسل نو کو ہمراہ لے کر جہاد بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئے اور خدا کے وعدہ کے مطابق ارض مقدسہ اور شام اور اس کے علاقہ کنعان (فلسطین) پر جہاد کر کے اپنا اقتدار قائم کیا اور اس طرح بے پناہ دولت ان کے ہاتھ آئی سچ ہے۔ع

بے رنج گنج ہر گز میسر نمی شود

اگر مسلمانوں کو بھی عالمی اقتدار کی بشارت دی گئی (لیظهره علی الدین کله) تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں عملی سعی و کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے اور ضرور ہے۔ولیس للا نسان الا ماسعیٰ۔

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ بنا تھا

مولانا ابوالکلام لکھتے ہیں ”جب کوئی قوم عرصہ تک غلامی کی حالت میں رہتی ہے تو اس میں بلند مقاصد کے لئے جدوجہد کرنے کی استعداد باقی نہیں رہتی وہ غلامی کا امن پسند کرنے لگتی ہے“۔

اگر چہ ذلت و نامرادی کے ساتھ ہو اور مقاصد کی جدوجہد سے جی چرانے لگتی ہے اگر چہ اس کا نتیجہ کا مرانی و اقبال ہو اور خیال یہی حال بنی اسرائیل کا تھا اس پر حکم ہوا کہ تم چالیس سال تک جزیرہ نمائے سینا میں پڑے رہو اس میں مصلحت یہ تھی کہ چالیس سال کے اندر پچھلی نسل ختم ہو جائے جسے مصر کی غلامانہ زندگی نے نکما کر دیا تھا اور ایک اور نئی نسل پیدا ہو جائے جس نے بیاباں کی آزادانہ آب و ہوا میں نشوونما پائی ہو چنانچہ چالیس سال کے بعد ایک نئی نسل ظہور میں آ گئی اور وہ بڑھی اور موجودہ سرزمین پر قابض ہو گئی“۔(ترجمان القرآن)

آیات القرآن

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۛۚ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمۃ الآیات

اے رسول ؐ آپ انہیں آدم ؑ کے دونوں بیٹوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنایئے جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی اس (دوسرے) نے کہا میں تمہیں ضرور قتل کروں گا پہلے نے کہا اللہ تو صرف متقیوں (پرہیزگاروں) کا عمل قبول کرتا

ہے۔(۲۷) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تمہیں قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا (کیونکہ) میں تو ڈرتا ہوں اس اللہ سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۲۸) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ سمیٹ لے جائے اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جائے کہ ظالموں کی یہی سزا ہے۔(۲۹) تو (بالآخر) اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل کو اس کے لئے آسان بنا دیا چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔(۳۰) پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودتا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کیونکہ اپنے بھائی کی لاش چھپائے اس پر اس نے کہا، ہائے افسوس! کیا میں اس کوے سے بھی زیادہ گیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپاؤں اب وہ پشیمان ہونے والوں میں سے ہو گیا۔(۳۱) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہو اور جس نے کسی ایک جان کو بچا لیا تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا اور بے شک ان (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں ظلم و تعدی کرنے والے ہی رہے (۳۲)

تفسیر الآیات

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ ...الآیۃ۔

فرزندان آدمؑ سے کون مراد ہیں؟

چونکہ ہر آدمی جناب آدمؑ کی اولاد سے اس لئے اسے فرزند آدمؑ کہنا درست ہے اسی لئے بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آدمؑ کے دو فرزندوں میں سے بنی اسرائیل کے دو شخص مراد ہیں مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔ مشہور و منصور بلکہ متفق علیہ قول یہی ہے کہ اس سے جناب آدمؑ کے دو صلبی فرزند مراد ہیں ان دو فرزندوں کا نام کیا تھا؟ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ ان دو فرزندوں میں سے جو بڑا تھا اور قاتل تھا اور اس کا نام قابیل تھا جو چھوٹا تھا اور مقتول تھا اس کا نام ہابیل تھا۔

قربانی پیش کرنے کا مقصد کیا تھا؟

قرآن مجید خبر دیتا ہے کہ ان دونوں فرزندان آدمؑ نے قربانی پیش کی تھی اور ایک (ہابیل) کی قربانی قبول ہوگئی تھی اور دوسرے (قابیل) کی نا قبول جس کے نتیجے میں یہ قتل واقع ہوا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قربانی کیوں پیش کی گئی تھی؟ اس کا مقصد کیا تھا؟ برادران اسلامی کے اکثر بلکہ تمام مفسرین نے اور ہمارے بعض مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت آدمؑ وحوا کے ایک حمل سے دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے اور پھر ان کا دوسرے حمل سے متولد ہونے والے بہن بھائیوں سے عقدوازدواج ہوتا تھا چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ جو لڑکی قابیل کے ساتھ توام پیدا ہوئی وہ بہ نسبت اس لڑکی کے جو ہابیل کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھی زیادہ حسین و جمیل تھی تو جناب آدم۔ نے قابیل کی توام خوبصورت بہن سے ہابیل کی اور ہابیل کی توام بہن جو کہ کم خوبصورت تھی کی قابیل سے شادی کرنا چاہی اس سے قابیل ناراض ہوگیا اور اپنی خوبصورت بہن سے شادی کرنے پر اصرار کرنے لگا تو جناب آدمؑ نے حکم دیا کہ بارگاہ خداوندی میں قربانی پیش کرو جس کی قربانی قبول ہوگئی اس کی اس سے شادی کی جائے گی چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی جو قابیل کی نامنظور اور ہابیل کی منظور ہوگئی جس کی بناء پر قابیل کی آتش حسد نے جوش مارا اور جناب ہابیل کو راستہ سے ہٹانے کے لئے ناحق اسے قتل کر دیا۔

مشہور واقعہ کی رد:

اگر اس روایت کو اصول ورایت کی کسوٹی پر رکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

۱) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب آدمؑ کے دور میں بہن بھائی کا باہمی عقدوازدواج جائز تھا حالانکہ اس فعل کی حرمت ذاتی ہے جو نہ کبھی جائز تھی اور نہ ہی ہوسکتی ہے۔

۲) جس نسل سے انبیاءؑ اور ان کے اوصیاء پیدا ہونے تھے کیا خدا اس نسل کو بطریق حلال جاری کرنے پر قادر نہ تھا؟ اور اگر تھا تو پھر ایسا کیوں کیا؟

۳) اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے مجوسیوں کے لئے جواز پیدا ہو جائے گا جو بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرنا مباح جانتے ہیں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قصہ غلط ہے تو پھر اصل واقعہ کیا ہے؟ اس کا جواب اس روایت میں موجود ہے جو بروایت سلیمان بن خالد حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے جس میں منقول ہے کہ جب سلیمان نے یہ قصہ امام عالی مقام کی خدمت میں بیان کیا تو امام نے اس کی رد اس کے

راوی کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ کے نبی آدم کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ سلیمان نے عرض کیا، تو پھر قابیل نے ہابیل کو کیوں قتل کیا تھا؟ فرمایا یہ وصایت کا تنازعہ تھا خدا نے جناب آدم کو حکم دیا کہ اپنے بعد وصیت نامہ اور اسم اعظم ہابیل کے حوالے کریں جب قابیل نے یہ بات سنی جو کہ بڑا تھا تو وہ اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ میں اس اعزاز کا زیادہ حقدار ہوں اس پر جناب آدمؑ نے دونوں کو قربانی پیش کرنے کا حکم دیا بس جب ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی نہ ہوئی تو اس نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر دیا (تفسیر عیاشی، البحار، البرہان) پس جب اس روایت کو عقل اور قول معصوم کی تائید حاصل ہے تو اسے ہی صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔

یہ قربانی کس چیز کی دی گئی تھی اور اس کی قبولیت کا طریقہ کار کیا تھا؟

جو بات مختلف احادیث و اخبار سے واضح و آشکار ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جناب ہابیل کے پاس چونکہ بھیڑ بکریاں تھیں اس لئے انہوں نے ایک اعلیٰ دنبہ کی قربانی پیش کی اور قابیل چونکہ کاشت کاری کرتا تھا اس لئے اس نے معمولی خوشہ گندم کی قربانی دی اور اس دور میں چونکہ کسی قربانی کی قبولیت کا طریقہ کار یہ تھا کہ آسمان سے آگ آتی تھی اور مقبول قربانی کو کھا جاتی تھی اس لئے آگ آئی اور جناب ہابیل کی قربانی کھا گئی اور قابیل کی قربانی دھری رہ گئی۔ (مجمع البیان)

جناب ہابیل کا قتل حسد کا نتیجہ تھا:

جناب ہابیل کی قربانی کے قبول ہو جانے اور اسے وصیت نامہ اور اسم اعظم مل جانے اور قابیل کے بے نیل مرام رسوا ہو کر واپس آنے نے اس کی آتش ضد کو مشتعل کر دیا اور کھلم کھلا اپنے بھائی ہابیل سے کہہ دیا کہ لا قتلنک میں تجھے ضرور قتل کروں گا ہابیل نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اس کا جواب دیا کہ اس میں برا منانے یا ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۲۷... الآیۃ

اللہ تعالیٰ تو صرف متقیوں اور پرہیزگاروں کا عمل قبول کرتا ہے میں نے تقویٰ اختیار کیا اس لئے میری قربانی قبول ہوگئی اور تم نے ایسا نہیں کیا اس لئے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی لہٰذا اپنے برے اعمال سے توبہ کرو اور تقویٰ اختیار کرو اس طرح تمہاری قربانی بھی قبول ہو جائے گی اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر کی اطاعت و عبادت قبول نہیں ہے ہاں البتہ اس کی ادائیگی سے وہ اس کے ترک کرنے کے عذاب سے بچ جائے گا مگر عمل قبول تب ہوگا جب تقویٰ اختیار کرے گا۔ ہابیل کی اس بات سے اور قرآن کے اس کو نقل

کرنے سے یہ قاعدہ کلیہ مستفاد ہوتا ہے کہ اعمال وعبادات کی قبولیت کا دارومدار تقویٰ و پرہیزگاری اور خوف و خشیت الٰہی پر ہے لہٰذا جو شخص لباسِ تقویٰ سے عاری ہے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہے پس اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو عمل صالح بھی کرتے ہیں اور مختلف گناہان کبیرہ کا برملا ارتکاب کر کے فسق و فجور بھی کرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اپنی روش ورفتار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

قابیل کی تندروی اور ہابیل کی سبک خرامی

قرآنی واقعات سے ظاہر ہے کہ قابیل کی اس تیز وتند دھمکی کہ میں تمہیں ضرور قتل کروں گا ہابیل نے شریفانہ اور پروقار لہجہ میں جواب دیا کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تمہیں قتل کرنے کے لئے دست درازی نہیں کروں گا یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حفاظت خود اختیاری واجب ہے تو ہابیل نے یہ جواب کیوں دیا؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس دور میں دفاعی طور پر بھی کسی کو قتل کرنا جائز نہیں تھا بلکہ صبر کرنا لازم تھا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرنا چاہے گا تو میں ہاتھ باندھ کر قتل ہونے کے لئے بیٹھ جاؤں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تو میرے قتل کی تدبیر کرتا ہے تو میں تیرے قتل کے درپے نہیں ہوں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ تو میرے قتل کی تدبیریں کر رہا ہے میں تجھے پہلے مارنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے قتل کا گناہ اور اپنا سابقہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی تم اٹھاؤ تا کہ تم اہل دوزخ میں سے ہوجاؤ اور یہی ظلم کرنے والوں کی سزا ہے آخر کار قابیل نے جناب ہابیل کو بے جرم و بے خطا قتل کر دیا قرآنی آیات اور روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ قابیل نے حسد اور غصہ کی وجہ سے ہابیل کو قتل تو کر دیا تھا مگر اب ہر مجرم کی طرح جو کوئی غلط اقدام کرنے کے بعد کف افسوس ملتا ہے قابیل بھی اپنے قوت بازو کو قتل کر کے نادم و پشیمان ہوا مگر واضح رہے کہ پشیمانی ارتکاب گناہ کے جرم پر نہ تھی تا کہ توبہ قرار پاتی بلکہ اپنی قوت بازو کے خاتمہ پر تھی اور بہر کیف وہ بھائی کی لاش کو ایک بورے میں ڈال کر پریشان پھر رہا تھا کہ اسے کس طرح چھپائے تو اس موقع پر خداوند عالم نے ایک کوا بھیجا جس نے دوسرے کوے کو مار کر چونچ اور پاؤں کے پنجہ سے زمین کھودی اور اس میں گاڑ دیا یہ ماجرا دیکھ کر قابیل نے بھی اسی طرح زمین میں گڑھا کھود کر ہابیل کو اس میں دفن کر دیا اور اپنی جہالت ونادانی پر ماتم کیا کہ میں کوے جیسا کام بھی نہ کرسکا اور اس سے قاصر رہا۔

ایک درس عبرت:

اس قرآنی قصہ سے یہ درس ملتا ہے کہ میت کو آگ میں جلانے یا دریا میں بہانے کی نسبت فطری طریقہ

یہ ہے کہ اور یہی انسب ہے کہ اسے زمین میں دفن کر دیا جائے یہ کاروائی تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے۔

جناب آدمؑ کا قتل ہابیل پر شدید حزن کرنا اور مرثیہ پڑھنا:

متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہابیل کے قتل ناحق سے جناب آدم۔ کو سخت صدمہ پہنچا اور زبردست حزن وملال ہوا اور یہ گریہ وبکا کم وبیش چالیس شب وروز تک جاری رہا اور یہ مرثیہ پڑھا۔

تغیرت البلاد و من علیها
فوجه الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی لون وطعم
وقل بشاشه الوجه الصبیح

اور بارگاہ خداوندی میں خلف صالح عطا کرنے کی دعا واستدعا کی چنانچہ خداوند عالم نے ان کو ایک مبارک ومیمون بیٹا عطا فرمایا جس کا جناب آدمؑ نے شیت نام رکھا خدا نے ان کو وحی فرمائی کہ یہ لڑکا چونکہ میری طرف سے تمہیں ہبہ ہے لہٰذا اس کا نام ہبۃ اللہ رکھو چنانچہ آپ نے اس مولود کا نام ہبہ اللہ رکھا جو آپ کا وصی قرار پایا۔(تفسیر عیاشی، برہان وغیرہ)

علماء علم اخلاق کی ایک قدیم کی بحث کا فیصلہ:

ہابیل وقابیل کے قصہ کی مناسبت سے علماء اخلاق کی ایک قدیم بحث کی طرف اشارہ کر دینا اور اس کا فیصلہ کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ آیا انسان طبعاً شریر ہے یا شریف ہے؟ اس بحث کا قرآن وسنت، عقل سلیم اور مشاہدہ کی روشنی میں فیصلہ یہ ہے کہ خالق فطرت نے انسان کے اندر خیر وشر ہر دو کی قوت واستعداد ودیعت کی ہے ہاں البتہ! بعض افراد میں فطری طور پر ''خیر'' کی طرف اور بعض کا ''شر'' کی طرف رجحان ومیلان زیادہ ہوتا ہے، مگر کوئی بھی انسان خیر یا شر پر مفطور ومجبور نہیں ہے۔

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ... ۱۳۲الآیة۔

ایک شخص کا قاتل سب لوگوں کے قاتل کی طرح کس طرح متصور ہوتا ہے

متعدد اخبار وآثار کی روشنی میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ''من سن سنة حسنة كان له اجر من عمل بها الى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة كان له وزر من عمل بها الى يوم

القیامۃ ''جوشخص کوئی اچھا طریقہ قائم کر جائے گا اسے ان سب لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور جو کوئی بُرا طریقہ قائم کر جائے گا اس پر ان تمام لوگوں کے برابر وزر و وبال ہوگا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے بنابریں جس شخص نے کسی بے گناہ شخص کو قتل کیا تو اس نے قتل ناحق کی رسم بد کا آغاز کیا برا طریقہ قائم کیا اور اس طرح لوگوں کو خون ناحق بہانے کی ابتداء کی کہ قیامت تک ہر قتل ناحق کی اس پر ذمہ داری عائد ہوگی اور اسی طرح جو شخص کسی شخص کو حرق و غرق اور ہلاکت کے دوسرے اسباب سے بچانے کا اچھا طریقہ قائم کرے گا وہ آئندہ ایسا کرنے والوں کے اجر و ثواب میں برابر کا شریک ہوگا لہٰذا چونکہ قابیل نے انسانی خون کی توہین کا آغاز کیا اور قتل ناحق کا دروازہ کھول کر دوسرے لوگوں کو اس فعل بد کی جرات دلائی اور پھر لوگ بے تحاشا اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے لگے اس لئے قابیل ان تمام مجرموں کے ساتھ برابر کا شریک جرم سمجھا جائے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وزر و وبال میں کوئی کمی واقع ہو یہ حکم سب لوگوں کے لئے برابر ہے مگر بنی اسرائیل کا خصوصی تذکرہ محض اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ لوگ بے گناہوں کا خون ناحق بہانے میں سب لوگوں سے زیادہ جری و جسور تھے۔ حمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص کے قاتل کو تمام لوگوں کے قاتلوں کی طرح کس طرح سزا دی جائے گی؟ فرمایا! اسے جہنم کے اس مقام پر رکھا جائے گا جس کا عذاب اپنی شدت وحدت کی وجہ سے سب لوگوں کے قاتل کے عذاب کے برابر ہوگا (تسفیر صافی و برہان)

مخفی نہ رہے کہ وہ وارثان علم قرآن یعنی سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی احادیث میں اس قتل کرنے اور زندہ کرنے کی تاویل بندگان خدا کو گمراہ کرنے اور ہدایت کرنے سے بھی کی گئی ہے کہ جو شخص کسی ایک ہدایت یافتہ شخص کو گمراہ کرے وہ تمام لوگوں کو گمراہ کنندہ سمجھا جائے گا اور جو کسی ایک گمراہ کو راہ راست پر لائے وہ سب لوگوں کو راہ راست پر لانے والا متصور ہوگا۔

آیات القرآن

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ‌ ؕ ذٰ لِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا‌ وَلَهُمۡ فِى

الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں، یا جلا وطن کر دیئے جائیں۔ یہ تو ہوئی ان کی رسوائی دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (۳۳) مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (۳۴) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو! اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۳۵) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا اور بھی ہو، تا کہ اسے بطور فدیہ دیں اور قیامت کے دن کے عذاب سے بچ جائیں، تو وہ بھی ان سے قبول نہ کیا جائے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۳۶) وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے کبھی نہیں نکل پائیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے (۳۷)

تفسیر الآیات

۴۲۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ...۳۳ الآیۃ

محارب وراہزن کی سخت سزا اور اس کا فلسفہ؟

جو شخص زمین خدا میں فتنہ وفساد پھیلائے اور لوگوں کو ناجائز طریقہ پر ڈرانے دھمکانے کی غرض سے ننگی تلوار لے کر یا دوسرے ہتھیاروں سے لیس ہو کر چلے، خواہ شہر کے اندر ایسا کرے یا باہر، خواہ خشکی میں کرے یا تری میں اور دن میں کرے یا رات میں اسے راہزن کہا جاتا ہے۔ نیز واضح رہے کہ محارب و رہزن کی جن سخت سزاؤں کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے یہ غیر مسلموں کے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ بدقسمت لوگ جنہیں خدا اور رسول سے جنگ کرنے والا کہا گیا ہے۔ ان سے اپنی مسلمان قوم کے وہ افراد مراد ہیں جو امن عامہ میں خلل ڈالتے ہیں اور لوگوں کے مال و جان پر ڈاکے ڈال کر ان کو پریشان کرتے ہیں تو ملک میں امن و امان قائم کرنے، لوگوں کی جان اور ان کی ناموس کی حفاظت کرنے، ان کے مال مویشی کو بچانے اور راستوں کو محفوظ بنانے کے لئے خدا اور رسولؐ کے ان باغیوں کی سرکوبی واجب ہے۔ بہرحال چونکہ بموجب نص قرآن ''الفتنة اشد من القتل'' (زمین میں فتنہ وفساد پھیلانا قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے)۔ اس لئے شریعت مقدسہ اسلامیہ میں اس کی حد وسزا بھی بڑی سخت مقرر کی گئی ہے جو سورۃ مائدہ کی اسی آیت نمبر ۳۳ میں مذکور ہے۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ راہزنی کی سزا چار چیزوں میں سے ایک ہے۔

۱) قتل کرنا، ۲) سولی دینا، ۳) الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹنا (یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں)، ۴) دیس سے نکال دینا

بنابریں مشہور ومنصور حاکم شرع کو مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا کی ان چار قسموں میں سے کسی ایک قسم کی سزا دینے کا اختیار ہے یعنی اگر راہزن نے کسی آدمی کو قتل کیا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور جس نے صرف مال لوٹا ہے اس کے الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور جس نے مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا ہو تو پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور پھر اسے قتل کیا جائے گا یا سولی پر لٹکایا جائے گا اور جس نے صرف ہتھیار اٹھا کر لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہو مگر ہنوز کسی کا مال لوٹا ہو نہ اور نہ کسی کو قتل کیا ہو، تو اسے دیس نکال دیا جائے گا۔ (قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ)۔ امید کی جانی چاہیے کہ اگر راہزن اور ڈاکو کو اسلامی قانون کے مطابق اس

طرح سزا دی جائے تو اس سے فتنہ وفساد کی جڑ کٹ جائے گی اور اسلامی مملکت کے کسی گوشہ میں بھی امن وامان کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا اور کسی ملک میں کسی قسم کی کوئی تخریبی کاروائی کرنے کی کبھی جرات نہیں ہو سکے گی۔ الغرض ملک کو گہوارہ امن وامان بنانے کے لئے ایسے لوگوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اور ایسے لوگ کسی بھی رو ورعایت کے مستحق نہیں ہیں اور اگر کوئی ان سزاؤں کو سخت کہتا ہے اور ناک بھوں چڑھاتا ہے تو وہ بھی ان دشمن انسانیت لوگوں کے ساتھ برابر کا شریک جرم ہے واضح رہے کہ چند دشمن انسانیت لوگوں کو سخت سزا کے شکنجہ میں کس کر دوسرے بے شمار لوگوں کو ان کے فتنہ وشر سے بچانا رحمت خداوندی ہے اور عدل وانصاف کا عین تقاضا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت کا بڑا عذاب اس کے علاوہ ہے۔

۴۴۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا ...۱۳۴ الآیة۔

یہ جو آیت کے آخر میں مذکور ہے کہ اگر راہزن پر قابو پانے سے پہلے اگر وہ توبہ کر لے تو جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس توبہ کرنے سے حق تو ساقط ہو جائے گا یعنی اس پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی مگر دوسرے حقوق الناس ساقط نہیں ہوں گے جیسے یہ کہ اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے تو وہ بہرحال بحال رہیں گے ادا بھی کئے جائیں گے اور ان کی سزا بھی بھگتنا پڑے گی مگر یہ کہ صاحبان حقوق معاف کر دیں اور اگر قابو پانے کے بعد توبہ کر لے تو اس کا ظاہری فائدہ نہیں ہے۔ راہزن والی حد بہرصورت اس پر جاری کی جائے گی۔

افادۂ جدیدہ:

مخفی نہ رہے کہ اگر کوئی ڈاکو یا چور وغیرہ کسی کی جان لینے یا اس کی عرض وناموس کے لوٹنے کے ارادہ سے حملہ آور ہو تو اپنی جان وناموس کی حفاظت کرنا واجب ہے خواہ راہ فرار اختیار کر کے کی جائے یا مقابلہ کر کے اور اگر پہلا طریقہ ممکن نہ ہو تو پھر دوسرا طریقہ متعین ہو جائے گا۔ بہرحال خودسپردگی اور ذلت کی موت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور اگر اس مدافعہ ومقابلہ میں دفاع کرنے والا مارا گیا، تو اس کی موت شہادت متصور ہوگی اور اگر حملہ آور مارا گیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا ہاں البتہ! مال کے تحفظ کے لئے دفاع کرنا واجب نہیں ہے البتہ جائز ضرور ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے مال کا تحفظ کرتے ہوئے مارا گیا تو اس کی موت بھی شہادت متصور ہوگی اور اگر حملہ آور مارا گیا تو اس کا خون ہدر جائے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...۱۳۵ الآیة۔

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے اہل ایمان کو تین حکم دیئے ہیں جو ایک ہی محور کے ارد گرد گھومتے ہیں اور ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے ہیں۔

۱) تقوائے الٰہی اختیار کرو، یعنی اس کی نافرمانی کرنے سے اور گناہوں سے بچو۔ (۲) اس تک پہنچنے کے لئے کوئی وسیلہ تلاش کرو۔ (۳) اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ قبل ازیں متعدد مقامات پر تقویٰ کا لغوی اور شرعی مفہوم واضح کیا جا چکا ہے نیز جہاد اور اس کی دونوں قسموں (جہاد بالعدوّ اور جہاد بالنفس) پر بھی قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے اور مزید گفتگو کسی مناسب مقام پر کی جائے گی اور واضح کیا جائے گا کہ ایک بندہ مومن کو دنیا کے میدان کارزار میں شیطان اور اس کے انصار و اعوان اور اس کی بے جا خواہشات اور ماحول و معاشرہ کی غلط رسم و رواج کے خلاف کس طرح جنگ کرنی پڑتی ہے جو ایک بندہ خدا کو اپنا غلام بے دام بنانے پر تلی ہوئی ہے اور ایک بندہ مومن کو خدا کا سچا بندہ بن کے دکھانے کے لئے کس طرح مستعدی سے جہاد کرنا پڑتا ہے سر دست یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ وسیلہ پر گفتگو کی جاتی ہے۔

وسیلہ کے عام مفہوم کی وضاحت اور اس کے اثبات

اگرچہ قبل ازیں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر میں وسیلہ کے موضوع پر اجمالاً گفتگو ہو چکی ہے مگر ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ وسیلہ کے لغوی معنی میں مایتو صل به الی الشیئی و یتقرب به الیه۔ یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ سے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے (لسان العرب) یہ ایک عام اور بڑا وسیع مفہوم ہے جس میں ہر قسم کے داخلی اور خارجی وسیلے داخل ہیں۔

داخلی وسیلہ کا مفہوم؟

داخلی وسیلہ سے اللہ و رسولؐ (وغیرہما) پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے نماز، روزہ، حج و جہاد اور زکوٰۃ وغیرہ فرائض کو ادا کرنا مراد ہے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں۔

یعنی وہ افضل ترین وسیلہ جس سے توسل کرنے والے خدا کا تقرب حاصل کر سکتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا جو کہ اسلام کی چوٹی ہے، کلمہ اخلاص پڑھنا جو کہ فطرت (توحید) ہے، نماز قائم کرنا جو کہ قانون اسلام ہے، زکوٰۃ ادا کرنا جو کہ فریضہ ہے، ماہ رمضان کے روزے رکھنا جو کہ عذاب کی سپر ہے، حج و عمرہ کرنا جو کہ فقر کو دور کرتے اور گناہ کو گرا دیتے ہیں، صلہ رحمی کرنا جو مال و عمر کو زیادہ کرتا ہے۔ مخفی طور پر

صدقہ کرنا جو کہ گناہوں کی تلافی کرتا ہے اور علانیہ صدقہ دینا جو کہ بری موت مرنے سے بچاتا ہے اور دیگر نیک اور اچھائی کے کام کرنا جو آدمی کو ذلت ورسوائی کے گڑھے سے بچاتے ہیں (نہج البلاغہ)۔ حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان میں علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اور فاضل شیخ محمد جواد مغنیہ نے تفسیر کاشف میں تو اسی داخلی وسیلہ کے بیان کرنے پر اکتفا کی ہے مگر دوسرے عام مفسرین نے وسیلہ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔

خارجی وسیلہ کا تذکرہ

جس سے بارگاہ خداوندی میں انبیاء مرسلین، آئمہ طاہرین علیہم السلام، اور دیگر بزرگان دین کے مرتبہ و مقام کا واسطہ دینا اور اس کے توسل سے دعا کرنا مراد ہے اور اس معنی میں وسیلہ پیش کرنا بھی قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید سے خارجہ وسیلہ کا ثبوت:

قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے وسیلہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (۱) جب برادران یوسفؑ کا جرم بالکل الم نشرح ہو گیا تو انہوں نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں استدعا کی کہ وہ بارگاہ خداوندی میں ان کی مغفرت کی سفارش کریں۔ قالو یا ابا نا استغفر لنا ذنو بنا انا کنا خاطئین۔ (یوسف۔۹۷)۔ (۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۶۴ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم الآیۃ کے ذیل میں خداوند عالم کے اس ارشاد کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگر لوگ گناہ کرنے کے بعد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو جائیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور آنحضرتؐ بھی ان کی سفارش کر دیں تو یقیناً خدا ان کے گناہ معاف کر دے گا۔

(۳) اس آیت وسیلہ کی تفسیر حضرت امام رضا علیہ السلام باسناد خود حضرت رسول خداؐ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں فرمایا!

الآئمۃ من ولد الحسین من اطاعھم فقد اطاع اللہ ومن عصاھم فقد عصی اللہ ھم العروۃ الوثقیٰ وھم الوسیلۃ الی اللہ تعالیٰ

جو نو امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں جو ان کی اطاعت کرے گا وہ خدا کا اطاعت گزار متصور ہو گا جو ان کی نافرمانی کرے گا، وہ خدا کا نافرمان سمجھا جائے گا یہی خدا کی مضبوط رسی ہیں (جس کے پکڑنے کا اس نے حکم دیا ہے) اور یہی خدا کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، (عیون الاخبار)۔ ۴۔ اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔ تقربو الی اللہ بالامام، یعنی اللہ کی بارگاہ میں امام (اور اس کی اطاعت سے) تقرب حاصل کرو۔ (تفسیر قمی)

سنت سے وسیلہ کا ثبوت:

کتب تفسیر وحدیث میں بڑے بڑے اکابر کے بارگاہ خداوندی میں بعض عظیم ہستیوں کو بطور وسیلہ پیش کرنے کے واقعات ملتے ہیں۔ (۱) جیسے جناب آدم صفی اللہ کا بارگاہ الٰہی میں حضرت رسول خداؐ کو وسیلہ قرار دینا اور یوں دعا کرنا "یارب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی" (وفاء الوفاء سمہودی ج ۳ ص ۱۷۱ ۳)

بعض مستند کتابوں میں مذکور ہے کہ ابن عباس نے حضرت رسول خداؐ سے ان کلمات کے بارے میں سوال کیا۔ جو جناب آدمؑ نے خدا سے حاصل کیے تھے اور ان کی برکت سے ان کی توبہ قبول ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "سئله بحق محمد وعلی و فاطمة والحسن و الحسین" یعنی انہوں نے پنجتن پاک کا واسطہ دے کر توبہ کا سوال کیا تھا اور خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ (تفسیر درمنثور ج ا ص ۶۰، ۶۱ سیرۃ ابن دحلان ج ا ص ۹ شرح شفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۲۴۲)۔ ولنعم ماقیل۔

اگر نام محمد رایا نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدم یا فتے توبہ نہ نوح ازغرق نجینا

(جامی)

۲۔ بعض معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور اپنی صحت یابی کیلئے بارگاہ ایزدی میں آپ سے سفارش کی التجا کی آنحضرتؐ نے فرمایا بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کر۔ اللهم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی لیقضی لی اللهم شفعه فی" (وفاء الوفاء سمہودی ج۔ ۳ ص ۲۷ ۱۳)

سمہودی نے اپنی کتاب میں اس قسم کے متعدد واقعات لکھے ہیں اور کتاب التوصل الی حقیقۃ التوسل' کے مولف نے مختلف ماخذ ومصادر سے چھبیس عدد حدیثیں وسیلہ کے جواز پر پیش کی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توسل کے جواز کی حدیثیں تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جس کے بعد ان کی سند میں کسی قسم کی جرح و قدح کرنے کے جواز کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد مختلف ادوار میں مختلف لوگوں کے آنحضرتؐ کے توسل سے بارگاہ ایزدی میں دعا کرنے کے واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔ جیسے دوسری خلافت کے دور میں جناب بلالؓ کا چند صحابہ کے ساتھ حضرت رسول خداؐ کی قبر اطہر کی پاس آنا اور یوں کہنا۔ یا رسول الله! استسق لامتك... فانهم قد هلكوا۔ یا رسول اللہ! اپنی امت کیلئے خدا سے بارش طلب کریں کہ وہ خشک سالی سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ (صواعق محرقہ بحوالہ

سنن بیھقی وغیرہ) جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہابی حضرات کا توسل کو شرک قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس کے جواز میں نبی و امام کے حین حیات اور بعد الممات کی تفریق کرنا بھی بالکل بے جواز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن سنت کے ان محکم حقائق کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد بعض پکے وہابی بھی توسل کی صحت کا اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ا۔ چنانچہ فاضل الوسی بغدادی اس موضوع پر مکمل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں حضرت رسول خداً کے علاوہ کسی اور بزرگ کے توسل میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ جس سے توسل حاصل کیا جائے وہ بارگاہِ خداوندی میں کچھ مرتبہ و مقام رکھتا ہو' (روح المعانی ج ۶ ص ۱۱۴ / ۱۱۵)۔ اسی طرح شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں ''اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک می فہمند و وسیلہ مرشد رامی دانند پس تلاش مرشد بنا بر فلاح حقیقی وفوز بحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری است وسنت اللہ برہمیں منوال جاری است لہٰذا بدون مرشد راہ یابی نادر است'' (صراط مستقیم) سچ ہے۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

۳۔ مولانا عبدالحق حقانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ''وسیلہ ہر قسم کے اچھے کام ہیں اور قرآن مجید اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین بھی خدا تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں'' (تفسیر حقانی۔ ج ۲ ص ۲۷۱) دیوبندی مسلک کے ذمہ دار اہل علم مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر معارف القران ج ۳ ص ۱۲۸ میں وسیلہ کے جواز کا اعتراف کیا ہے۔ فراجع۔ برادرانِ اسلامی کے چوتھے امام شافعی فرماتے ہیں۔

آل النبی ذریعتی ،
وھم الیہ وسیلتی،
ارجوبھم اعطیٰ غدا
بیدی الیمین صحیفتیو انا اقول کما قال بعض الاصحاب۔

واذا رجال توسلوا بو سیلة
فوسیلتی جی لآل محمد
اللہ طھرھم بفضل نبیہ
وابان شیعتھم بطیب المولد

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ وسیلہ کا صحیح مفہوم اور افضل طریقہ یہ ہے کہ طلب حاجات، دفع شدائد و مصائب کے وقت سوال اللہ کی بارگاہ میں لیا جائے اور اسی سے دعا کی جائے۔ اور واسطہ سرکار محمد و ال محمد علیہم السلام کا دیا جائے۔ نہ یہ کہ براہ راست ان ذوات مقدسہ سے ان چیزوں کا سوال کیا جائے۔ نیز وسیلہ کا یہ عوامی مفہوم ''کہ یہ بزرگوار خدا سے لیتے ہیں'' اور مخلوق کو دیتے ہیں بالکل غلط ہے۔

فائدہ:

بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام کا نام ہے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص ہے۔ وسیلہ کے موضوع کی دوسری تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ...۳۶ الآیۃ۔

چونکہ نہ صرف عربوں میں بلکہ ہر ملک و ملت میں رواج ہے کہ مجرم روپیہ پیسہ دیکر قید و بند وغیرہ سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں۔ تو خداوند عالم کفار کی یہ غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع کیا ہے؟ بلکہ اگر اتنا اور مال و متاع بھی ان کی ملکیت میں ہو اور وہ سب دے کر بھی قیامت کے عذاب سے اپنی جان بخشی کرانا چاہیں۔ تو بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ اس سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ اخروی نجات کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔ یہ جو خدا فرماتا ہے کہ وہ کفار چاہیں گے کہ اس عذاب سے نکل جائیں۔ مگر وہ ہرگز نہیں نکل سکیں گے۔ کیونکہ ان کیلئے دائمی اور ہمیشہ برقرار رہنے والا عذاب ہے دوسرے دلائل کے علاوہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کا عذاب دائمی ہوگا اور وہ مخلّد فی النار ہوں گے۔ اور اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

آیات القرآن

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ

يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور چور مرد ہو یا چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ ان کے کرتوتوں کے عوض میں اللہ کی طرف سے بطور عبرتناک سزا کے اللہ زبردست ہے۔ بڑا حکمت والا ہے (۳۸) پھر جو شخص توبہ کرلے اپنے ظلم سے اور (اپنی) اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۳۹) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۴۰) اے رسول! وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں، جو کفر کی طرف تیز گامی سے بڑھ رہے ہیں خواہ یہ ان لوگوں میں سے ہوں جو منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان

لائے، مگران کے دل ایمان نہیں لائے اور یا ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں جو جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں اور سن گن لیتے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ (کتاب خدا کے) کلمات کو ان کے صحیح موقعوں سے ہٹا دیتے ہیں اور (تحریف کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو قبول کرو اور اگر یہ نہ دیا جائے تو پرہیز کرو اور اللہ جسے عذاب کرنا چاہے تو آپ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ کے ہاں یہ وہ ہیں کہ اللہ نے (زبردستی) ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔(۴۱) جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں، حرام مال کے بڑے کھانے والے ہیں اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو (آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کا فیصلہ کریں یا ان سے روگردانی کریں اور اگر آپ ان سے روگردانی کریں تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر فیصلہ کریں تو پھر انصاف کے ساتھ کریں کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(۴۲)

تفسیر الآیات

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَة...۳۸الآیة

قبل ازیں آیت نمبر ۳۴ میں راہزنوں اور ڈاکوؤں کی سزاؤں کا تذکرہ کیا گیا تھا اب یہاں چوروں کی سزا کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

چوری کی مذمت اور اس کی سزا:

چوری ایک ایسا قبیح اور معاشرتی جرم ہے جس کی تمام ملل و مذاہب اور قوانین نے مذمت کے ساتھ کوئی نہ کوئی سزا بھی تجویز کی ہے۔ مغربی قوانین میں اس کی سزا قید و جرمانہ ہے مگر مشاہدہ شاہد ہے کہ اس سے بجائے اس جرم میں کمی واقع ہونے کے الٹا اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے اس کے برعکس شریعت اسلامیہ میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا مقرر ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے گھناؤنے جرم کا قلع قمع کرنے کے لئے ایسی سخت سزا ہی موثر ہو سکتی ہے۔ چور ظلم و جور کے ساتھ بزدلی اور فریب کاری کی کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے آدمی کی جان اور ناموس کے بعد عزیز ترین متاع کو چھینتا ہے اور کئی دفعہ اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے اور اس کے برے نتائج سے

بچنے کے لئے وہ اہل خانہ کے قتل کا بھی مرتکب ہوتا ہے اس لئے وہ کسی رحم وکرم کا مستحق نہیں ہے۔ الغرض چوری سماج کے لئے ایک ناسور ہے جو سماج کو کھوکھلا کررہا ہے اور اندر سے اسے چاٹ رہا ہے۔ چور کسی کے مال وجان کی پرواہ نہیں کرتے اور مروجہ قوانین کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر دندناتے پھر رہے ہیں۔ لہٰذا قید وجرمانہ جیسی ہلکی پھلکی سزائیں چوری جیسے جرائم کی روک تھام میں موثر نہیں ہوسکتیں۔ ان کے انسداد کے لئے اسلام کی تجویز کردہ عبرتناک سزائیں ہی موثر اور کارگر ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم اس سلسلہ میں فرماتا ہے۔ السارق والسارقه فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالاً من الله والله عزیز حکیم۔ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ اللہ کی طرف سے ان کے کردار کی سزا ہے۔

چوری کی حد کے اجراء کی شرائط کا بیان:

ظاہر ہے کہ قرآنی الفاظ مجمل ہیں ان میں مسروقہ مال کی مقدار بیان کی گئی ہے اور نہ ہی ہاتھ کی تعیین کی گئی ہے کہ کون سا ہاتھ؟ اور نہ ہی وہ حد بتائی گئی ہے کہ کہاں سے قطع کیا جائے؟ یہ چیزیں احادیث میں بیان کی گئی ہیں چنانچہ مال کی کم ازکم مقدار مشہور بین الفریقین ربع دینار ہے جبکہ ایک دینار خالص ساڑھے چار ماشہ سونا کا ہوتا ہے اور پھر قطع ید میں دائیں ہاتھ کی صرف چار انگلیاں قطع کی جائیں گی اور انگوٹھا اور ہاتھ کی ہتھیلی چھوڑ دی جائیگی۔ تاکہ چور وضو کر کے نماز پڑھ سکے۔ اور فی الجملہ دوسرے کاروبار بھی کر سکے۔ اور اگر دوبارہ چوری کرے تو پھر اس کا بایاں پاؤں گٹے سے قطع کیا جائے گا۔ اور ایڑی چھوڑ دی جائے گی۔ تاکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے اور چل پھر بھی سکے۔ اور اگر اس سزا کے بعد بھی تیسری بار چوری کرے تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ تاکہ خدا کی زمین اور انسانی معاشرہ اس کے ناپاک وجود سے پاک ہوجائے اور اس ناسور کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوجائے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کرنے والے میں عمومی شرائط تکلیف از قسم بلوغت، عقل اور اختیار بھی پائی جائیں علاوہ بریں یہ بھی ضروری ہے کہ۔

۱۔ مسروقہ مال محفوظ جگہ پر ہو۔

۲۔ چور کیلئے اس کے جواز کوئی شبہ نہ ہو۔

۳۔ نیز اس کی مال میں شرکت بھی نہ ہو۔

۴۔ اور پھر چور صاحب مال کا باپ بھی نہ ہو۔

۵۔ نیز چور صاحب مال کا غلام بھی نہ ہو۔

۶۔ اور پھر چوری بھی چھپ کر کی جائے ورنہ وہ چوری نہ ہوگی بلکہ ڈاکہ زنی اور سینہ زوری ہوگی۔ الی

غیر ذلك۔ (قوانین الشریعہ فقہ الجعفریہ)۔ اس موضوع کی مزید تفصیلات فقہی کتابوں میں مذکور ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ...۱۳۸ الآیۃ۔

اللہ زبردست، غالب اور حکمت والا ہے۔ لہٰذا غالب ہے، تو چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم اس لیے دیا ہے۔ کہ اس میں بیسیوں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس طرح سخت گیری کر کے معاشرہ کو چوروں چکوروں کے فتنہ وشر سے محفوظ و مامون رکھنا ہے۔ وبس۔

فَمَنۡ تَابَ ...۱۳۹ الآیۃ۔

اگر کوئی چور حاکم شرع کے نزدیک چوری ثابت ہونے سے پہلے بارگاہ ایزدی میں توبۃ النصوح کر لے تو اس سے آخرت کا عذاب تو بالاتفاق معاف ہو جائے گا۔ مگر ظاہری حد شریعت بھی ساقط ہو جائے گی یا نہ؟۔ (شیعہ اور سنی مسالک میں) اختلاف ہے۔ شیعہ امامیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں شرعی حد بھی ساقط ہو جائے گی۔ مگر اہلسنت کے نزدیک ظاہری حد ساقط نہ ہوگی۔ ظاہر قرآن سے شیعی مؤقف کی تائید مزید ہوتی ہے اور برادران اسلامی کے چوتھے امام شافعی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (ضیاء القرآن)۔

بنابریں ڈاکہ زنی اور چوری والے ہر دو استثنا کی حیثیت یکساں ہوگئی راہزنی میں یہ استثنا تھا کہ **الا الذین تابو من قبل ان تقدرو اعلیھم**۔ کہ ڈاکہ زنی کی جو سزا ہے اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ڈاکوؤں کی گرفتاری اور ان پر حکومت کے قابو پانے سے پہلے اگر ڈاکو توبہ کر لیں۔ تو اس سے شرعی سزا ساقط ہو جائے گی۔ اور یہاں یہ استثنا ہے کہ فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح۔ لہٰذا جو چور حاکم شرع کے پاس اس کی چوری ثابت ہونے سے پہلے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اس سے شرعی حد ساقط ہو جائے گی۔ مگر یاد رہے کہ مسروقہ مال بہر حال اس کے مالک کو واپس کرنا یا مالک سے معاف کرانا واجب ہوگا۔ اور اگر حاکم کے پاس جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد چور توبہ کرے تو اس سے بالاتفاق حد ساقط نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ اس سے گناہ بخشا جائے گا۔ بہر حال خدائے تعالیٰ مالک الملک ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنے ملک میں تصرف کرے اس موضوع کے متعلق متعدد روایات تفسیر عیاشی وصافی وغیرہ میں موجود ہیں۔

کہ جب چور، شرابخوار اور زناکار وغیرہ ان جرائم کا ارتکاب کریں۔ مگر حاکم شرع کے پاس ان کا جرم ثابت نہ ہو تو اگر یہ توبہ کر لیں تو جہاں ان کا گناہ بخشا جائے گا۔ وہاں ان پر حد بھی جاری نہ ہوگی۔ مگر جب حاکم شرع کے ہاں ان کا جرم ثابت ہو جائے تو وہ بہر حال حد جاری کرے گا۔ چونکہ حکام ''شرع **الحافظون لحدود اللہ**''۔ خدا کی حدوں کے محافظ ہوتے ہیں۔ (کافی وصافی)۔

فائدہ:

''یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ جملہ احکام میں قرآن وسنت کا یہی اصول ہے۔ لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دونوں صنفوں کا الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے۔ جن پر ذرا سا بھی شبہ پڑ جائے، تو ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس لیے عورتوں کے لیے صنفی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی۔ بلکہ تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا''۔ (معارف القرآن)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا يَحۡزُنۡكَ...۴۱ الآیۃ۔

ان آیات کی شان نزول

ان آیتوں کی شان نزول میں دو روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک وہ ہے، جسے علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں درج کیا ہے جو حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ جو زنا کی سزا سے متعلق ہے اور دوسری وہ ہے۔ جسے مفسر قمی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ان کے حوالہ سے محدث کاشانی نے اپنی تفسیر صافی میں درج کیا ہے۔

جو قتل وقصاص کے متعلق ہے۔ (پہلی روایت) کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ تو راۃ میں یہی لکھا تھا کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد کسی شوہر دار عورت سے زنا کرے، تو دونوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار کیا جائے۔ (جیسا کہ اسلامی سزا بھی یہی ہے)۔ مگر یہود نے اپنی قدیمی عادت کے مطابق اس حکم میں تحریف کر رکھی تھی اور امیر و غریب زنا کار میں تفریق روا رکھی ہوئی تھی۔ کہ اگر امراء طبقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شادی شدہ شخص زنا کرتا تو اسے صرف کوڑے مارے جاتے اور اگر غرباء طبقہ سے تعلق رکھنے والا آدمی ایسا کوئی جرم کرتا، تو اسے سنگسار کیا جاتا۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں میں سے کسی بڑے خاندان کے شادی شدہ آدمی نے کسی بڑے خاندان کی شوہر دار عورت کے ساتھ زنا کیا۔ لہٰذا یہودیوں نے چاہا کہ ان کی سزا میں نرمی کی جائے اور کسی بہانہ سے انہیں معافی مل جائے اور ان پر حرف نہ آئے۔ انہیں معلوم تھا کہ شریعت اسلامیہ بڑی سہل شریعت ہے۔ اس لیے خیال کیا کہ شاید ادھر رجوع کرنے سے انہیں کچھ سہولت مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ کے اپنے بھائی بند بنی قریظہ کو پیغام بھیجا اور دونوں مجرموں کو بھی ساتھ بھیج دیا کہ ان کا فیصلہ پیغمبر اسلامؐ سے کرائیں اور ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر کوئی نرم سزا دیں تو تسلیم کر لینا اور اگر کوئی سخت سزا تجویز کریں تو انکار کر دینا۔ چنانچہ جب بنی قریظہ کے چند بڑے آدمی کعب بن اشرف وغیرہ مجرموں کو ہمراہ لیکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ سے مسئلہ

دریافت کیا۔ تو آنحضرتؐ نے پوچھا کیا تم میرا فیصلہ قبول کرو گے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اس وقت بذریعہ جبرئیل امین یہ حکم خداوندی نازل ہوا کہ اس قسم کے زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ جب آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ سنایا تو وہ بڑے سٹپٹائے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا ہمارے دین میں تو یہ حکم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری توراۃ میں یہی حکم مذکور ہے۔ مگر انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ بڑی ردوقدح کے بعد طئے پایا کہ یہ معلوم کرنے کیلئے تورات میں یہ حکم یونہی ہے یا نہیں؟ یہود کے سب سے بڑے عالم ابن صوریا کو حاکم بنایا جائے۔ جو بمقام فدک رہتا تھا۔ چنانچہ جب اسے بلایا گیا۔ تو آنحضرتؐ نے اس کو بڑی قسمیں دے کر پوچھا کہ ایسے زانی اور زانیہ کیلئے توراۃ میں سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے یا نہ؟ ابن صوریا نے کہا کہ اگر آپ مجھے اس قسم کی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز یہ حقیقت ظاہر نہ کرتا۔ ہاں ایسے مجرموں کیلئے تورات میں سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے۔ مختصر یہ کہ پھر آنحضرتؐ کے حکم پر مسجد نبوی کے سامنے اس مرد و عورت کو سنگسار کیا گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

یااهل الکتاب قدجاء کم رسولنا یبین لکم کثیراًمما تخفون من الکتاب ویعفوعن الکیثر الی آخر القصه (مجمع البیان وسنن بیہقی وغیرہ)

شان نزول کی دوسری روایت:

کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ اور اس کے حوالی میں یہود کے دو بڑے قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ آباد تھے۔ اور ان میں سے بنونضیر قوت و طاقت اور شان و شوکت میں بنی قریظہ سے زیادہ تھے۔ اس لیے وہ ان پر برابر ظلم و زیادتی کرتے تھے اور وہ برداشت کرتے تھے اور مزید برآں بنی قریظہ کو مجبور کر کے ان سے ایک توہین آمیز معاہدہ بھی کیا ہوا تھا۔ جس کی رو سے اگر بنونضیر کا کوئی آدمی بنی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو ان کو قصاص کا کوئی حق نہ تھا۔ بلکہ دیت کے طور پر صرف ستر وسق (قریبا پانچ من دس سیر) کھجوریں ادا کی جاتی تھیں۔ اور اگر بنی قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کا کوئی آدمی قتل کرتا، تو اگر مقتول عورت ہوتی، تو اس کے بدلے قصاص میں مرد قتل کیا جاتا اور اگر مقتول مرد ہوتا تو اس کے عوض دو مرد قصاص میں قتل کیے جاتے اور دیت بھی دوگنا یعنی ایک سو چالیس وسق ادا کی جاتی۔ جب آنحضرتؐ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے اور آپ کی برکت سے مدینہ نہ صرف دارالاسلام بن گیا۔ بلکہ دارالامن بھی بن گیا۔ گو ابھی تک ان قبیلوں کا کوئی آدمی اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا۔ مگر ان کے پڑھے لکھے لوگ جانتے ضرور تھے کہ تورات کی پیشنگوئی کی بناء پر آنحضرتؐ ہی آخری نبی ہیں۔ نیز اسلامی عدل و انصاف کے مناظر بھی ان کے سامنے تھے۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ رونما ہوا کہ بنی قریظہ کے ایک شخص نے بنونضیر کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ اور بنونضیر نے سابقہ

معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ سے دو گنے قصاص اور دوگنی دیت کا مطالبہ کیا۔ مگر بنی قریظہ جواب قدرے طاقتور ہو گئے تھے۔ بنونضیر کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب ہم دونوں کا مذہب، وطن اور خاندان ایک ہے۔ تو پھر یہ تفاوت کیوں؟ اس جواب سے بنونضیر میں بڑا اشتعال پیدا ہوا اور آتش حرب وضرب بھڑکتے بھڑکتے رک گئی۔ بالآخر بعض بزرگوں کی مداخلت سے یہ طے کیا کہ اس کا فیصلہ پیغمبر اسلامؐ سے کرایا جائے۔ بنی قریظہ تو چاہتے ہی یہی تھے۔ اور ان کو قوی امید تھی کہ آنحضرتؐ بنونضیر کے جائزانہ معاہدہ کو برقرار نہیں رکھیں گے۔ مگر بنونضیر کو بھی نہ چاہتے ہوئے بھی یہ فیصلہ تسلیم کرنا پڑا۔ مگر انہوں نے مخفی چال چلی کہ عبداللہ بن ابی منافق کی ہمراہی میں اپنے چند آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے بھیجے کہ یہ معلوم کرسکیں کہ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کا نظریہ کیا ہے؟ اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر آنحضرتؐ کا فیصلہ ہمارے عندیہ کے مطابق ہوتو پھر اسے تسلیم کر لینا اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کریں، تو پھر قبول نہ کرنا (تفسیر قمی وتفسیر مظہری)

ان روایات وواقعات کا ماحصل اور نتیجہ

ان آیات کی شان نزول کی ان روایات اور ان واقعات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح واشکار ہو جاتی ہے کہ خیبر کے یہودی ہوں یا مدینہ کے منافقین اور یہودی وہ کسی ایمان واخلاص کی بنا پر حضرت رسولؐ کو اپنے ان معاملات میں اپنا حاکم تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ حالات کی سنگینی سے مجبور ہو کر ایسا کر رہے تھے۔ لہٰذا خداوند عالم آنحضرتؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں، تو آپ اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں بھلا ان لوگوں سے اس کے علاوہ اور توقع ہی کیا رکھی جاسکتی ہے اور اسی لئے آپ کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ چونکہ ان لوگوں کی نیتوں میں فتور ہے۔ لہٰذا چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو ٹال دیں۔ **فاحكم بينهم او اعراض عنهم**۔ پھر یہ بتایا ہے کہ اگر آپ انہیں ٹال دیں، تو بھی وہ آپ کو کوئی ضرر زیاں نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرنا چاہیں تو پھر عدل وانصاف کے ساتھ یعنی اپنی شرع انور کے مطابق کریں۔ کیونکہ یہ غیر مسلم ہیں اور پھر کافر ذمی بھی نہیں ہیں۔ جن کے حقوق کی پاسداری اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور ان کے نجی اور شخصی معاملات کو چھوڑ کر (جن میں اسلامی شریعت مداخلت نہیں کرتی اور ان امور کے فیصلے انہی کے مذہب کے مطابق ہوتے ہیں)۔ باقی پبلک اور جنرل قانون مسلم اور غیر مسلم سب ملکی باشندوں کے لئے ایک ہی ہوتا ہے۔ جو قانون شریعت ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ از خود مسلم حکمران کی طرف رجوع کریں اور اس کے فیصلہ پر راضی بھی ہوں، تو پھر مسلمان حکمران ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلامی کے مطابق ان کا فیصلہ کرے گا۔ اور یہی اس آیت کا مفاد ہے۔ جس میں خدا فرماتا ہے۔ **وان احكم بينهم بما انزل الله**۔ الغرض ان کفار کی ذمہ داری اسلامی

حکوت پر عائد نہیں ہوتی۔ جو کافر ہوں مگر ذمی نہ ہوں۔ اس لئے ان کے فیصلہ کو ٹالا جا سکتا ہے۔ ورنہ ایک مسلمان یا کافر ذمی کے فیصلہ کو ٹالا نہیں جا سکتا، بلکہ قانون اسلام کے مطابق مسلمان حکمران پر ان کا فیصلہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

منافقوں اور یہودیوں کی چند بری خصلتوں کا تذکرہ۔

خداوند عالم نے ان تین آیتوں میں منافقوں اور یہودیوں کی چند بری خصلتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے اہل اسلام وایمان کو احتراز کرنا چاہیے۔ جو ترتیب وار یہ ہیں۔

ا۔ **سماعون للکذب سماع باب سمع یسمع**۔ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ سمع کے دو معنی ہیں۔ ا۔ سننا۔ ۲۔ قبول کرنا۔ اور سماع کے تین معنی ہیں ا۔ بہت سننے والا۔ ۲۔ فرمانبردار۔ ۳۔ جاسوس۔ (المنجد) اور یہاں اس لفظ کے تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ (ا) وہ ان جھوٹی باتوں کے بہت سننے والے ہیں، جو ان کے احبار اور علماء سوء ان سے بیان کرتے ہیں۔ (۲) وہ ان بے سروپا باتوں کو بڑے قبول کرنے والے ہیں۔ جو احبار ان سے بیان کرتے ہیں جبکہ آپ کی سچی باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ جیسا کہ **سمع اللہ لمن حمدہ** میں سمع بمعنی تقبل استعمال ہوا ہے کہ۔ جو کوئی خدا کی حمد وثنا کرتا ہے۔ اللہ اس کی حمد وثنا کو قبول کرتا ہے۔ ۳۔ وہ جاسوس ہیں۔ جو آپ کی بزم رسالت میں محض جاسوسی کرنے کے لئے آتے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی راز و نیاز کی بات سنیں پھر اسے فوراً اپنے بڑوں تک پہنچائیں، جو اپنی کبرایائی اور بڑائی کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آتے۔ جیسا کہ خیبر اور مدینہ کے یہود کی روش ورفتار سے واضح ہے۔ جن کی منافقت اور دوغلی پالیسی سابقہ روایتوں سے آشکارا کر دی گئی ہے کہ وہ حسب ظاہر آنحضرتؐ کو حکم تسلیم کرتے تھے۔ مگر اپنے فرستادہ آدمیوں کو سمجھا دیتے تھے کہ ان کا فیصلہ تب قبول کرنا کہ جب ہماری منشاء کے مطابق ہو ورنہ انکار کر دینا۔

۲۔ **سماعون لقوم آخرین**۔ ان لوگوں کی اس صفت بد کی وضاحت سابقہ عنوان کے تحت نمبر تین کے ذیل میں کر دی گئی ہے۔

۳۔ **یحرفون الکلم**۔ قبل ازیں سورہ نساء کی آیت نمبر ۴۵ کی تفسیر میں اس تحریف کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہ تین طرح متصور ہو سکتی ہے۔ ا۔ کتاب اللہ کے الفاظ میں رد وبدل کرنے سے ۲۔ اپنی تاویل سے کتاب اللہ کے آیات کے معنی کو کچھ سے کچھ بنا دینے سے۔ ۳۔ حضرت رسول خداؐ کی صحبت میں آ کر بیٹھنے اور واپس جا کر اپنے لوگوں کے سامنے غلط طریقہ سے نقل کر کے کچھ کا کچھ بنانے سے۔ تا کہ آپؐ کو بدنام کیا جائے اور لوگوں میں آپ کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جائیں۔

۴۔ **اکالون للسحت۔** وہ بڑے حرام خور ہیں۔ سحت کے لغوی معنی ہیں۔ کسی چیز کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر برباد کرنا۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہے۔ **فیسحتکم بعذاب۔** کہ اگر تم اپنی ان ناشائستہ حرکتوں سے باز نہ آئے تو خدا تمہیں عذاب سے برباد کردے گا۔ اسی لئے حضرت امیرؑ نے سحت کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، عیاشی)

جو نہ صرف رشوت دینے اور لینے والے کو تباہ کرتی ہے۔ بلکہ پورے ملک اور اس کے رشوت خور معاشرہ کو اور اس کے امن و امان کو بھی تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اور پھر ملک میں قانون کی حکمرانی کی بجائے رشوت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس سے انصاف مہنگا اور لوگوں کے مال اور ناموس کی ارزانی ہوتی ہے۔

الغرض مال حرام کو اسی لئے سحت کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف احادیث دیکھنے سے سحت کے چند اور اقسام کا بھی سراغ ملتا ہے۔

سحت یعنی مال حرام کے اور چند اقسام

جیسے۔ ۱۔ مردار۔ ۲۔ غیر شکاری کتے۔ ۳۔ اور شراب کی قیمت۔ ۴۔ زانیہ کی زر مہر۔ ۵۔ کاہن کی اجرت (اصول کافی عن الصادقؑ)۔ ۶۔ یتیم کا مال کھانا۔ ۷۔ زانیہ کی کمائی۔ ۸۔ سود (تفسیر صافی جلد ۳ عن الباقرؑ)۔ ۹۔ ایک روایت میں حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا کوئی کام کرے اور پھر اس کا ھدیہ قبول کرے، تو یہ بھی سحت میں شامل ہے۔ (تفسیر صافی جلد ۳ عن الباقرؑ)

۱۰۔ کوئی حرام کام کر کے اس کی اجرت لینا بھی ''سحت'' ہے۔ (تفسیر قمی)۔ مخفی نہ رہے کہ گو ان رشوت خوروں سے عام حکام جور بھی مراد ہو سکتے ہیں مگر ان سے خصوصی طور پر وہ فتویٰ فروش مفتی و قاضی مراد ہیں۔ جو رشوت لیکر اپنے مخالفین کے خلاف اور ہم نواؤں کے حق میں فتوئے دیتے اور فیصلے کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تذکیر القران لکھتے ہیں ''رشوت کی ایک صورت وہ ہے جس میں'' حرام (سحت سے مراد رشوت ہے)۔ رشوت کی ایک عام شکل وہ ہے جو براہ راست اسی نام سے آجاتی۔ چنانچہ یہودی علماء میں ایسے لوگ تھے جو رشوت لے کر غلط مسائل بتایا کرتے تھے۔ تاہم رشوت کی ایک اور صورت وہ ہے جس میں براہ راست لین دین نہیں ہوتا مگر وہ تمام رشوتوں میں زیادہ بری اور زیادہ قبیح رشوت ہوتی ہے۔ یہ ہے دین کو عوامی پسند کے مطابق بنا کر پیش کرنا تاکہ عوام کے درمیان مقبولیت ہو۔ لوگوں کا اعزاز و اکرام ملے، لوگوں کے چندے اور نذرانے وصول ہوتے رہیں۔ دین کو اس کے بے آمیز صورت میں پیش کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی عوام کے اندر نامقبول ہو جائے۔ اس کے برعکس دین کو اگر ایسی صورت میں پیش کیا جائے کہ زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی بھی نہ کرنا پڑے اور آدمی کو

دین بھی حاصل رہے تو ایسے دین کے گرد بہت جلد بھیڑ اکھٹا ہو جاتی ہے۔ وہ دین جس میں اپنی دنیا پرستانہ زندگی کو بدلے بغیر کچھ سستے اعمال کے ذریعہ جنت مل رہی ہو۔ وہ دین قومی اور مادی ہنگامہ آرائیوں کو دینی جواز عطا کرتا ہو۔ وہ دین جس میں یہ موقع ہو کہ آدمی اپنی جاہ پسندی کے لئے سرگرم ہو، پھر بھی وہ جو کچھ کرے سب دین کے خانہ میں لکھا جاتا رہے۔ جو لوگ اس قسم کا دین پیش کریں وہ بہت جلد عوام کے اندر محبوبیت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ یہود کے قائدین اسی قسم کا دین چلا کر عوام کا مرجع بنے ہوئے تھے۔ وہ عوام کو ان کا پسندیدہ دین پیش کر رہے تھے اور عوام اس کے معاوضہ میں ان کو مالی تعاون سے لے کر اعزاز و اکرام تک ہر چیز نثار کر رہے تھے۔''
ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا سچے دین کی آواز بلند کرنا ان کو نا قابل برداشت معلوم ہوا۔ کیوں کہ یہ ان کے مفادات کے ڈھانچہ کو توڑنے کے ہم معنی تھا۔ اور یہ قبیح سلسلہ آج تک برابر جاری ہے کہ جو فتویٰ فروش ملاں اور لیڈر دین کو موم کی ناک سمجھ کر اسے اس طرح موڑ کر پیش کرے جسطرح عوام چاہتے ہیں تاکہ وہ رند کے رند بھی رہ جائیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے تو اس کا سلام بھی کیا جاتا ہے اور احترام بھی اور اس کو مال بھی پیش کیا جاتا ہے اور جائیداد بھی اور جو عالم دین خوف وخشیہ الٰہی سے سرشار ہو کر عوامی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے تیار نہ ہو بلکہ دین کو بے کم وکاست اس کی حقیقی شکل وصورت میں اپنی تقریر و تحریری پیش کرنے پر مصر ہو تو سلام کی بجائے گالیوں سے نوازا جاتا ہے اور اکرام کی بجائے اس کی توہین و تذلیل کو ثواب سمجھا جاتا ہے اور اس کی مال خدمت کرنے کی بجائے الٹا اسے مالی وجانی زبان ونقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ع

وانیہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ...الآیة۔

اسکے معنی یہ کئے جاتے ہیں۔ ''اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا، سو تو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے ہاں'' جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے'' (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۳۸)۔ یہ ترجمہ کرنے والوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جب ان گمراہوں کو گمراہ بھی اللہ نے کیا اور اللہ نے ہی نہ چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، تو پھر ان بے چاروں کا قصور کیا ہے؟ جس کی سزا وہ آتش دوزخ میں بھگتیں گے؟ اور پھر ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے؟ کیا یہ کھلم کھلا ظلم نہیں ہے؟ اور کیا خدا ظالموں پر لعنت نہیں بھیجتا اور کیا یہ صریح جبر نہیں ہے؟ جو اسلام میں نہیں ہے اور کیا خدا کا دامن ربوبیت ان آلائشوں سے منزہ ومبرا نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو پھر ان جملوں کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ لفظ الفتنہ کے متعدد معانی ہیں۔ جن میں سے ایک معنی عذاب بھی ہیں۔ جیسا کہ ان آیتوں میں یہ لفظ عذاب کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔

۱۔ علی النار یفتنون کہ ان لوگوں کو دوزخ میں عذاب کیا جائے گا۔

۲۔ ذوقوا فتنتکم ۔اپنے عذاب کا مزہ چکھو۔ بنا بریں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو خدا اس کی بے ایمانی و بدعملی اور منافقت کی پاداش میں عذاب کرنا چاہے تو تو اس کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ اپنے کئے کی سزا پاکے رہے گا۔ اس کے بعد دوسرے جملہ کا مفہوم سمجھنے میں بالکل آسانی ہو جاتی ہے۔ کہ خدا نے ایسے لوگوں کے دلوں کو پاک کرنے کا زبردستی ارادہ نہیں فرمایا۔ جس طرح اس آیت میں فرماتا ہے۔ لو شاء اللہ لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً کہ اگر خدا اپنی مشیت قاہرہ سے چاہتا، تو تمام روئے زمین کے لوگ ایمان لے آتے۔ مگر خدا اپنے دستور کے مطابق کسی کو ایمان لانے یا بے ایمانی اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اسے فاعل مختار بنایا ہے۔ انا ھدینٰہ النجدین انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا ۔نیز فتنہ کے ایک معنی ہلاکت کے بھی ہیں۔

بنا بریں مطلب یہ ہوگا کہ خدا جس شخص کو اس کی اپنی ہی غلط روش و رفتار کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہے، تو اے مخاطب تو اس کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ وہ ہلاک انہی لوگوں کو کرتا ہے، جو ہلاکت کے مستحق ہوتے ہیں، اسی لئے فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ سچ ہے کہ۔ ع

سزائے این چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد؟

آیات القرآن

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ؕ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور یہ لوگ آپ کو کس طرح حاکم (ثالث) بناتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ (آپ کے فیصلہ کے) بعد اس سے منہ موڑ لیتے ہیں (بات دراصل یہ ہے کہ) یہ مومن ہی نہیں ہیں (ہرگز ماننے والے نہیں ہیں) ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور (روشنی) تھی اس کے مطابق یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے۔ وہ تمام نبی جو اللہ کے مطیع وفرمانبردار تھے اللہ والے علماء واحبار بھی اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے جس کی حفاظت کے وہ ذمہ دار بنائے گئے تھے اور جس کے وہ گواہ تھے۔ پس تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت نہ کرو۔ اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہ کافر ہیں۔ اور ہم نے اس (تورات) میں ان (یہودیوں) پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی برابر کا بدلہ ہے۔ پھر جو (قصاص) معاف کردے، تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا اور جو قانون خدا کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں۔ ہم نے ان (انبیاء) کے نقش قدم

پر عیسیٰ کو بھیجا اپنے سے پہلے موجود کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی۔ جس میں ہدایت ہے اور نور بھی جو تصدیق کرنے والی تھی۔ اپنے سے پہلے موجود کتاب یعنی تورات کی اور یہ (انجیل) صحیح رہنمائی اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لئے۔ چاہیے کہ انجیل والے (نصرانی) اس (قانون) کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے اس (انجیل میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی فاسق (نافرمان) ہیں۔(۴۷)

تفسیر الآیات

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ ... الآية۔ ۴۳

یہود کی حالت پر اظہار تعجب؟

یہاں خداوند عالم یہود کی روش و رفتار پر اپنے تعجب کا اظہار کر رہا ہے اور پیغمبر اسلامؐ کو تسلی بھی دے رہا ہے۔ کہ وہ بظاہر جس شخص (جناب موسیٰ) کو نبی اللہ اور اس کی کتاب (تورات) کو کتاب اللہ مانتے ہیں۔ جب وہ اس حکم سے جو اس میں لکھا ہوا ہے روگردانی کر رہے ہیں تو اے محبوبؐ وہ آپ کو کس طرح اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں؟ جبکہ وہ آپ کو میرا نبی تسلیم ہی نہیں کرتے؟ اور پھر آپ کے فیصلہ سے بھی اسے اپنی منشاء کے خلاف پا کر منہ پھیرتے ہیں۔ اس سے تو مذہب کے ان اجارہ داروں کی بددیانتی اور بے ایمانی کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے۔ کہ وہ کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے، ہاں اگر ایمان رکھتے ہیں تو صرف اپنے مفادات پر اور اپنے نفس کی خواہشات پر۔ اگر اس کتاب کے احکام سے جسے وہ کتاب اللہ ماننے کے مدعی ہیں۔ منہ موڑتے ہیں، تو صرف اس لئے کہ وہ حکم ان کی خواہش نفس کے خلاف ہے اور اگر اس شخص کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں۔ جسے وہ نبی نہیں مانتے، تو اس امید پر کہ شاید وہ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دے اور جب ایسا نہیں ہوتا، تو اس سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح وہ پیغمبرؐ اسلام اور ان کی کتاب (قرآن) کو نہیں مانتے، اسی طرح درحقیقت وہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی کتاب تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (نساء آیت۔ ۶۴)۔ اے رسول!

تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے ۔ جب تک اپنے تمام تنازعات میں تجھے اپنا حاکم تسلیم نہ کریں اور پھر آپ جو فیصلہ کردیں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں بھی کوئی کوفت محسوس نہ کریں ۔ بلکہ یوں تسلیم کریں ،جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاۃَ ...الآیۃ ۔ ۶۴

یہاں خداوند عالم تورات کی تعریف کر رہا ہے ۔ کہ وہ کسی انسان کی تصنیف کردہ کتاب نہیں ہے، بلکہ منزل من اللہ ہے ۔اور یہی کیفیت انجیل کی ہے اور یہی حالت قرآن کی ہے ۔ یہ ایک دوسری کی مکذب نہیں ہیں ۔ بلکہ مصدق ہیں رشد و ہدایت کے یہ چشمے ایک ہی سرچشمۂ فیض و رحمت سے پھوٹتے ہیں ۔سابقہ کتابیں اپنے اپنے دور میں منارہ ہدایت تھیں ،جن سے خوش قسمت لوگ کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں راہ ہدایت و نجات پاتے تھے ۔جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء بنی اسرائیل جیسے جناب داوٗد سلیمانؑ ،الیاس الیسعؑ ،عزیزؑ ، زکریاؑ ، اور یحییٰ اور ربانی علماو مشائخ اور احبار و علماء جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی سپردگی میں دے رکھا تھا ۔(سب مسلم تھے)۔سب اسی توراۃ کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے تھے اور اسی کے مطابق ان کے فیصلے کر تے رہے ،وہ اپنے خیالات و اختیارات کے مطابق نہیں کرتے تھے ۔ کیونکہ انہی لوگوں کو اس کتاب خدا کا محافظ و نگہبان اور گواہ بنایا گیا تھا ۔ بہرحال یہ بات تاریخ یہود کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتی ہے کہ جب تک انبیاء اور ربانی علماء اپنا فرض تبلیغ و حفاظت ادا کرتے رہے ،تب تک تورات ہر قسم کی تحریف اور ردوبدل سے محفوظ رہی ۔مگر جب یہ کتاب ہدایت دنیا پرست علماء سوء کے قبضہ میں آگئی ،توانہوں نے دونوں کام چھوڑ دیئے ۔ اخلاص وللّٰہیت کی جگہ جاہ طلبی و دنیا طلبی آگئی ،تو پھر ان لوگوں نے اپنی مطلب برآری کی خاطر اسے محرف و مبدل کردیا اور آج جو تورات (اور اسی طرح انجیل) دنیا میں موجود ہے ،وہ یہی تحریف شدہ ہے اور یہود کے علماو مشائخ کی تصنیف شدہ ہے ۔ ورنہ اصلی تورات تو انیٹوکس اور بخت نصر وغیرہ کے حوادات میں تلف ہوگئی تھی ۔تفصیل تفسیر حقانی ج ۲ میں اسی آیت کے ذیل میں دیکھی جائے)اور وہ بھی قرآن مجید کے آجانے سے منسوخ ہوگئی ۔الغرض یہود نے اس سر چشمۂ فیض سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا اور آخر کار جاہ طلب اور دنیا کے بندے بن گئے ۔خداوند عالم ان آیات میں مسلمانوں کو نصیحت کر رہا ہے کہ یہ لوگ چاہیں گے کہ ان کی طرح تم بھی اپنی کتاب سے کما حقہ استفادہ نہ کرو اور اس کی تعلیمات سے دور ہو جاوٗ خیال رکھنا کہیں ان کے دام تزویر میں نہ پھنس جانا ۔ اور قرآنی ہدایات و تعلیمات کو طاق نسیان پر نہ رکھ دینا ۔ مذکورہ بالا مطالب اس پورے رکوع نمبر ۱۱ میں پھیلے ہوئے ہیں ۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ ...الآیۃ ۔ ۴۴

دین فروش لوگوں کی مذمت۔

یہ بات استقراء تام سے ثابت ہے کہ جب بھی کوئی شخص یا کوئی گروہ انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی دین و مذہب میں کسی قسم کی کوئی ترمیم و تنسیخ یا کوئیر دوبلد کرتا ہے یا کسی قسم کی کمی یا پیشی یا کوئی ھیرا پھری کرتا ہے توالحادوزندقہ کے وہ اس کی دو ہی سبب یا ان میں سے کوئی ایک سبب ہوتا ہے۔

ا۔حکام یا عوام کالانعام کا خوف کہ اگر دین و مذہب کے اصلی حقائق بیان کیئے گئے، تو وہ ضرر وزیاں پہنچائیں گے۔

۲۔طمع ولالچ کہ اگر لوگوں کی خواہش نفس کے مطابق حقائق کو توڑا موڑا گیا۔اور اس طرح ان کو خوش کیا گیا تو ان سے مال و منال ہاتھ آئے گا۔خدائے حکیم جواب میں فرماتا ہے کہ لوگوں سے نہ ڈرو، کیونکہ وہ تمہاری طرح عاجز و ناتواں انسان ضیعف البنیان ہیں۔نہ تمہارا کچھ سنوار سکتے ہیں اور نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ہاں مجھ سے ڈرو، جس کے قبضہ قدرت میں تمہارا نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے، سود بھی ہے اور زیاں بھی ہے اور تمہاری موت بھی ہے اور حیات بھی ہے۔

۲۔اور میری آیات بینات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ قیمت پر فروخت کرو۔بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر دین کے عوض دنیا حاصل کرو گے، تو اگر تم ہفت اقلیم کے مالک و مختار بھی بن جاؤ۔تاہم اخروی دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ چندروزہ مال و متاع نہایت ہی بے حقیقت اور قلیل ہے۔
گو بظاہر یہ خطاب علماء یہود سے ہے۔(مجمع البیان) مگر درحقیقت ان تمام دین فروش ملاؤں، مفتیوں اور قاضیوں سے ہے۔جو خدائے رحمان کی بجائے عوام سے ڈرتے ہیں۔اور خدا کو حلال مشکلات و قاضی الحاجات جاننے کی بجائے لوگوں کو اپنا قاضی الحاجات جانتے ہیں۔ایسے لوگوں سے خطاب کر کے جو خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔اقبال نے کہا تھا!

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟؟

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ ... الآیۃ۔ ۴۴

خلاف ما انزل اللہ فیصلہ کرنے والوں کا انجام

خداوند جبار و قہار نے اپنے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کو اس آیت نمبر ۴۵ میں ظالم

اور آیت نمبر ۴۷ میں فاسق کہا ہے۔ان آیتوں کے بارے میں دو باتیں قابل غور ہیں۔پہلی یہ کہ ان آیات میں کوئی تضاد واختلاف نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کے حالات کے مطابق مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔یعنی اگر کوئی حکم خدا کا دل ودماغ سے انکار کر کے ایسا کرے،تو وہ کافر ہے اور اگر کوئی دل سے انکار نہ کرے، بلکہ اقرار کرے، مگر کسی دنیاوی غرض اور سفلی مقصد کے تحت ایسا کرے تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ان آیات میں ان حکام اور جج کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔جو خلاف ما انزل اللہ فیصلے کرتے ہیں، دوسری یہ کہ اگرچہ ان آیات میں روئے سخن یہود ونصاری کی طرف ہے۔لیکن بموجب المورد لا یخصص الوارد۔کہ مورد وارد کو تخصیص نہیں دیتا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان آیات کو انہی لوگوں سے مخصوص سمجھا جائے، بلکہ ان کو اپنے عموم پر رکھا جائے گا اور جو شخص بھی خواہ اس کا تعلق کسی ملت ومذہب سے ہو، اس جرم کا ارتکاب کرے گا۔وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔

فرمایا من قضی فی درھمین بغیر ما انزل اللہ فقد کفر۔جو شخص صرف دو درہم میں خدا کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرے۔وہ کافر ہے۔(عیاشی، برہان، بحار)

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا...۱۴۵ الآیۃ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے لئے تورات میں قصاص کا حکم بالکل اسی طرح تھا۔جیسے اسلام میں ہے۔اور لطف یہ ہے کہ تورات کے محرف ہو جانے کے باوجود یہ حکم آج بھی اس میں اسی طرح موجود ہے۔(ملاحظہ ہو خروج ۲۱، ۲۳، ۲۵)

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ...۱۴۵ الآیۃ۔

اور جو مظلوم اپنے ظالم کو قصاص معاف کر دے اور اس سے بدلہ نہ لے،تو اس کی یہ فیاضی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی''ظالم کے لئے عبرت ناک سزا تجویز فرمائی، اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کو عفو درگذر کی تلقین کی عدل وانصاف اور رحم وکرم کا کتنا حسین امتزاج ہے''(ضیاء القران)

وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ...۱۴۶ الآیۃ۔

ہم نے ان کے نقش قدم پر عیسٰیؑ کو بھیجا۔یہ''ھم''(ان) کی ضمیر کا مرجع''النبیون''ہیں۔جو اوپر آیت نمبر ۴۴ میں مذکور ہیں۔یہ جناب عیسٰیؑ۔تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔اس کی تکذیب وتردید کرنے والے نہیں ہے۔اور ان پر جو انجیل نازل کی گئی ہے۔

اس میں پانچ صفات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اس میں ہدایت ہے۔ ۲۔نور ہے۔ ۳۔تورات کی تصدیق کرتی ہے۔
۴۔ اس کے مطابق انبیاء فیصلے کرتے تھے۔ ۵۔اوراس میں پند ونصیحت ہے۔

موجودہ انجیل محرف ہے اور جناب عیسٰیؑ کے بعد کے لوگوں کی لکھی ہوئی ہے

مگر یہ یادرہے کہ یہ پانچ اوصاف جو اوپر مذکور ہیں۔ یہ اس اصلی انجیل کے ہیں۔ جو رب العزۃ نے جناب علیٰؑ۔ پر نازل کی تھی اور حوادث قیاصرہ میں گم ہوگئی تھی اور آج پوری دنیا میں ناپید ہے۔اور یہ جو آج کل چار شخصوں کی مرتب کردہ انجیلیں موجود ہیں یعنی ۔۱۔انجیل متی۔ ۲۔انجیل مرقس۔ ۳۔انجیل لوقا۔ ۴۔اور انجیل یوحنا۔ یہ کتابیں تو جناب عیسیٰؑ کے رفع سماوی کے بہت بعد لکھی گئیں۔اور پھر ان چاروں انجیلوں میں بھی جو کچھ تحریف اور کمی وبیشی واقع ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔وہ عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے اور خود عیسائی علماء کو بھی اقرار ہے اور مشاہدہ شاہد ہے کہ اس کا ہر ایڈیشن دوسرے سے مختلف ہے۔مخفی نہ رہے کہ اس آیت میں جو دوبارہ لفظ ''مصدقا'' آیا ہے۔ یہ ایک ہی بات کی تکرار نہیں ہے۔ بلکہ پہلا لفظ جناب عیسیٰؑ سے اور دوسرا لفظ انجیل سے متعلق ہے کہ یہ دونوں تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ بلکہ مولانا مودودی اور سید العلماء کی تحریروں سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ جناب عیسیٰؑ صرف موسوی دین اور توراہ کے ہی مبلغ تھے چنانچہ اول الذکر رقمطراز ہیں ''یعنی مسیح۔کوئی نیا مذہب لے کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ وہی ایک دین جو تمام پچھلے انبیاء کا دین تھا، مسیح کا دین بھی تھا اور اسی کی طرف وہ دعوت دیتے تھے تورات کی اصل تعلیمات میں جو کچھ ان کے زمانہ میں محفوظ تھا اس کو مسیح خود بھی مانتے تھے اور انجیل بھی اس کی تصدیق کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو (متی باب ۵ آیت ۱۷ / ۱۸، تفہیم القرآن ج اص ۴۷۵ حاشیہ نمبر ۷۶)

اور ثانی الذکر تحریر فرماتے ہیں ''شریعت تورات کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ اس شریعت کے پیرو تھے جس کا ذکر انجیل میں اب بھی ہے۔انجیل اسی تورات پر عمل کی دعوت اور مواعظ ونصائح پر مشتمل بنا کر بھیجی گئی تھی'' (فصل الخطاب ج ۲ ص ۴۴۶) مگر اس بات کا کیا جواب ہے کہ حضرت علیٰؑ بنص قرآن رسول تھے۔(ورسولاً الی بنی اسرائیل) بلکہ پانچ اولوا العزم رسولوں سے پانچویں اولوا العزم رسول تھے۔اور متکلمین کی اصطلاح میں رسول صاحب شریعت نبی کو کہا جاتا ہے۔ بنابریں انجیل کے مصدق تورات ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا ہے کہ وہ نئی شریعت کی حامل نہ ہو یا بعض احکام توراۃ کی ناسخ نہ ہوا اور اس کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن جہاں تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی مصدق ہے وہاں ان کی لائی ہوئی شریعتوں کا ناسخ بھی

ہےاور خود ایک مستقل شریعت کا بانی بھی ہے۔

سب انبیاء کا دین ایک تھا مگر شریعتیں جدا جدا۔

ہاں یہ درست ہے کہ سب انبیاء کا دین ایک تھا اور سب ایک ہی صداقت کے داعی تھے۔مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ(سب انبیا کی شریعتیں بھی ایک ہی تھیں اور منہاج بھی ایک تھا۔آیت مبارکہ ان الدین عندالله الاسلام کی تفسیر کے ضمن میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ دین جو کہ چند اصول عقائد اور چند اوامرونواہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ جہاں تک دین کے بنیادی اصول عقائد کا تعلق ہے۔تو وہ تو تمام انبیاء کے یکساں رہے ہیں۔جو کہ خدا پرستی کا قانون ہیں۔مگر جہاں تک اوامرونواہی یعنی عبادات ومعاملات وغیرہ فروعی احکام کا تعلق ہے۔ جسے شریعت اور منہاج کہا جاتا ہے جو دستورالعمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان میں ہر زمانہ کے خصوصی حالات،لوگوں کے اختلاف مزاج اور دیگر مقتضیات کے اختلاف کی وجہ سے بتقاضائے حکمت و مصلحت برابر ران میں ردوبدل اور ترمیم وتنسیخ ہوتی رہی ہے۔اسی حقیقت کی طرف ذیل کی آیت نمبر ۴۸ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ''لکل جعلنا شرعة ومنها جاً۔ہم نے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کی ہے''اگر خدا اپنی مشیت قاہرہ سے چاہتا تو سب نوع انسانی کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا اور سب کیلئے ایک شریعت مقرر کر سکتا تھا۔مگر اس نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اس شریعت کی اتباع کرتا ہے۔الغرض یہ شرائع ہیں ان میں بر بنائے حکمت ردوبدل اور ترمیم وتنسیخ کا سلسلہ سابقہ انبیاء کے ادوار میں برابر جاری وساری رہا۔یہاں تک کہ سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے۔ تو اب ان کے بعد یہ سلسلہ قیامت تک بالکل بند ہو گیا ہے۔اب نہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی آئے گا۔نہ اسلامی و قرآنی شریعت کے بعد کوئی نئی شریعت آئے گی اور نہ قرآن کے بعد کوئی نئی کتاب آئے گی۔ بس حلال محمد حلال الی یوم القیامه و حرامه حرام الی یوم القیامة حلال محمد قیامت تک حلال اور حرام محمدی قیامت تک حرام رہے گا۔(اصول کافی)

آیات القرآن

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ جو تصدیق کرتی ہے۔ ان (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے موجود ہیں اور ان کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا آپ ان کے درمیان وہی فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اس حق سے منہ موڑ کر جو آپ کے پاس آ گیا ہے۔ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کی ہے اور اگر خدا (زبردستی) چاہتا، تو تم سب کو ایک ہی (شریعت) کی ایک ہی امت بنا دیتا۔ مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزمائے (ان احکام میں) جو (مختلف اوقات میں) تمہیں دیتا رہا ہے بس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا۔ ان باتوں سے جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اور ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہ کہیں وہ آپ کو اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے بھٹکا نہ دیں اور اگر وہ روگردانی کریں، تو جان لیجئے کہ اللہ بس یہ چاہتا ہے کہ وہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے۔ بے شک زیادہ تر لوگ فاسق

(نافرمان ہیں)۔ کیا وہ دور جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ حالانکہ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟۔ (۵۰)

تفسیر الآیات

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ...۴۸ الآیۃ۔

یہاں پہلے لفظ کتاب سے قرآن کریم مراد ہے اور دوسرے لفظ سے جنس کتاب مراد ہے۔ جو تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے۔ کہ خدائے علیم وحکیم نے قرآن کریم کو تمام آسمانی کتابوں کا مصدق اور مھیمن یعنی محافظ بنا کر نازل کیا ہے۔ جو تورات وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں میں تغیر وتبدل کرنے والوں کی تحریفات اور بے جا تصرفات کا بردہ چاک کرکے حق کو واضح کرتا ہے اوران کتابوں کی اصلی وحقیقی تعلیمات کی روشنی کو آج تک دنیا کے کونے کونے تک پہنچارہا ہے۔ اور صبح قیامت کے طلوع ہونے تک یہ فریضہ ادا کرتا رہے گا اور حق وحقیقت کی روشنی سے دنیا سے جہالت کی تاریکی کو دور کرتا رہے گا اور اسے بقعہ نور بناتا رہے گا۔ بہرحال پہلے توراۃ کا ذکر ہوا پھر انجیل کا اور اس کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان پر اتاری جانے والی کتاب کا بعد ازاں خالق نے اہل تورات کا اہل انجیل اور اہل اسلام سب کو سمو کر خطاب فرمایا! لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھا جا۔ یعنی تورات والی شریعت ہماری بھیجی ہوئی تھی اور انجیل والی تعلیم بھی ہماری تھی اور اب یہ قرآنی شریعت بھی ہم ہی نے بھیجی ہے۔ لہٰذا تورات کے وقت تک اس شریعت پر عمل کرنا لازم تھا اور انجیل آئی۔ تو اس پر عمل لازم ہو گیا اور اب سب کو قرآن پر عمل لازم ہے۔ کیونکہ یہ کتاب سب سے آخر میں آئی ہے۔'' (فصل الخطاب)

باوجودیکہ حضرت رسول خداؐ عصمت کبریٰ کے مالک۔ اور ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ کے مصداق ہیں اور ان سے کسی قسم کے غلط فیصلے کرنے یا خدا کا حکم چھوڑ کر کسی کی خواہش نفس کی پیروی کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ تو پھر کیوں ان سے کہا جارہا ہے کہ لوگوں کے فیصلے اس کے ساتھ کریں، جو خدا نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بموجب۔ ایاک اعنی واسمعی یا جارۃ خطاب آنحضرت کو ہے۔ مگر مراد امت کے وہ علماء سوء ہیں۔ جن سے اندیشہ تھا کہ وہ امراء ورؤساء اور جابر حکمرانوں کی رضا جوئی اور اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر عوام کی دلجوئی کرکے قرآن وسنت کے خلاف فیصلے کریں گے اور دین کو بازیچہ اطفال بنائیں گے ہے۔ (تفسیر کاشف) یا اس سے مراد عام حکام ہیں اور ان کو تنبیہ کی جارہی ہے، (مجمع البیان)۔

علاوہ بریں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عصمت کی وجہ سے معصوم سے گناہ کرنے کی قدرت بالکل سلب تو نہیں ہو جاتی۔ ورنہ پھر معصوم کا کمال کیا ہے؟ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود اپنے عزم وارادہ سے گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور اس کا سبب ایک عصمت ہوتی ہے۔ جو لطف خداوندی ہے اور دوسرا خدا کی ہر وقت خصوصی توجہ۔ جو ایسے مقام پر معصوم کی دستگیری کرتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے! **ولو لا ان ثبتنك لتركن الهيم شيئا قليلاً** (اسراء ۸۴) فتدبر۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ......۱۴۸ الآیۃ۔

انسان فطرةً مقابلہ پسند واقع ہوا ہے۔ وہ مال ومنال، میں جاہ وجلال میں، اولاد میں، جائداد میں، غرضیکہ دنیا کی ہر بات میں دوسروں سے مقابلہ کرنے اور پھر اس کارگاہ حیات میں دوسروں سے گوئے سبقت لیجانے کو پسند کرتا ہے۔ خالق فطرت اس کے اسی جواد فطرت کو مہمیز کرنے کے لئے یہ تازیانہ لگا رہا ہے۔ کہ اگر مقابلہ کرنا چاہتے ہو، تو نیکیوں میں پیش قدمی کرنے سے کرو اور دنیا پر ثابت کر دو کہ تم سب سے زیادہ نیکی کرنے والے اور سفرِ آخرت کے لئے سب سے زیادہ زادسفر جمع کرنے والے ہو۔ اور خبردار یہاں لوگوں سے اس بات پر مت جھگڑو۔ کہ اس میدان میں کون بازی لے گیا۔ اور کون بازی ہار گیا؟ آخر تم سب نے بروز قیامت خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہ تمہارے اس اختلاف کا فیصلہ کرے گا اور تمہیں اس سے آگاہ بھی کرے گا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ ...۱۴۹ الآیۃ۔

اس حکم کے دوبارہ دینے کی وجہ طبری وغیرہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ سابقہ حکم تو یہودان خیبر کے بعض اشراف کے زنا اور اس کی سزا سے متعلق تھا۔ اور یہ دوسرا حکم ایک دوسرے واقعہ قتل سے متعلق ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اکابر یہود نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنے دین سے منحرف کرنے کے لئے ایک سازش تیار کی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر گذارش کی کہ ہم یہودیوں کے اکابر ہیں۔ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ تو دوسرے سب یہودی بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ چونکہ ہمارے اور ایک دوسری قوم کے درمیان ایک شخص کے قتل کے سلسلہ میں نزاع ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں، تو پھر ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے ہدایت ربانی کے تحت ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس طرح ان کی یہ سازش ناکام ہو گئی (مجمع البیان ج ۱۳ المنار ج ۶)۔

اور اگر اس کے باوجود یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود عذاب خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں اور پھر خدا چاہے گا کہ ان کے بہت سارے گناہوں میں سے بعض گناہوں کی انہیں سزا

دے۔ پھر خدا اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اگر یہ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے تو اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں زیادہ تر لوگ فاسق اور بدعمل جو ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین۔ آپ جس قدر چاہیں، حرص کریں اور سعی و کوشش کریں۔ مگر اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

افحکم الجاھلیہ......۵۰ الآیۃ۔

جاھلی دور کا فیصلہ طلب کرنے کی مذمت

جس دور میں قانون الٰہی اور حکم خداوندی پر عمل درآمد نہ ہوتا ہو، بلکہ انسانی خواہشات کی حکمرانی ہو، اسے جاھلیت والا دور کہا جاتا ہے۔ خداوند عالم استفہام توبیخی کے طور پر فرما رہا ہے کہ کیا اسلام جیسی کامل و اکمل شریعت آجانے کے بھی بعد لوگ جاہلیت کے دور والا فیصلہ چاہتے ہیں؟ پھر استفہام انکاری کے انداز میں فرما رہا ہے کہ یقین رکھنے والی قوم کے لئے خدا کے فیصلہ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ اچھا ہو سکتا ہے؟ ارباب عقل و دانش کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ ناقص العقل والعلم۔ بندوں کا بنایا ہوا قانون جس میں امیر و فقیر، قوی و ضعیف اور حاکم و محکوم میں تفریق پائی جاتی ہے۔ اور صریحا ظالمانہ نظام ہے۔ بہتر ہے یا وہ قانون جس کا بنانے والا سب کا خالق و مالک ہے۔ جس میں مساوات و مواسات پائی جاتی ہے اور سراسر عادلانہ نظام ہے۔ وہ بہتر ہے؟ مالکم کیف تحکمون۔ حضرت امام جعفر صادقؑ حضرت امیر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ فرمایا! الحکم حکمان حکم اللہ وحکم الجاھلیۃ فمن اخطاء حکم اللہ حکم بحکم الجاھلیۃ وقال اللہ عزوجل ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون۔ یعنی حکم دو قسم کے ہیں۔ ایک اللہ کا حکم، دوسرا جاہلیت کا حکم، پس جو خدا کے حکم سے بھٹک جائے۔ اس نے جاہلیت والا حکم اختیار کیا ہے۔ (کافی وصافی)

آیات القرآن

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝۵۱ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپ میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔ بے شک خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (اے رسول) آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ وہ دوڑ دوڑ کر ان (یہود ونصاری) کی طرف جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہم پر کوئی گردش زمانہ آجائے سو قریب ہے کہ اللہ (تمہیں) فتح سے ہمکنار کردے (کامیابی کی) کوئی اور صورت اپنی طرف سے ظاہر کردے، تو پھر وہ اس پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے سب عمل ضائع ہوگئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے۔ اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے (پھر جائے) تو خدا کو کیا پروا اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا۔ جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا بڑا جاننے والا ہے۔

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا...الآیۃ۔ ۵۱

یہ آیت اور اس کا ماحصل بالکل اسی طرح ہے۔جس طرح سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۸ کا ہے۔ جس میں ارشاد قدرت ہے۔لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء۔فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں الکافرین کا لفظ ہے اور یہاں الیہود والنصاری کا لفظ ہے۔جو کہ حکم کفار میں ہیں کیونکہ وہ پورے کے پورے دین اسلام اور اس کے اصول وفروع کے منکر ہیں۔اور وہیں ہم اس بات کی مکمل وضاحت کر چکے ہیں کہ کفار سے قلبی دوستی کرنے کے نقصانات کیا ہیں؟ اور یہ کہ اس دوستی سے مراد کیا ہے؟ اور کس قسم کے تعلقات ان سے رکھنے نا جائز ہیں اور کس قسم کے جائز ہیں؟ اور ہم اپنی تفسیر کے قارئین کرام سے گذارش کریں گے کہ مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کریں اور اس آیت کا صحیح مطلب سمجھیں۔الغرض اس ممنوع دوستی سے مراد یہ ہے کہ ان کی جماعت کی ممبری قبول کی جائے اور ان کے فاسد مقاصد اور غلط منصوبوں کی تکمیل میں شرکت کی جائے اور ان کے ساتھ تعاون کیا جائے اور جو ایسا کرے گا وہ اس ارشاد خداوندی۔من یولھم منکم فانہ منھم۔وہ انہی کی جماعت کا رکن متصور ہوگا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو اولیاء اللہ سے دوستی رکھے گا۔وہ بھی انہی میں سے شمار ہوگا۔ جیسا کہ جناب ابراہیمؑ کا قول۔من تبعنی فانہ منی۔ورنہ اگر اپنے دینی قوانین کی پابندی کی جائے اور پھر ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات رکھے جائیں اور ان کے ساتھ لین دین رکھا جائے اور جائز مقاصد میں اور انسانی رفاہ عامہ کے کاموں میں باہمی تعاون کیا جائے یا عالمی امن کے قیام یا مشترکہ دفاع کے لئے مل جل کر کام کیا جائے،تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہ بات شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

فَتَرَی الَّذِیْنَ...الآیۃ۔ ۵۲

اس آیت میں خداوند عالم ان منافقوں کی روش کا تذکرہ کر رہا ہے۔جن کے دلوں میں نفاق والی بیماری ہے کہ باوجود یہود ونصاری سے دوستی کرنے کی ممانعت کے وہ دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جاتے ہیں اور ان سے مہر ومحبت کے تعلقات قائم کرتے ہیں اور اگر ان دورخوں سے کہا جائے کہ حکم الٰہی کے تحت ان سے تعلقات قطع کیوں نہیں کرتے تو بیک وقت دو کشتیوں کے یہ سوار جواب میں کہتے ہیں کہ ہمیں گردش زمانہ کا خوف دامنگیر ہے۔بے شک آج تو اسلام کو غلبہ حاصل ہے۔مگر ہو سکتا ہے کہ کل کلاں کفار کا پلہ بھاری ہو جائے تو اگر ایسا ہوا تو ہمارا کیا بنے گا؟ اس مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فریقین سے تعلقات بنا کے رکھے جائیں۔خداوند عالم ان کی اس

دوغلی رفتار پر سرزنش کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اگر حالات کا پانسا بدل گیا اور دین کو فتح مبین حاصل ہوئی یا مسلمانوں کے غلبہ کا کوئی اور انتظام ہو گیا اور یہودی ساہو کار جلاوطن کر دے گئے یا ان منافقوں کا راز فاش ہو گیا تو پھر ان کا کیا بنے گا؟ اور کف افسوس ملنے اور پشیمان ہونے کے سوا ان کو کیا حاصل ہو گا؟

لا الی ھئولا ۔ ولا الی ھئولآء؟

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

وذلك هو الخسران المبين۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ۔ ۵۳

جب اہل ایمان مظفر اور منصور ہوں گے اور منافقین ذلیل ورسوا۔ تو اہل ایمان از راہ تعجب کہیں گے کہ آیا یہی وہ لوگ ہیں۔ جو سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے تمام اعمال اکارت گئے۔ اور تمام محنتیں برباد ہو گئیں۔ اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ ممکن ہے کہ اہل ایمان یہ بات بروز قیامت منافقوں کا انجام بد دیکھ کر اور کفار کے زمرہ میں محشور ہوتے دیکھکر کہیں اور ممکن ہے کہ دنیا میں ان کے نفاق کا پردہ چاک ہونے اور انکا راز فاش ہونے کے بعد ان کی ذلت ورسوائی دیکھ کر از راہ تعجب باہم یہ گفتگو کریں؟ (جملہ تفاسیر شیعہ وسنی)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ۔

اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے۔ (تو کوئی بات نہیں ہے)۔

بہت جلد اللہ ایک ایسی جماعت کو لائے گا جسے اللہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ اللہ کو دوست رکھتی ہو گی۔

ارتداد کیا ہے؟ اور اس کے اقسام کتنے ہیں؟

اس موضوع پر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۷ کی تفسیر میں گفتگو ہو چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔ یہاں قابل غور بات صرف یہ ہے کہ وہ کونسی جماعت ہے جس کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں؟ اپنی طرف سے خامہ فرسائی کرنے کی بجائے مناسب یہ ہے کہ یہاں علامہ سید علی نقی کی نگارش سے فائدہ اٹھایا جائے، جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی جامع بھی ہے۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں " جمہور اہلسنت کا خیال ہے کہ یہ جماعت جس کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے شروع والے خلفاء اور اس دور کے مسلمانوں کی ہے۔ جنہوں نے روم اور فارس کے ممالک فتح کئے۔ مگر کیا کیا جائے کہ جو اوصاف قرآن نے اس جماعت کے ذکر کیے ہیں۔ وہ اس

جماعت کے افراد پر منطبق نظر نہیں آتے۔ اس کے برخلاف جمہور علماء شیعہ اس کو امیر المومنین اور ان کے ساتھ کے افراد پر منطبق کرتے ہیں۔ جنھوں نے ناکیثن وقاسطین و مارقین سے جہاد کیا بلکہ شیخ طوسی نے تبیان میں کافی بسط اور تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے کہ یہ اوصاف جو آیت میں مذکور ہیں خاص امیر المومنین۔ کی ذات پر منطبق ہیں اس کا شاہد یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے روز خیبر یہی وصف **یحب اللہ ورسولہ ویحب اللہ ورسولہ**۔ اپنی حدیث میں حضرت علیؑ کے تعارف میں خصوصی طور پر اس انداز میں ارشاد فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ علم لے کر جو پہلے جا چکے ہیں۔ وہ اس صفت سے متصف نہ تھے اس کے بعد یہ تصور کہ آیت کے مذکورہ اوصاف کا مصداق ان افراد میں سے کوئی ہے۔ کسی طرح صحیح نہیں قرار پا سکتا، ایک دوسری شیعی تفسیر یہ ہے کہ وہ حضرت مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ کے دور سے متعلق ہے۔ (تفسیر قمی)

رہ گیا یہ کہ پھر کیوں ارشاد ہوا کہ بہت جلد اللہ ایک جماعت کو لائے گا۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے پیمانہ میں تو قیامت کا بھی آنا بہت جلد ہے تو پھر اگر ظہور امامؑ کو جو بہرصورت قیامت سے پہلے ہے بہت جلد کہہ دیا جائے تو اس کے انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''۔ (فصل الخطاب)۔

بہرکیف اس آیت مبارکہ میں اس جماعت کی خصوصی طور پر چھ صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ خدا اس سے محبت کرتا ہے۔ ۲۔ وہ خدا سے محبت کرتی ہے۔

۳۔ اہل ایمان کے لئے نرم و مہربان ہے۔ ۴۔ کافروں کے مقابلہ میں سخت چٹان ہے۔

۵۔ راہ خدا میں سرفروش مجاہد ہے۔ ۶۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے بمقام خیبر حضرت علیؑ کے بارے میں جو حدیث ارشاد فرمائی ہے۔ اس کی رو سے اس جماعت کی تمام صفتیں حضرت امیر علیہ السلام میں صاف نظر آتی ہیں۔ **لا عطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ کرار اغیر فرار لا یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ**۔ (استیعاب ج ۲ ص ۴۷۳، مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۶۲ معارج النبوۃ ج ۴)

اس کے بعد اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے کہ اس جماعت سے حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں۔ یہی وہ بزرگوار ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ

ہو حلقہ ء احباب تو بریشم کی طرح نرم
ہو رزم حق و باطل تو فولاد ہے مومن

یا پھران کے متعلق بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

آیات القرآن

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۝۵۵ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝۵۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۵۷ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۝۵۸ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۝۵۹ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۝۶۰ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ۝۶۱

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! تمہارا حاکم وسرپرست صرف اللہ ہے۔اس کا رسول ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں۔جو نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ ادا کرتے ہیں۔اور جو تَوَلَّا (محبت) رکھے، اللہ سے،اس کے رسول اور صاحبان ایمان سے (وہ اللہ کا گروہ ہے) اور بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔اے ایمان والو! وہ لوگ جنہیں تم سے پہلے کتاب تورایت وانجیل دی گئی اور انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے۔ان کو اور دوسرے عام کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو،اگر تم مومن ہو اور جب تم (اذان دے کر لوگوں کو) نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بناتے ہیں۔یہ اس لئے ہے کہ وہ بے وقوف ہیں،عقل سے کام نہیں لیتے (اے رسولؐ) کہیے! اے اہل کتاب تم ہم پر کیا عیب لگاتے ہو؟ یہی کہ ہم اللہ پر،جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے۔اس پر اور جو اس سے پہلے اتارا گیا،اس پر ایمان لائے ہیں (حقیقت یہ ہے کہ)تم میں سے زیادہ تر فاسق (نافرمان) ہیں کہیے! کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اللہ کے نزدیک انجام کے اعتبار سے زیادہ برا کون ہے؟ وہ ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر وہ غضبناک ہے۔اور جن میں سے اس نے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنایا ہے اور جس نے شیطان (معبود باطل) کی عبادت کی ہو یہی وہ لوگ ہیں جو کہ درجہ کے لحاظ سے بدترین ہیں اور راہ راست سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ جب آپ لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ یہاں داخل ہوئے تو بھی کفر کے ساتھ اور یہاں سے نکلے تو بھی کفر کے ساتھ اور وہ لوگ جو (نفاق) چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

تفسیر الآیات

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللہ...الآیۃ۔ ۵۵

آیت ولایت کی تفسیر۔

یہ وہی آیت ہے جو آیت ولایت کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔جو حضرت امیر علیہ السلام کی شان

میں نازل ہوئی ہے اوران کی خلافت الٰہیہ اورامامت حقہ پر بطورنص صریح دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کی شان نزول۔

برادران اہلسنت کے امام المفسرین اپنی تفسیر ثعلبی میں باسنادخود جناب ابوذرغفاریؓ سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن حضرت رسولؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی اوراتنے تک ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا۔اور جب اسے کسی نے کچھ نہ دیا تو اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا یااللہ! گواہ رہنا۔میں نے تیرے نبی رحمتؐ کی مسجد میں سوال کیا۔مگر کسی نے کچھ نہیں دیا اس وقت حضرت علی۔حالت رکوع میں تھے آپ۔نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا سائل آیا اورانگوٹھی اتارلی۔حضرت رسول خداؐ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی پھر کہا یااللہ! میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام نے تیری بارگاہ میں دعا کی تھی ''پروردگار! میرا سینہ کھول دے،میرا معاملہ آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے ہی اہل بیت میں سے میرے بھائی ہاروں کو میرا خلیفہ وجانشین بنا............'' اورتوانے ان کی دعا قبول کر کے ہارون کوان کا جانشین بنایا تھا۔میں تیرا نبی وصفی محمدؐ ہوں میں بھی تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ ''میرا سینہ کھول دے اور میرا معاملہ آسان کردے اور میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر ووصی بنااوران کے ذریعہ سے مجھے تقویت پہنچا''

ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ ابھی آنحضرتؐ کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه...الآیۃ۔

ان کتابوں کے نام جن میں اس آیت کا بحق علیؑ نازل ہونا مذکور ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس آیت کا حضرت امیرؑ کی شان میں نازل ہونا صرف تفسیر ثعلبی میں ہی مذکور ہے نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بیسیوں کتابوں میں مذکور ہے۔بطورنمونہ مشتے ازخروارے ذیل میں انمیں سے بعض کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔تفسیر طبری۔۲۔تفسیر کبیر۔۳۔تفسیر خازن۔۴۔تفسیر نیشاپوری۔۵۔تفسیر ابن کثیر۔۶۔تفسیر درمنثور سوطی۔۷۔تفسیر ابوالبرکات۔۸۔تفسیر روح المعانی۔۹۔اسباب النزول واحدی۔۱۰۔فصول مہمہ ابن صباغ مالکی۔۱۱۔مناقب خوارزمی۔۱۲۔تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی۔۱۳۔کفایت الطالب۔۱۴۔الریاض النضرہ

طبری۔ ۱۵۔دخائر العقبیٰ۔ ۱۶۔کنز والعمال۔ ۱۷۔نورالابصار۔ ۱۸۔صواعق محرقہ۔ ۱۹۔ ینابیع المودہ۔ ۲۰۔ارجح المطالب وغیرہ۔فاضل نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں اس آیت کے حضرت امیر السلام۔ کے حق میں نازل ہونے کو اکثر مفسرین کا اتفاق قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں ''والایة نازلة فی علی-باتفاق اکثرالمفسرین لامفسرین''۔

تقریب استدلال

اس آیت سے حضرت امیرؑ کی خلافت پر استدلال دو (۲) ضروری مقدموں پر مبنی ہے۔

۱۔ پہلا یہ کہ کلمہ ''انما'' باتفاق علماءِ نحوکلمہ حصر ہے۔ جب کسی چیز کو کسی چیز میں منحصر کرنا ہو تو وہاں یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۔لفظِ ولی چند معنوں میں مشترک ہے۔جیسے اولی بالتصرف (حاکم) محب، ناصر، ابن العم وغیرہ۔لہٰذا ہر جگہ موقع ومحل کی مناسبت دیکھ کر اس کے معنی متعین کئے جاتے ہیں۔ان دو مقدموں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں اس آیت میں ولی کا لفظ اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم وسرپرست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ یہی وہ معنی ہیں، جن کی ان تین ذوات مقدسہ میں حصر کی جارہی ہے۔ورنہ محب اور ناصر تو اور بھی بہت موجود تھے اور ہیں ارشاد قدرت ہے۔ والمئومنون بعضهم اولیاء بعض مئومنین۔بعض کے بعض دوست اور مددگار ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جس ولایت کی ان تین ہستیوں میں حصر کی جارہی ہے۔وہ ایک ہی قسم کی ہے۔ جو خدا، مصطفیؐ اور مرتضیٰؑ کو حاصل ہے۔آیت مبارکہ۔ النبی اولی بالمومنین من انفسهم ۔نے واضح کر دیا کہ آنحضرتؐ کی ولایت بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے۔اور ظاہر ہے کہ خدا بھی انہی معنوں میں ولی ہے۔تو اس سے حضرت امیر۔کی ولایت کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے کہ وہ اولی بالتصرف کے معنوں میں ہی ہے۔مذکورہ بالا بیان کے علاوہ اس بات کا سب سے بڑا قرینہ اور شاہد یہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی دعا واستدعا میں جناب موسیٰ کی دعا برائے وزارت ہارون کا حوالہ دیا ہے۔جسے خدا نے قبول فرمایا تھا۔اور پھر اس دعا واستدعا کے نتیجہ میں خدائے علیم وحکیم نے یہ آیت نازل فرمائی۔اس سے بڑھ کر اس بات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اس سے حضرت علیؑ کی ولایت مطلقہ، وحاکمیت اعلیٰ اور خلافت الٰہیہ اور بالفاظ دیگر آپ کی بلافصل خلافتِ نبویہ کا اعلان کیا جارہا ہے۔

ایضاح

چونکہ حضرت علیؑ نے مسجد میں رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی تھی۔ اس لئے خداوند عالم نے ''یوتون الزکوۃ'' کے جملہ فعلیہ کے بعد واؤ کے ساتھ جو جملہ اسمیہ لایا ہے۔ اس میں حرف واؤ حالیہ ہے۔ جس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ وہ اس حالت میں زکوۃ دیتے ہیں کہ جب رکوع میں ہوتے ہیں۔ اور اگر واؤ کو عاطفہ قرار دیا جائے، تو پھر ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ وہ نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔ اس طرح جب ''یقیمون الصلوۃ'' میں رکوع آجاتا ہے۔ تو پھر اس جملہ ''وھم راکعون'' کی کیا افادیت باقی رہ جاتی ہے؟

اس آیت اور اس سے استدلال پر چند ایرادات اور ان کے مکمل جوابات

صاحب ضیاء القرآن نے مذکورہ بالا تفسیر پر چند بورے ایرادات کئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالاً ان کا تذکرہ کر کے ان کے مختصر مگر جامع جوابات پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ حقیقت کا مطلع بالکل بے غبار ہو جائے۔

۱۔ یہاں ولی کا معنی متصرف فی الامور نہیں، بلکہ ناصر و مددگار ہے۔ چنانچہ اوپر آیت نمبر ۵۱ میں یہی لفظ مذکور ہے۔ یاایھاالذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء۔ وہاں ان لوگوں کو مددگار اور دوست بنانے کی نفی کی گئی ہے۔ تو جس کی وہاں نفی کی گئی ہے یہاں اس کا اثبات ہو رہا ہے کہ اللہ، رسول اور مومن تمہارے دوست ہیں۔ اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں خدائے تعالیٰ نے کفار و مشرکین سے دوستی کرنے اور ان کو ناصر و مددگار بنانے کی پہلے پہل ممانعت کی ہے وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ کن سے دوستی کرنی چاہیے اور کن کو ناصر و مددگار بنانا چاہیے۔ اور وہ سورہ ال عمران کی آیت نمبر ۲۸ ہے۔ لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ وہاں جس چیز کی کفار سے نفی کی گئی تھی اسی چیز کا اہل ایمان کے لیے اثبات کر دیا گیا۔ کفار و مشرکین کو دوست نہ بناؤ بلکہ اہل ایمان سے دوستی کرو اور انہی کو اپنا یار و مددگار بناؤ۔ لہٰذا بنابریں جب اس سے پہلے سورہ آل عمران میں کفار و مشرکین کو یار و مددگار بنانے کے ممانعت کر دی گئی اور اہل ایمان سے دوسری کرنے اور ان کو ناصر و مددگار بنانے کا حکم دیا جا چاہے تو اب اگر یہاں سورہ مائدہ میں وہی معنی مراد لئے جائیں تو یہ تاکید ہوئی اور اگر اس کے معنی اولی بالتصرف مراد لئے جائیں اور اس آیت کر جناب امیرؑ کی خلافت کی دلیل قرار دیا جائے تو یہ تاکید ہوئی لہٰذا بموجب التائیس اولی من التاکید۔ کہ تاکید و تکرار

سے نئے حکم کی بنیاد رکھنا اولیٰ ہوتی ہے۔ بنابریں یہاں اس آیت میں ولی کے معنی اولی بالتصرف اور حاکم کے لئے جائیں گے۔ یعنی خداوند عالم اس آیت میں اعلان کر رہا ہے۔ کہ تمہارے حاکم اعلیٰ تین ہیں خدا، رسول اور وہ حیدر کرار جو نماز ادا کرتے ہیں، اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے اور خیرات کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی اولاد میں سے گیارہ امامؑ اور انہی تین ہستیوں کی بوجہ شرعی حاکم ہونے کے اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم۔

۲۔ دوسرا ایراد

انما کلمہ حصر ہے۔ اور اگر ولی سے مراد ولایت عامہ مراد ہے۔ تو پھر یہ ولایت صرف تین ہستیوں میں منحصر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور جن میں وہم راکعون کی صفت پائی جائے گی اس طرح دوسرے گیارہ آئمہ اہلبیتؑ خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی حالت رکوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اس ایراد جواب کا واضح ہے کہ یہ حصر صرف ان ہستیوں میں کی جارہی ہے۔ جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھیں۔ لہٰذا اگر دوسرے دلائل و براہین کی روشنی میں کچھ اور ہستیاں بھی خلیفۂ رسولؐ ہونے کے عنوان سے اس اولیٰ بالتصرف اور حاکمیت میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک ہو جائیں، تو یہ آیت اس کی نفی نہیں کرتی۔ صحاح ستہ اور دوسری کتابیں چھلک رہی ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ اور جانشیں ہوں گئے۔ (صحاح ستہ)۔

بنی ہاشم سے ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ وعمدۃ ابن بطریق وغیرہ)۔

پھر نام لے کر بتایا کہ علیؑ سے لے کر مہدیؑ تک ہوں گے۔ (اثبات الوصیۃ مسعودی و اثبات الھداۃ وغیرہ وغیرہ)۔

۳۔ تیسرا ایرا

اگر یہ آیت حضرت علیؑ کی امامت بلافصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرتؐ ضرور اسے پیش فرماتے ہیں۔ اس کا جواب روز روشن سے بھی زیادہ روشن ہے کہ آنحضرتؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر بمقام خم غدیر ایک لاکھ سے زیادہ اہل اسلام کے مجمع عام میں حضرت علیؑ کا بازو تھا کہ آپ کی امامت خلافت بلافصل اور امامت کا اعلان کر دیا تھا، جیسا کہ ابھی ذیل میں آیت نمبر ٦٧ کی تفسیر میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

۴۔ چوتھا ایرا

نماز میں سائل کی طرف توجہ کرنا پھر ایک ہاتھ کی انگلی سے دوسرے ہاتھ کی انگوٹھی نماز میں اتارنا اور پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عمل کثیر اور توجہ الی الغیر حضرت علیؑ کی شان سے بہت بعید ہے''۔ ایسے بودے استبعاد کی بنا پر ایک حقیقت کا انکار کرنا دینی پیشوائی کے دعویدار کسی پیر صاحب کو زیب نہیں دیتا۔ جبکہ جناب ابوذرؓ والی پیش کردہ روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف انگلی سے اشارہ کیا تھا اور رمز شناس سائل نے آ کر انگوٹھی اتار لی۔ یا بقول غزالی جناب کا اشارہ کرنا تھا کہ انگوٹھی اُڑ کر سائل کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی (سر العالمین غزالی)

اس طرح عمل کثیر کس طرح لازم آیا، بلکہ یہ فعل قلیل ہے۔ جس سے بالاتفاق نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور رسائل کی حاجت برآری کرنا بھی خدا کی عبادت ہے تو عبادت میں عبادت سے توجہ الی الغیر کس طرح لازم آئی؟ یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جب سائل کے سوال پر اسے کسی نے کچھ نہیں دیا تو اس نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی کہ یا اللہ! گواہ رہنا کہ میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا۔ مگر کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا، ادھر سائل کی شکایت اللہ کے حضور میں پہنچی، ادھر حضرت علیؑ اپنے حضور قلب کی وجہ سے پہلے وہاں حاضر تھے۔ لہٰذا سائل کی شکایت سنی اور پھر فوراً اس کا ازالہ کر دیا۔ اس طرح توجہ الی الغیر کس طرح لازم آئی؟ یا سعد الابل۔

۵۔ پانچواں ایرا

انگوٹھی سونے کی تو تھی نہیں کہ سونا مردوں پر حرام ہے۔ لہٰذا چاندی کی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ ایک تولہ کی ہوگی جس کی قیمت اس وقت ایک روپے سے بھی کم تھی۔ اس کے دینے سے اگر خلافت کا حق ثابت ہوسکتا ہے۔ تو جنہوں نے ہزاروں اشرفیاں بارگاہ رسالت میں پیش کیں۔ ان کی خلافت کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اس بودے ایراد کا پہلا تسلی بخش جواب تو یہ ہے کہ وہ انگوٹھی صرف ایک تولہ چاندی کی نہیں تھی۔ جس کی قیمت بقول پیر ازہری صاحب کے ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ بلکہ بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ اتنا قیمتی تھا کہ پورے ملک یمن کے خراج سے اس کی قیمت زیادہ تھی۔ (ینابیع المودۃ، ارجح المطالب)

اور اگر بالفرض اس کی قیمت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ مگر اس کے صدقہ کرنے والے کی امامت کا اعلان کر دیا گیا۔ اور بقول پیر صاحب ہزاروں اشرفیاں پیش کرنے والوں کو اس سے محروم رکھا گیا۔ تو اس میں

ہمارا کیا قصور ہے۔ یہ تو خدائی کام ہے؟ اس میں کسی کو بے جا دخل دینے کا کیا حق ہے؟ ظاہر ہے کہ خداوند عالم کسی چیز کی قلت و کثرت پر نگاہ نہیں کرتا بلکہ عابد و عامل کے خلوص نیت اور اخلاص عمل پر نگاہ کرتا ہے اس کے علاوہ یہ انگوٹھی خلافت کی قیمت تھوڑی ہی تھی یہ تو ویسے حضرت علیؑ کی خلافت کے اعلان کا ایک انداز تھا اور یہ بات بھی واضح ہے۔ کہ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ یعنی اللہ صرف متقیوں کا عمل قبول کرتا ہے اور حضرت علیؑ صرف متقی ہی نہیں۔ بلکہ امام المتقین ہیں۔ والحمدللہ رب العالمین۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللهَ ... الآية ۔ ۵۶

''سابق کی آیت کا جن کی ولایت میں اعلان ہوا تھا انہی کے ساتھ تولی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ وہاں مولاتین کو قرار دیا گیا تھا اللہ اور رسول اور وہ ایمان والے جنہوں نے حالت رکوع میں زکوۃ دی ہے۔ تو یہ تولا کی دعوت انہی کے لئے ہے اور ان سے تولا رکھنے والے ہی اللہ کا لشکر ہیں۔ جو بالآخر دنیا پر غالب آ کر رہیں گے کب؟ اسی وقت کہ جب لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اور لیستخلفنھم فی الارض کے وعدے پورے ہوں گے'' (فصل الخطاب)۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُو ... الآية ۔ ۵۶

اس آیت شریفہ میں خداوند عالم ایک بار پھر اہل ایمان کو اپنے دشمنوں سے دوستی کرنے اور ان سے محبت کی پینگیں لڑانے کی ممانعت کر رہا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ یہ لوگ دین اسلام اور اس کے شعائر و مقدسات جیسے نماز و روزہ وغیرہ کا تمسخر اڑاتے ہیں اور مذاق کرتے ہیں۔ جو ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ پہلے آیت نمبر ۵۱ میں صرف یہود و نصاری سے دوستی کرنے سے روکا گیا تھا اور یہاں اہل کتاب پر کفار کا عطف کر کے (جو عطف العام علی الخاص کی قسم سے ہے)۔ ان سے بھی دوستی کرنے سے منع فرما رہا ہے ہم نے کفار کے تذکرہ کو عطف العام علی الخاص اس لئے قرار دیا ہے کہ کفر عام ہے۔ کیونکہ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد ہر وہ فرد یا جماعت ہے۔ جو دین اسلام کا انکار کرے۔ وہ خواہ ہنود ہوں یا یہود، نصرانی ہوں یا مجوس یا ملحد و زندیق یعنی کمیونسٹ بنابریں ظاہر ہے کہ یہود و نصارٰی بھی کفار کی ایک خاص قسم ہیں۔ اگرچہ ان کا کفر اور انکار اسلام کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ تاہم خواب غفلت میں بعض سوئے ہوئے اہل علم کو جگانے کے لیے یہاں چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔ تا کہ شاید وہ بعض متشابہ آیات اور ضعیف روایات کی بنا پر ان کو پاک سمجھنے والے غلط نظریہ سے باز آ جائیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ لم یکن الذین کفرو امن اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینتہ۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں (اسلام قبول نہیں کیا) اور جو مشرک ہیں

وہ علیحدہ ہونے والے نہیں تھے۔جب تک ان کے پاس کوئی دلیل نہ آجاتی۔''جو رسول من اللہ''(اللہ کے رسول ہیں)اب اس کے آنے سے کتابی اور غیر کتابی دونوں کافر علیحدہ ہو گئے اور مسلمان علیحدہ (تفسیر بتیان، مجمع البیان اور فصل الخطاب)۔اور یہ بات قرآن کے خصوصی نصوص صریحہ وصحیحہ سے ثابت ہے۔کہ کافر اور مشرک نجس العین ہیں۔انما المشرکون نجس۔

اس آیت کی شان نزول۔

اس آیت کی شان نزول بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے جو کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ بعض مشرکین جیسے رفاعہ بن زید اور سوید بن الحرث نے پہلے اظہار اسلام کیا اور پھر منافقوں کے ہمنوا بن گئے۔مگر بعض مسلمان ان سے دوستی کرتے تھے۔اس لیے خدائے حکیم نے اس دوستی کے ضرروزیاں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔(تفسیر مجمع البیان، وتفسیر کبیر رازی)اور واضح کیا ہے کہ اگر تم اہل ایمان ہو تو خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنے سے پرہیز کرو۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ...الآیۃ۔۵۸

مشرکوں کا تمسخر کرنا اس آیت سے ثابت ہے۔انا كفيناك المستهزئين الذين يجعلون مع الله الها آخر۔ہم نے آپ کی ان مذاق کرنے والوں سے کفایت کی، جو خدائے واحد کے ساتھ اور خدا مانتے ہیں۔اور منافقوں کا تمسخر کرنا، اس آیت سے ثابت ہے۔واذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم انما نحن مستهزؤن۔جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں۔تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔مسلمانوں کے ساتھ تو صرف ہم مذاق کرتے ہیں اور یہود ونصاریٰ کا اتستہزاء قرآن کی انہی آیات اور تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ وہ اذان وغیرہ اسلامی شعائر کا تمسخر اڑاتے تھے اور اسے ناقابل برداشت شوروغل قرار دیتے تھے۔نصرانی ناقوس بجا کر اور یہودی بوق پھونک کر بے ہنگم آوازوں سے اپنے پیروکاروں کو عبادت کی طرف بلاتے تھے۔ان کے بالمقابل بانی اسلام نے خدائی وحی اور اس کی راہنمائی سے موذن کے دلآویز اور پرکشش جملوں سے مسلمانوں کو نماز کی طرف دعوت دینے کا آغاز کیا۔مگر ان لوگوں کے مذہبی تعصب و عناد کا یہ عالم تھا کہ ناقوس وبوق کی بے ہنگم چیخ وپکار تو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔مگر موذن کی آواز اور جاذب جملوں کا تمسخر اڑاتے تھے۔بعض کتابوں میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی رہتا تھا۔وہ جب اذان میں ''اشهد محمداً رسول الله'' کی آواز سنتا تھا۔تو کہتا تھا احرق الله الكاذب۔(خدا جھوٹے کو جلائے)العیاذ باللہ)۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک رات وہ اپنے کنبہ کے ساتھ گھر میں سویا ہوا تھا کہ

اچانک اس کے گھر کو آگ لگ گئی۔ جس سے وہ اپنے کنبہ سمیت جل کر راکھ ہو گیا۔ (تفسیر قرطبی)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ ... الآیۃ۔ ۵۸

ان لوگوں کی اس سب غلط کاروائی کی وجہ یہ ہے کہ یہ بے عقل ہیں۔ یعنی عقل سے کام نہیں لیتے۔ جبکہ اپنے دنیاوی کاموں میں بڑے ہوشیار ہیں۔ مگر دینی کاموں میں بے وقوف اور بے عقل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل سے جس قسم کا کام لیا جائے وہ اس سے انکار نہیں کرتی۔ اب یہ تو کام لینے والے پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کس قسم کا کام لیتا ہے؟

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ ... الآیۃ۔ ۵۹

خدائے حکیم اپنے نبی کریم کو حکم دے رہا ہے کہ ان یہود سے پوچھو کہ تمہیں ہماری کیا بات ناپسند ہے؟ اور کس بات پر ہم سے ناراض ہو؟ جبکہ ہم میں کوئی بھی علمی و عملی اور اخلاقی برائی نہیں ہے؟ کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے۔ کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا (قرآن) اس پر اور جو کچھ پہلے (انبیاء) پر نازل ہوا تھا اس پر ایمان لائے ہیں؟ اور اگر یہی وجہ عناد ہے، تو پھر تم ہی بتاؤ کہ قصور کس کا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق یعنی کافر ہیں۔ اگرچہ سب اہل کتاب فاسق یعنی خارج از اسلام اور کافر تھے۔ لیکن اگر سب کو ایسا کہا جاتا تو اس سے زیادہ تلخی پیدا ہوتی۔ لہٰذا رواداری کے تحت ایسا کہا گیا۔ تاکہ تلخی کم ہو اور ہر شخص یہی سمجھے کہ وہ اس اکثریت سے خارج ہے اور ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ بھی سوچے کہ کہیں وہ بھی اسی اکثریت میں داخل تو نہیں ہے؟

قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

یوں منقول ہے کہ چند یہودی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے پوچھا کہ آپ کن انبیاء کو مانتے ہیں؟ آپ نے اس سوال کے جواب میں یہ آیت پڑھی، نئومن باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسماعیل و اسحاق۔ تاقولہ تعالیٰ۔ ونحن لہ مسلمون۔ جب آپؐ نے ان انبیاء میں جناب عیسیٰؑ کا نام لیا تو وہ بگڑ کر بولے۔ واللہ لا نعلم دیناً۔ شراً۔ من دینکم۔ بخدا ہم تمہارے دین سے بڑھ کر کوئی برا دین نہیں جانتے تب خداوند عالم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (مجمع البیان۔ روح المعانی) ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے کہو کیا میں تمہیں بتاؤں کہ جزا و سزا یعنی انجام کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بدتر کون ہے؟ سب سے بدتر لوگ وہ ہیں۔

۱۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

۲۔ جن پر وہ غضبناک ہے۔

۳۔ جن کو مسخ کر کے بعض کو بندر بعض کو خنزیر بنایا۔

۴۔ وہ جنہوں نے شیطان (معبود باطل) کی عبادت کی یہ ہیں۔ وہ لوگ جو درجہ اور مقام کے لحاظ سے بدتر ہیں اور سیدھے راستہ سے زیادہ ہٹے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بری صفتیں سب سے زیادہ انہی یہودیوں میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ لعنتی ہیں تو یہی۔ **كَمَا لَعَنَّآ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ**(نساء آیت۔۴۷) ۲۔ **الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ** ہیں تو یہی۔

فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ۔(بقرہ آیت۔۹۰) ۳۔ بندروں کی شکل میں مسخ ہوئے ہیں تو یہی۔ **فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ**۔(بقرہ آیت۔۶۵)۔

۴۔ شیطان پر ایمان لانے والے اور اس کی پرستش کرنے والے ہیں تو یہی۔ **يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ**۔(نساء۔۵۱)۔ گویا خدائے حکیم اس انداز میں اپنے پیغمبرؑ سے کہلوا رہا ہے کہ اگر یہ باتیں بری ہیں۔ تو پھر بدترین خلائق تم ہو نہ کوئی اور مگر خدا نے حکیمانہ انداز گفتگو اختیار کیا ہے اور دنیا کے مبلغین کو بتایا ہے کہ پیغمبرانہ تبلیغ کا انداز یہ ہے کہ اس طرح حکیمانہ طریقہ پر گفتگو کی جائے کہ جس سے مخالفت میں اشتعال پیدا نہ ہو۔

وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ... الآیۃ۔

اس میں منافقین کی حالت کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ جب بزم رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ جب بزم میں داخل ہوتے تو کفر کے ساتھ اور جب بزم سے نکلتے تو بھی کفر کے ساتھ جیسے آئے ویسے گئے۔ ان پر صحبت رسول کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ''صحابیت کو اکسیر سمجھنے والے اس تصریح قرآنی کو غور سے ملاحظہ فرمائیں''۔ (فصل الخطاب)۔

آیات القرآن

وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَكۡلِهِمُ

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم وتعدی کرنے اور حرام خوری میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں، کتنا برا ہے، وہ کام جو یہ کرتے ہیں (۶۳) خدا والے فضلاء اور علماء ان کو گناہ کی بات کرنے (جھوٹ بولنے) اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ کتنا برا ہے وہ کام جو یہ (علماء) کر رہے ہیں (۶۳) یہودی کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (کچھ نہیں کر سکتا) ان کے ہاتھ بندھیں اور اس (بے ادبانہ) قول کی وجہ سے ان پر لعنت ہو۔ بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرتا ہے اور ہم

نے ان کے درمیان قیامت تک دشمنی اور بغض وکینہ ڈال دیا ہے۔ وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور یہ زمین میں فساد برپا کرنے کی سعی و کوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۶۴) اور اگر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ہم ان کی برائیاں دور کر دیتے اور انہیں نعمت وراحت والے بہشتوں میں داخل کرتے (۶۵) اور اگر وہ (اہل کتاب) تورات، انجیل اور جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا تھا کو قائم رکھتے، تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھاتے پیتے۔ ان میں سے ایک گروہ تو میانہ رو ہے۔ مگر ان میں سے زیادہ لوگ ایسے ہیں جو بہت برا کر رہے ہیں (۶۶)۔

تفسیر الآیات

وَ تَرٰی كَثِيْرًا......۶۲ الآیۃ۔

اثم وعدوان کا باہمی فرق؟

''اثم'' مطلق گناہ اور عدوان ظلم کو کہا جاتا ہے، بالفاظ دیگر جس گناہ کا اثر گنہگار کی اپنی ذات تک محدود رہے۔ اسے ''اثم'' کہا جاتا ہے اور جس کا اثر اور ضرر وزیاں دوسرے لوگوں تک پہنچ جائے۔ اسے عدوان کہا جاتا ہے۔ الغرض کہا جا سکتا ہے کہ ''حق اللہ'' کی عدم ادائیگی کا نام اثم اور حق الناس کی پامالی کا نام عدوان ہے۔ اس آیت میں خداوند عالم ان لوگوں کے جمہور عوام کا تذکرہ کر رہا ہے کہ وہ ہر قسم کا گناہ وظلم کرنے اور حرام خوری، میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں۔ ان حالات میں کثرت کو کس طرح دلیل صداقت سمجھا جا سکتا ہے؟

جس میں ع۔

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

لَوۡ لَا یَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ...الآیۃ۔ ۶۳

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید و اہمیت۔

مجمع البیان اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ حرف لولا۔ اگر ماضی پر داخل ہو تو وہ زجر و توبیخ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے۔ لولا جائوا علیه بأدبعة شهداء کہ وہ تہمت زنا لگانے والے چار گواہ کیوں نہ

لائے؟ اس میں کیوں کوتاہی کی؟ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو پھر کسی کام پر برانگیختہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ یہاں فعل مضارع پر داخل ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے خدا پرست مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے، جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے ہیں۔ یہ بات صرف یہود و نصاریٰ کے علماء تک محدود نہیں ہے۔ جبکہ اس آیت مبارکہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے وجوب ولزوم پر اور اس اہم اسلامی فریضہ کے ترک کرنے کی مذمت پر جو تیز روشنی پڑتی ہے وہ عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ بموجب ارشاد نبوی۔ کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعینه۔ سب لوگوں پر عموماً اور علماء کرام پر خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کرنے کے بعد معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھائیں اور اصلاح احوال پر کمر بستہ ہو جائیں۔ تو یقیناً معاشرہ سدھر سکتا ہے اور اگر دنیا سے گناہ وعصیان کا بالکل خاتمہ نہیں تو اس میں معتدبہ کمی تو ضرور واقع ہو سکتی ہے۔ مگر خدا برا کرے سہل انگیزی تن آسانی، مصلحت بینی اور مادہ پرستی کا جو انبیاء کی وراثت کے دعویداروں کو ان کا فرض منصبی ادا نہیں کرنے دیتی۔ لئیس ما کنوا ےصنعون؟

سابقہ قومیں عوام کے گناہ کرنے اور خواص کے امر و نہی نہ کرنے کی وجہ سے ھلاک ہوئی ہیں

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ایک طویل خطبے کے ضمن میں فرمایا۔ اما بعد انما هلك من كان قبلكم حيث عملوا من المعاصى ولم ينههم الربانيون والاحبار عن ذلك۔ پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان کے عوام گناہ کرتے تھے اور ان کے علماء ان کو اس سے روکتے نہیں تھے۔ اس لئے سب پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور وہ نیست و نابود ہو گئے (نور الثقلین، بحوالہ کافی) یہی مضمون نہج البلاغہ کے خطبۂ قاصعہ میں الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مذکور ہے۔ فرماتے ہیں، فان الله سبحانه لم يلعن القرن الماضى بين ايديكم الا لتركهم الامر بالمعروف والنهى عن المنكر فلعن السفهاء لركوب المصاصى والحكماء لترك التنهى۔ وفقنا الله لاداء هذه الفريجه۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللهِ...الآیة۔

یہودیوں کے اس عقیدہ کی تشریح کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

لغت عرب میں لفظ ید کے کئی معنی ہیں۔

۱۔ ہاتھ۔ ۲۔ نعمت۔ ۳۔ قدرت۔ ۴۔ ملکیت۔ ۵۔تسلط

ہاں البتہ! جب یہ لفظ کسی قرینہ کے بغیر بولا جائے۔ تو اس سے مراد ہاتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اس کا حقیقی معنی سمجھا جائے گا۔ پھر قبض الیدا اور غل الید سے بطور استعارہ و کنایہ بخل اور بے اختیار ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ جس طرح بسط الید بطور سے کنایہ سخاوت اور با اختیار ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ اللہ جب جسم و جسمانیات سے منزا و مبرہ ہے تو اس کے ہاتھ بندھنے اور کھلنے سے یہاں کیا مراد ہے؟ اہلسنت کی قریباً تمام تفاسیر اور ہماری بھی اکثر تفاسیر مالیات کے اردگرد گھومتی ہیں کہ یہود کے اس گستاخانہ کلام کا مفہوم بطور کنایہ یہ تھا کہ اللہ معاذ اللہ بخیل ہے۔ تنگدست ہے۔ اور یہ بات انہوں نے آیت۔ اقرضوا اللہ قرضا حسنا (اللہ کو قرض حسنہ دو) پڑھ کر یا مسلمانوں کی مالی کمزوری اور تنگدستی دیکھ کر یا پہلے کی نسبت اپنی مالی بدحالی دیکھ کر کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی تنگدست یا بخیل ہے کہ کسی کو کچھ دے نہیں سکتا اور خدا نے ان کے جواب میں بددعا کرتے ہوئے فرمایا! ان کے ہاتھ بندھیں اور ان پر لعنت ہو پھر بطور کنایہ فرمایا اس کے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے۔ خرچ کرتا ہے۔ یعنی وہ نہ بخیل ہے اور نہ تنگدست جس طرح چاہتا اور جسے جس قدر چاہتا ہے۔ عطاء کرتا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کی وہ تفسیر زیادہ مستند و معتبر ہے۔ جو ہماری بعض قدیم تفسیروں میں ائمہ اہلبیتؑ سے مروی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہود کے اس قول اور خدائے تعالیٰ کے اس جواب کا تعلق مالیات سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اس کے نظام قضا و قدر کے ساتھ تعلق ہے۔ یہود کے اس قول کہ ''خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں'' اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے جو فیصلے کرنے تھے وہ کر چکا ہے اب اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ خود بھی ان میں کچھ ردو بدل کرنا چاہے، تو نہیں کر سکتا یا خدا اپنی خدائی اپنے بیٹے جناب عزیر کے حوالے کر چکا اور اب خود فارغ ہو گیا۔ خدا نے اس کی پرزور رد کرتے ہوئے فرمایا! کہ ایسا ہرگز نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب۔ وہ جس فیصلے کو چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جس فیصلے کو چاہتا ہے۔ ثبت کر دیتا ہے۔ اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ کل یوم ہو فی شان۔ اس کی ہر روز نئی شان ہے اور نئی۔ ع

سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ میں۔

وہ جس فیصلہ کو چاہتا ہے، مقدم کر دیتا ہے، جسے چاہتا ہے، موخر کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے، بڑھا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے، گھٹا دیتا ہے۔ وہ ہر وقت شاہوں کو گدا، گداؤں کو شاہ، امیروں کو فقیر اور فقیروں کو امیر، تندرستوں کو بیمار اور بیماروں کو تندرست کر رہا ہے۔ اسی چیز کا دوسرا نام ''بداء'' ہے۔ جس کا تکوینیات میں وہی مقام ہے۔ جو تشریعیات میں نسخ کا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعا و پکار توبہ و استغفار اور صدقہ و خیرات اور شفاعت و

سفارش کا تمام سلسلہ یکسر بے اثر و بے کار ہو جائے گا۔ چنانچہ تفسیر قمی میں لکھا ہے۔ قالوا قد فرغ الله من الامر لا یحدث الله ما قدرہ فی التقدیر الاول فرد الله علیهم فقال بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء ای یقدم و یوخر ویزید و ینقص وله البدرا والمشیته۔ (تفسیر قمی)۔

اس کا مطلب وہی ہے۔ جو اوپر مذکور ہے اور کتاب التوحید میں ہے کہ حضرت صادقؑ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا۔ لم یعنوا انه هکذا ولکنهم قالوا قد فرغ من الامر فلا یزید ولا ینقص قال الله جل جلاله تکذیبا لقولهم غلت ایدیهم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء الم تسمع الله تعالیٰ یقول یمحو الله ما یشاء ویثبت وعندہ اما الکتاب۔ یعنی یہودیوں کی یہ مراد نہیں کہ درحقیقت خدا کے ہاتھ ہیں اور وہ بندھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ خدا فیصلہ کر کے فارغ ہو گیا ہے۔ اب نہ بڑھا سکتا ہے اور نہ گھٹا سکتا ہے۔ خدا نے ان کی اس بات کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا! ان کے ہاتھ بندھیں اور اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت ہو۔ اس کے ہاتھ تو کھلے ہیں جس طرح چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ یعنی جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ (کتاب التوحید للشیخ الصدوق)۔ نیز کتاب عیون الاخبار میں حضرت امام رضاؑ کا جو مکالمہ سلیمان مروزی کے ساتھ بداء کے بارے میں مذکور ہے۔ اس کا مطلب بھی بعینہ یہی ہے۔ فراجع۔

اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ اگر کوئی مسلمان کہلا کر یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ فارغ ہو چکا ہے۔ اب کچھ نہیں کر سکتا یا نظام قدرت پیغمبر اسلامؐ کے حوالے کر کے کہتا ہے کہ۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

یا کوئی مشرک باللہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر یہ کہتا ہے کہ

رضائیں خدا کی لے لیں علیؑ نے
اللہ کے پلے میں رکھا ہی کیا ہے؟

اور پھر خدا کو فارغ سمجھ کر نظام کائنات کی باگ ڈور حضرت امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں دیتا ہے اور اس توہین خداوندی میں تکریم علیؑ سمجھتا ہے۔ تو وہ یہودی العقیدہ ہے اور مشرک ہے اور وہ دشمن خدا وہ ہرگز مسلمان یا شیعہ علی۔ کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ جیسا کہ فرقہ ضالہ و مضلہ مفوضہ شیخیہ کا نظریہ ہے۔

وَلَيَزِيۡدَنَّ...الآیة۔ ۶۴

جو کچھ قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے۔ وہ بہتوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک دوسرے مقام پر خدا فرماتا ہے۔ وتنزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمومنين ولا يزيد الظالمين الاخسارا۔ کہ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے۔ جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ مگر ظالموں کے نقصان وزیاں میں اور اضافہ کرتا ہے۔ سچ ہے کہ۔

باراں در کہ لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روئدود رشور بوم وخس

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنی طبعی استعداد کے مطابق سرچشمہ فیض سے فیض پاتا ہے۔ لہٰذا

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
وانہ سرسبز دریامین رہ کے عکس سروکنار جوکا

وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ...الآیة۔ ۶۴

اس آیت کی تفسیر میں اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۴۔ فاغرينا بينهم العداوة والبغضاء الى يوم القيامة۔ کے ذیل میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہ یہود جب بھی بانی اسلام یا مسلمانوں نے خلاف آتش جنگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔ تو قادر مطلق اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اسے بجھا دیتا ہے۔ جنگ خیبر ہو یا واقعہ فدک یا بنو نصیر کی جلاوطنی وغیرہ اس قرآنی بیان کے شاہد ناطق ہیں اور یہ لوگ جو زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یاد رکھیں کہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ...الآیة۔

احادیث میں وارد ہے کہ الاسلام يجب ماقبله یعنی اسلام پہلے والے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ بنابریں کہا جا رہا ہے کہ اگر اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ حضرت رسول خداؐ پر ایمان لاتے اور پھر تقویٰ یعنی پرہیز گاری بھی اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں معاف کر دیتے اور انہیں جنت النعیم میں داخل کرتے۔ کیونکہ اسلام میں نجات کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔ جس کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ ع

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰاةَ...الآیة۔٦٦

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ پیغمبر آخر الزمانؐ پر ایمان تو نہیں لائے۔لیکن اگر تورات وانجیل اور اپنے انبیاء کی تعلیمات کو ہی قائم رکھتے،یعنی ان پر عمل کرتے اور اپنی خواہشات کے مطابق ان میں تغیر وتبدل نہ کرتے،تو اوپر نیچے سے کھاتے۔یعنی سر سے پاؤں تک مالی وسعت اور دوسری نعمتوں میں ڈوب جاتے کیونکہ خداوند حکیم نے منجملہ دوسرے اسباب رزق کے ایک سبب تقویٰ کو بھی قرار دیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ خرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔مگر جب انہوں نے ایسا نہیں کیا۔تو وہ معاشی تباہی اور دوسری کئی مصیبتوں میں مبتلا ہوگئے۔اسی کو خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں یوں ادا کیا ہے۔وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (اعراف۔ آیت۔۹۶) اور اگر بستیوں والے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے،تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ''۔(رعد۔۱۲)۔بے شک خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا۔جب تک وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کرے،ایک اور جگہ فرمایا!وما اصابکم من مصیبتہ فما کسبت ایدھکم ویعفو عن الکثیر۔تمہیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔حالانکہ وہ بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔الغرض۔ان میں سے ایک گروہ تو میانہ رو ہے۔مگر اکثریت برا کام کرنے والوں کی ہے۔

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝۶۷ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

اے رسول! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے۔اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (پھر یہ سمجھا جائے گا کہ) آپ نے اس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں۔اور اللہ آپ کی لوگوں (کے شر) سے حفاظت کرے گا بے شک خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا(٦٧) اے اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر نہیں ہو جب تک کہ تورات، انجیل کو اور جو کچھ پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔اس کو قائم نہ رکھو اور جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے (قرآن) وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر میں اضافہ کرے گا آپ کافروں پر افسوس نہ کریں (٦٨) بے شک جو لوگ مومن، یہودی، نصرانی اور صابی (ستارہ پرست) کہلاتے ہیں (غرض) جو کوئی بھی واقعی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان (سب) کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر وثواب (محفوظ) ہے اور ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے۔اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے(٦٩) ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ان کی طرف کئی رسول بھیجے تھے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسی بات لے کر آتا جسے ان کے نفوس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض کو جھٹلا دیتے تھے اور بعضوں کو قتل کر دیتے تھے(٧٠) اور خیال کیا کہ (انہیں) کوئی سزا نہیں ملے گی۔اس لئے وہ

اندھےاور بہرے ہو گئے پھر توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی (لیکن) اس کے بعد پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے(۷۱)۔

تفسیر الآیات

یَاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ...الآیۃ۔۶۷

اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۔ الیوم اکملت لکم دینکم ۔الآیۃ۔کی تفسیر میں ہم فریقین کی کتب تفسیر وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں واضح کر آئے ہیں۔ کہ یہ آیت مبارکہ پیغمبر اسلامؐ کے حجۃ الوداع ۱۰ھ سے فراغت کے بعد واپس مدینہ جاتے ہوئے بمقام غدیر خم نازل ہوئی ہے۔ جبکہ حجاج عظام اور صحابہ کرام کا وہ جم غفیر جس کی کم از کم تعداد نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار مورخین نے بیان کی ہے۔ (سیرٹ آف اسلام وتاریخ کامل وغیرہ)۔ وہاں جبرئیل امین خالق دو جہاں کا یہ اہم پیغام لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك۔ الآیہ۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے خداوند علیم وحکیم کے اس تاکیدی حکم کی تعمیل فرمائی اور دوسرے بعض اہم اعلانات کے علاوہ حضرت علی۔ کی خلافت و امامت کا اہم اعلان بھی فرمایا۔ اور رسم ولی عہدی بھی ادا فرمائی۔ بعد ازاں آیت۔ اکمال دین (الیوم اکملت لکم دنیکم) نازل ہوئی۔

الغرض یہ آیت شریفہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی وہ نص صریح اور دلیل فصیح ہے کہ جس میں کسی منصف مزاج اور غیر متعصب آدمی کے لیے کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے سابقہ مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور مزید تفصیلات اور اس موضوع پر وارد شدہ جملہ شکوک وشبہات اور ان کے تسلی بخش جوابات اور مسلہ خلافت وامامت کے دوسرے تمام متعلقہ مباحث معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

یَاَهۡلَ الۡکِتٰبِ...الآیۃ۔۶۸

اسی سورہ کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر میں اس آیت کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں صرف اس وقت یہ وضاحت کر دینا کافی ہے کہ اہل کتاب کی آسمانی کتابوں یعنی تورات وانجیل میں دو قسم کی عبارات پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جو یہودی وعیسائی مصنفین۔ اور شارحین نے اپنی طرف سے لکھی ہیں اور دوسری وہ جو خدا اور اس کے

انبیاء جناب موسیٰ وجناب عیسیٰ کے ارشادات واقوال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر پہلی قسم کو چھوڑ کر دوسری قسم کو لیا جائے۔ تو ان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم یکساں نظر آتی ہے۔ وہاں بھی وہی خالص توحید نظر آتی ہے جس کا قرآن علم بردار ہے۔ وہی عقیدۂ نبوت و معاد اور نیک اعمال کرنے کی تاکید ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کی بشارت لہٰذا اگر یہ لوگ اصلی تورات وانجیل پر عمل کرتے تو انہیں پیغمبرؐ اسلام کا اقرار کرنے اور اسلام کو قبول کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی مگر انہیں تو تحریف نے تباہ کیا اور جھوٹی تمناؤں اور آرزوؤں نے برباد کیا کہ وہ خدا کے چہیتے ہیں، ان کی نجات یقینی ہے اور اس قسم کے جھوٹے قصیدے جو وہ پڑھا کرتے تھے اور وہ بھول گئے تھے کہ اللہ کے ہاں ان باتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ قدر و قیمت یا مقام و منزلت ہے۔ وہ ایمان و کام کی ہے۔ اور عقیدہ و عمل کی ہے وبس۔ لہٰذا۔ کسی بھی آسمانی کتاب کی حامل قوم کی قدر وقمت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اس کی اصلی تعلیم وتلقین پر قائم ہو اور اس سے ادھر ادھر ہونے سے اس کی قدر و قیمت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ قوم بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ......۶۹ الآیة۔

یہ آیت بالکل اسی طرح ہے۔ جس طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ تھی اور اس کی مکمل تفسیر وہاں بیان کی جا چکی ہے اور وحدت الادیان کے دعویدار اس آیت سے جس طرح اپنے غلط مدعا پر غلط استدلال کیا کرتے ہیں۔ اس کا بطلان بھی وہیں واضح وعیاں کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کوئی کچھ ہو۔ خواہ شروع سے مسلمان ہو یا یہودی، عیسائی ہو یا ستارہ پرست اب سب کے لئے معیار نجات ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ دین اسلام کے اصول و عقائد کو تسلیم کرے جن میں اصل الاصول مبدا و معاد ہے۔ اور اسی شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل کرے، تو وہ اخرت کے خوف وخطر اور رنج وغم سے محفوظ و مامون ہے۔ خلاصہ۔ یہ کہ دین اسلام قبول کئے اور اس کی تعلیمات پر عمل درآمد کے بغیر نجات کے خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ **ومن یبتغ غیر الاسلام دنیا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین۔**

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ......۷۰ الآیة۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں اس میثاق کی تفصیل اور یہ کہ وہ کس طرح سابقہ انبیاء ومرسلین کے ذریعہ سے لیا گیا تھا۔ اور پھر بنی اسرائیل نے اسے کس طرح توڑا ان امور کی بقدر ضرورت تفصیل گذر چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور یہاں بھی ان لوگوں کی عہد شکنی اور بدعہدی کا شکوہ کیا جا

رہا ہے کہ انبیاء پر ایمان لانے کی بجائے یہاں جب بھی کوئی ایسا رسول آیا جس کی باتیں ان کی خواہش نفس کے موافق نہ تھیں، تو انہوں نے اسے جھٹلایا۔ جیسے جناب عیسیٰؑ یا اسے قتل کر دیا، جیسے جناب زکریا اور جناب یحییٰ کو اور پھر یہ گمان بھی کیا کہ انہیں اس جرم شنیع کی کوئی سزا نہیں ملے گی۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو خدا کے چہیتے کہتے تھے۔ اس لئے یہ قبول حق سے بالکل اندھے بہرے ہو گئے بعد ازاں انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی مگر پھر بہت سے لوگ اندھے بہرے ہو گئے۔ اور اپنی سابقہ روش و رفتار کی طرف پلٹ گئے۔ اس تکرار سے ان کے تمرد وسرکشی کی شدت کی تصویر کشی کرنا مقصود ہے۔ اللہ ان کے عمل و کردار کو خوب دیکھ رہا ہے اور وہ اپنی دید کے مطابق ضرور ان کو ان کے کردار بد کی سزا دے گا۔

افادہ

علم نحو کا قاعدہ ہے کہ جب کسی فعل کا فاعل ظاہر ہو تو، وہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع فعل بہر حال واحد ہی لایا جاتا ہے۔ مگر یہاں باوجودیکہ عموا وصموا کا فاعل جو کہ ''کثیر'' ہے۔ ظاہر ہے تو پھر عموا وصموا کو بطور جمع کیوں لایا گیا؟ اس ایراد کے کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً۔ ایک یہ ہے کہ نحو کے قواعد اہل زبان کے تابع ہوتے ہیں اہل زبان کسی خود ساختہ گرائمر کے پابند نہیں ہوتے۔ ع۔

مستند ہوتا ہے ان کا فرمایا ہوا!

یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی اہل زبان نے قرآن پر یہ اعتراض نہیں کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کثیر فاعل نہیں ہے۔ بلکہ وہ اصلی فاعل کا بدل ہے۔ اصلی فاعل ضمیر ہے اور واوٴ جمع کی علامت ہے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ عرب کی یہ بھی ایک لغت ہے کہ اگرچہ فاعل ظاہر بھی ہو مگر ہو جمع تو وہ فعل کو بھی بطور جمع لاتے ہیں جیسے۔ اکلونی البراغیث۔ (مجھے پسوؤں نے کاٹ کھایا) کہ باوجودیکہ فاعل ظاہر ہے مگر چونکہ جمع ہے اس لئے اس کا فعل جمع لایا گیا ہے۔

آیات القرآن

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ؕ وَقَالَ الۡمَسِيۡحُ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ الۡجَـنَّةَ وَمَاۡوٰٮهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ

اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمة الآيات

یقیناوہ لوگ کافر ہیں۔جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود عیسیٰؑ نے یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ بے شک جو شخص کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا۔تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی۔ یارومددگار نہیں ہے (۷۲) یقیناوہ لوگ (بھی) کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔اور اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آئے تو جو ان میں سے کفر پر برقرا رہیں گے تو انہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا (۷۳) یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے (اپنے گناہوں کی) معافی کیوں نہیں مانگتے ؟ درانحالیکہ اللہ بڑا

بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۷۴) مسیح گذر چکے ہیں ان کی ماں صدیقہ (راست باز خاتون) تھیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے واضح دلائل بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جا رہے ہیں (۷۵) (اے رسول) ان سے کہیئے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان (نہ سود نہ زیاں؟) اور اللہ وہ ہے جو ہر بات کا سننے والا ہر چیز کا جاننے والا ہے (۷۶) کہیئے! اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات اور ذاتی خیالات کی پیروی نہ کرو جو پہلے خود گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہ راست سے بھٹک گئے ہیں (۷۷) بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ انہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے (۷۸)۔

تفسیر الآیات

۸۶۔ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا الآیۃ۔ ۷۲

جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غالیانہ عقائد کی مذمت

وہ لوگ کافر ہیں۔ جو یہ کہتے کہ عیسیٰؑ بن مریم ہی اللہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ مانتے ہیں۔ جبکہ حسب ظاہر عیسائی ذات خداوندی کے منکر نہیں ہیں اور اس سے اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اللہ کو تین میں سے ایک مانتے ہیں یعنی تثلیث کے قائل ہیں۔ یہ دونوں متضاد عقیدے ایک ہی قوم کے کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ ہم اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۷۔ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا ۔ الآیۃ کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے تین فرقے ہیں۔

۱۔ نسطوریہ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ ۲۔ یعقوبیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا سے متحد مانتے ہیں۔ (یہاں اسی فرقہ کے نظریہ کی تردید کیا جا رہی ہے۔) ۳۔ ملکائیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو تین خداؤں میں سے ایک قرار دیتے ہیں یہاں اگلی آیت میں اسی عمومی عیسائی نظریہ کی تردید کی جا رہی ہے۔ اور یہی آج کل

عیسائیوں کا عام عقیدہ ہے۔ کہ باپ بھی خدا، بیٹا بھی خدا اور روح القدس بھی خدا با ایں ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔ یعنی یہ تینوں ایک ہیں اور ایک تین ہے یہ ہے وہ خلاف عقل وخرد عقیدہ تثلیث جس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے اور یہ ہیں اقانیم ثلاثۃ جو تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں اور یہ ہے وہ معمہ جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا۔ قرآنی آیات اور اناجیل کی تعلیمات سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ عیسیٰؑ بن مریم خدا کا خاص بندہ اور اس کا نبی کہلوایا اور اس پر فخر کیا۔ یہاں بھی خداوند عالم نے جناب عیسیٰؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے یہی کہا۔ کہ اس اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی جو کسی کو خدا کا شریک بنائے گا۔ اس پر خدا جنت حرام قرار دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور اس ظالم کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔ جو مخلوق خدا کو اللہ کا مولود یا اس کا شریک قرار دے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟؟

ولعنت اللہ علی الظالمین

مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ......۷۳ الآیۃ۔

جناب عیسیٰؑ کے متعلق اسلامی نظریہ

اس آیت میں جناب عیسیٰؑ کے بارے میں جو صحیح اسلامی تصور ہے اسے صاف لفظوں میں پیش کر دیا گیا ہے۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اس کے سچے رسول ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ یعنی بڑی راست باز خاتون تھیں۔ اس طرح بڑے احسن انداز میں یہود و نصاریٰ کے ان غلط خیالات کی تردید کر دی گئی ہے جو وہ جناب مریم اور ان کے فرزند ارجمند کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اور پھر بڑے عجیب انداز میں جناب عیسیٰؑ کے خدا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ لہٰذا دوسرے انبیاء کی طرح وہ بھی بشر و انسان تھے وہ بھی بنص قرآن کھانا کھاتے تھے اور یہ بھی۔ اور ظاہر ہے کہ جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا وہ ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے مگر وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید۔

قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ......۷۶ الآیۃ۔

توحید عبادتی پر ایک برہان

شرک عبادتی کے ابطال اور توحید عبادتی کے اثبات کی کیا عمدہ دلیل ہے۔ کہ تم اس کی عبادت کرتے ہو

جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ عبادت تو اس ذات گرامی صفات کی کرنی چاہیے۔ جو نفع و نقصان اور سود و زیاں پہنچانے پر قادر ہو۔ اور ایسی ہستی صرف خدا کی ہے۔ لہٰذا جناب عیسیٰؑ ہوں یا کوئی اور بزرگ جب وہ بالذات کسی کو کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ وہ عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ جو بالذات عاجز ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ خدا کا یہ کلام ایسا ہی ہے۔ جیسے جناب خلیلؑ نے اپنے چچا سے کہا تھا۔ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا۔ (مریم آیت۔ ۴۲)۔ اے چچا جان! آپ اس چیز کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔ جو نہ تو سن سکتی ہے، نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ ہی تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے؟۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ...الآیۃ۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت

اس آیت مبارکہ میں اہل کتاب کو اور در حقیقت تمام اہل ادیان اور بالخصوص اہل اسلام کو یہ فرمائش کی جا رہی ہے کہ دین کے معاملہ میں افراط و تفریط نہ کرو۔ اور اعتدال کا دامن تھامے رہو۔ غلو کس طرح جوش عقیدت میں آکر کسی کو اس کے مرتبہ و مقام سے بڑھانے کا نام ہے؟ لوگ اپنے بزرگوں کے حق میں کیوں غلو کرتے ہیں؟ غلو کی حقیقت کیا ہے؟ اور پھر غلو کرنے والوں کا انجام کیا ہے؟ ان تمام باتوں کی سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ (جو بالکل اسی آیت جیسی ہے) کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ اور چونکہ اندیشہ تھا کہ مسلمان بھی پیغمبر اسلامؐ کے حق میں ایسا ہی غلو نہ کریں جیسا نصرانیوں نے جناب عیسیٰؑ کے حق میں کیا اس لئے خدائے حکیم نے اپنے نبی کریم سے اعلان کرایا کہ۔ کہدو۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔ (الکہف آیت۔ ۱۱۰) میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے الغرض اہل حق کو ہمیشہ حق کی اور اہل حق کی اتباع و پیروی کرنی چاہیے۔ ضال و مضل لوگوں کی جو خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہوں ان کی ہرگز اتباع نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ۔ ع

ایسی تجارت میں ہے مسلماں کا خسارہ

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا......۷۸الآیۃ۔

ظاہر ہے کہ جو کافر ہیں ان پر خدا بھی لعنت کرتا ہے (یلعنہم اللہ) اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں (ویلعنہم اللاعنون) فلعنۃ اللہ علی الکافرین۔

جس کا ظہور جناب داوٗدؑ اور جناب عیسیٰ ؑ کی زبان سے ہوا اور نہ قرآن کی طرح زبور وانجیل میں بھی کافروں پر لعنت لکھی ہوئی تو تھی۔ اور یہ سب کاروائی ان کافروں کے خدائی حدود سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی اور اس تجاوز کرنے کی کچھ تفصیل اگلی آیات میں مذکور ہے۔ جناب داوٗدؑ نے بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کیا تھا مگر وہ اس سے باز نہ آئے تو جناب داوٗدؑ نے ان کو بددعا دی اور وہ مسخ ہو کر بندر بن گئے۔ جناب عیسیٰؑ سے پانچ ہزار آدمیوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان منگوا کر ہمیں کھانا کھلائیں ہم آپ پر ایمان لائیں گے مگر جب دسترخوان نازل ہوا تو وہ کھانا کھا کر مکر گئے تب جناب عیسیٰ ؑ نے ان کو بددعا دی۔ (مجمع البیان، تفسیر کاشف)۔

آیات القرآن

كَانُوۡا لَا يَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ۝٧٩ تَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يَتَوَلَّوۡنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَفِى الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۝٨٠ وَلَوۡ كَانُوۡا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝٨١ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الۡيَهُوۡدَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا وَّاَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝٨٢

ترجمۃ الآیات

جو برائی وہ کرتے تھے۔ اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ کیسا برا تھا۔ وہ کام جو وہ کرتے تھے (۷۹) آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ اہل اسلام کے بالمقابل کافروں سے دوستی رکھتے ہیں بہت ہی برا ہے وہ (سامان) جو ان کے نفسوں نے ان کے لئے

آگے بھیجا ہے۔ (جس سے) اللہ ان پر غضبناک ہو گیا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے (۸۰) اور اگر وہ خدا پر، رسول پر اور جو کچھ اس (رسول) پر نازل کیا گیا ہے۔ اس پر ایمان لاتے، تو ان کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے۔ لیکن (بات دراصل یہ ہے کہ) ان میں سے زیادہ تر لوگ فاسق و فاجر (نافرمان) ہیں (۸۱) اے پیغمبر! آپ اہل ایمان سے دشمنی کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخت دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور اہل ایمان سے دوستی کرنے میں آپ سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں یہ اس لئے ہے کہ ان میں پادری اور تارک الدنیا عابد پائے جاتے ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے (۸۲)۔

تفسیر الآیات

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ...۷۹...الآیة۔

''تناهي'' کا لفظ لازم اور متعدی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ایک دوسرے کو روکنا بھی ہیں اور خود رکنے کے بھی ہیں۔ لہٰذا پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا۔ اور یہی معنی ہماری نظر میں راجح ہیں۔ کہ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں پر روکتے ٹوکتے نہیں تھے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے تھے۔ اور یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں جرم صرف چند افراد کریں اور اکثریت والے مزاحمت کرتے ہوئے ان کو ان برے کاموں کے ارتکاب سے نہ روکیں ٹوکیں، تو پھر سب برابر کے شریک جرم قرار پائیں گے اور سب لعنت و عذاب خداوندی کے سزاوار ٹھہریں گے۔ اسی بنا پر حضرت امام حسینؑ کی زیارت وارث میں وارد ہے۔ لعن الله امةً سمعت بذلك فرضيت به۔ ان لوگوں پر بھی خدا لعنت کرے، جنہوں نے اس کو سنا مگر اس پر راضی ہو گئے اور سکوت اختیار کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس جرم شنیع کے ارتکاب پر کئی قومیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ وہ لوگ سور کا گوشت کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے اور ایام حیض میں عورتوں سے مقاربت کرتے تھے۔ (تفسیر قمی)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔ فرمایا جن لوگوں پر لعنت کی گئی ہے وہ یہ گناہ کرنے میں ان گنہگاروں کیساتھ شریک نہ تھے۔ ہاں البتہ! ان کو منع نہیں کرتے تھے اور جب ان سے ملتے تھے تو خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور ان سے انس و محبت کرتے تھے۔ (تفسیر عیاشی)۔

اور دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ وہ برے اعمال کو برابر کئے جاتے تھے۔ اور ان سے باز نہیں آتے تھے ظاہر ہے کہ کسی گناہ پر اصرار کرنا اور اس کی تکرار کرنا بھی وہ غلط کام ہے کہ جس کی وجہ سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ۔ لا صغیرہ مع الاصرار ولا کبیرہ مع الاستغفار۔

لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ......۷۹الآیۃ۔

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ کچھ شیعہ کہلانے والے ایسے بھی ہیں۔ جو سلاطین جور کی ملازمت کرتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں؟ فرمایا! وہ شیعہ نہیں ہیں وہ انہیں میں سے ہیں اور پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ لعن الذین کفروا۔ (تفسیر قمی)۔

کسی مناسب مقام پر اس بات کی وضاحت کی جائے گی۔ کہ اگر اس قسم کی ملازمت سے قوم و مذہب بالخصوص کمزور اہل ایمان کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو تو پھر شرعاً ملازمت جائز ہوتی ہے۔ کفارۃ عمل السلطان قضاء حوائج الاخوان (واللہ الموفق)۔

تَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ......۸۰الآیۃ۔

ھم کی ضمیر کا مرجع یہود ہیں اور کفار سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ اگرچہ اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے اب اہل کتاب بھی کافر ہیں مگر پھر بھی وہ کسی دین و دیانت کے قائل تو تھے اس لیے ان کے مقابلہ میں جب کفار کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد وہ مشرکین عرب ہوتے ہیں جو کسی بھی دین و دیانت کے قائل نہ تھے۔ (مجمع البیان)۔

ان لوگوں کے حد سے تجاوز کرنے کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ وہ کفار سے میل جول اور موالات و محبت کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل سلیم و شرع قویم کا فیصلہ یہ ہے کہ برے لوگوں سے نفرت کی جائے جس کا دوسرا نام تبرا ہے اور اچھے لوگوں سے محبت کی جائے جس کا دوسرا نام تولا ہے۔ یہ لوگ اس کے برعکس برے لوگوں سے تولا اور اچھے لوگوں سے تبرا کرتے ہیں اس لئے اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ چونکہ ان کی مسلمانوں سے کچھ قدریں مشترک تھیں لہٰذا وہ مشرکوں کے مقابلہ میں مسلمانوں سے اتحاد عمل کرتے الٹا وہ بت پرست کفار کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہوتے تھے۔ قرآن ان کے اسی سیاہ کارنامے کو بیان کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف زبانی خدا و پیغمبر پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ اگر وہ درحقیقت خدا اور اس کے نبی (موسیٰؑ) اور ان پر نازل کردہ کتاب (تورات) پر ایمان لائے ہوتے تو بھی کفار عرب کے ساتھ تولا نہ کرتے۔ اس تفسیر سے مستفاد ہوتا ہے۔

کہ یہاں النبی سے مراد جناب موسیٰؑ اور ما انزل اللہ سے مراد تورات ہے۔ اگرچہ عموماً جب النبی۔ الرسول کا لفظ قرآن میں آئے تو اس سے مراد پیغمبر اسلام ہوتے ہیں اور ما انزل اللہ سے مراد قرآن ہوتا ہے۔ مگر ہم نے سابقہ قرینہ کی بنا پر کہ ان لوگوں سے مراد یہودی ہیں النبیؐ سے جناب موسیٰؑ کو اور ما انزل اللہ سے تورات مراد لی ہے۔ واللہ العالم۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ...... ۱۸۲ الآیۃ۔

بعض مفسرین نے اس مقام پر بڑی موشگافیاں کی ہیں مثلاً یہ کہ یہودی اور مشرک جو مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن ہیں اور نصاری کم۔ تو پھر یہود کی یہ شدت وگرمی اور نصاریٰ کی یہ لینت ونرمی ہر زمان ومکان کے لیے ہے؟ یا یہ بات صرف پیغمبر اسلامؐ کے عہد کے یہود تک محدود تھی۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ خدائے علیم وحکیم کے اس صریحی بیان کے بعد کہ اہل ایمان سے سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور اہل ایمان سے دوستی میں زیادہ قریب نصاریٰ ہیں اور اس کی وجہ یہ دو چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں قسیس (پادری) اور راہب یعنی لوگوں سے کنارہ کش اور دنیا و مافیہا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ گرجاؤں میں مقیم اور خانقاہوں میں عزلت نشیں موجود ہیں وہ نصاریٰ کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ یہ لوگ متکبر مزاج نہیں ہیں۔ مگر یہ بات نہ آیات سے ظاہر ہوتی ہے اور نہ روایات سے کہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے لہٰذا ممکن ہے کہ یہ صرف آنحضرتؐ کے زمانہ کے مخصوص حالات سے وابستہ ہو؟ زیادہ تر مفسرین اسلام کا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ یہ بات آنحضرتؐ کے دور کے مخصوص حالات اور مخصوص لوگوں کے متعلق ہے اور اس ممدوح جماعت نصاریٰ سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور اس کے متعلقین یا ان اچھی صفات کے حامل دوسرے مخصوص نصرانی مراد ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کی ہجرت اولیٰ میں مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور ان سے حسن سلوک کیا تھا۔ اسی لئے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی زیادہ توفیق ہوئی۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کسی قوم کے خداترس علماء اس کے حالات کی اصلاح میں موثر کردار ادا کرسکتے ہیں بہرحال اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر دور کے عیسائی اسی طرح مسلمانوں کے دوست اور خیرخواہ ہوں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ انقلاب زمانہ سے کبھی عیسائی اسلام و مسلمان دشمنی میں یہودیوں سے بھی آگے نکل جائیں۔ پس اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو کبھی یہود و ہنود اور نصاریٰ پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ بموجب ''الکفر ملۃ واحدۃ'' مجموعی حیثیت سے یہ سب اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں یہ الگ بات ہے کہ کوئی ابعد ہے اور کوئی اقرب کوئی زیادہ سخت ہے اور کوئی قدرے نرم ایک سچے اور پکے مسلمان کو ہمیشہ اپنے پروردگار کی ذات والا صفات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وعلی اللہ

فلیتوکل المومنون۔

یا پھر اپنی قوت بازو پر کیونکہ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہٖ

۶ دسمبر ۲۰۰۲ء، ۹ ماہِ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ

سرگودہا پاکستان